بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	كتاب الأيمان والنذور	
	باب الأيمان	
	قسم کھانے کا بیان	

فصل فی کفارة الیمین

(قسم کے کفارہ کا بیان)

باب النذور

(نذر کا بیان)

کتاب الحدود والقصاص والشهادة

باب حدّ الزِنا ومايتعلق به

(حدِ زنا کا بیان)

باب حد القذف

(حدِ قذف کا بیان)

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

فصل فی التعزیر باخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

باب الحدّ بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

باب القصاص والدّية

(قصاص اور دیت کا بیان)

باب الشهادة

(گواہی دینے کا بیان)

كتاب اللقطة

(لقطہ کا بیان)

کتاب الشرکة والمضاربة

(شرکت اور مضاربت کا بیان)

کتاب الوقف

باب ما یتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

بابٌ في استبدال الوقف وبيعه

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

باب ولایة الوقف

(تولیت وقف کا بیان)

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميره

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

الفصل الثانی فی مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

الفصل الثالث في المحراب والمنبر

(محراب اور منبر کا بیان)

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

الفصل الخامس في المسجد القديم

(پرانی مسجد کا بیان)

الفصل السادس فی التوسیع فی المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

الفصل السابع فی التصرف والتعمیر فی المسجد

(مسجد میں تصرف اور تعمیر کرنے کا بیان)

الفصل الثامن في السكونة في المسجد

(مسجد میں رہائش اختیار کرنے کا بیان)

الفصل التاسع فی انتقال المسجد وأمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنے کا بیان)

الفصل العاشر في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان)

الفصل الثاني عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)

☆...☆...☆...☆...☆

کتاب الأیمان والنذور

باب الأیمان

(قسم کھانے کا بیان)

قسم دینے کا حکم

سوال [۶۷۰۸]: کیا قسم دینے سے قسم پڑ جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کو قسم دے کر کوئی بات کہی تو اس سے اس کے ذمہ قسم لازم نہیں ہوتی(۱)، مروت لازم ہوتی

---

(۱) "وفيه دليل على أن من أقسم غيره وقال: والله لتفعلن كذا، ولم ينو شيئًا أو نوى أن يعقد ذلك ولا يعقد، فهو حالف، فإن لم يفعل المخاطب، حنث. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، ولا شيء على واحد منهما إذا لم يفعل". (إعلاء السنن: [illegible]، كتاب الأيمان، باب إذا حلف يمينًا واحدة على أشياء كثيرة فهي يمين واحدة الخ ...، إدارة القرآن كراچی)

"وإن قال: والله لتفعلن كذا، ولا نية له، فهذا حلف منه إلا أن ينوي الاستحلاف، فلا يكون. وإذا لم ينو الحلف ولا الاستحلاف، فهو يمين". (الفتاوى التاتارخانية: [illegible]، كتاب الأيمان، إدارة القرآن كراچی)

"وكذا لو قال: والله لتفعلن كذا وكذا، ولم ينو شيئًا، فهو الحالف. وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، ولا شيء على واحد منهما". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: [illegible]، كتاب الأيمان، رشيدية)

"ولو قال: والله لتفعلن كذا وكذا، ولم ينو شيئًا، فهو الحالف، وإن أراد الاستحلاف، فهو استحلاف، فلا شيء على واحد منهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون -

ہے لیکن اس کے قسم دینے سے وہ بھی قسم کھالے تو قسم ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

بلا ضرورت قسم کھانا

سوال [۱۷۰۹]: سچی باتوں پر قسم کھانا اور حلف دے لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا ضرورت سچی بات پر قسم کھانا اور قسم لینا شرعاً مذموم ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ ہذا، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

— حیثاً وما لا یکون یمیناً: ۲/ ۶۰، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار: ۳/ ۷۰۸، کتاب الأیمان، سعید)

(۱) "ولو قال: واللہ لتفعلن كذا، فقال الآخر: نعم، فهو على خمسة أوجه: أحدها: أن ينوي كلٌّ من المبتدئ والمجيب الحلف على نفسه، فهما حالفان، أما الأول فظاهر، وأما الثاني فلأن قوله "نعم" يتضمن إعادة ما قبله، فكأنه قال: واللہ لأفعلن كذا، فإذا لم يفعل، حنثا جميعاً". (رد المحتار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۰۹، سعيد)

(۲) "وذكر بعضهم أن كثرة الحلف مذمومة ولو في الحق، لما فيه من الجرأة على اسمه جل شأنه" (روح المعاني: ۲۹/ ۲۷، (سورة القلم: ۱۰)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"﴿ولا تجعلوا الله عرضة لأيمانكم﴾ الآية. وبهذه الآية ثبت أن الإكثار بالحلف مكروه، وإن الحلاف مجترئ على الله لا يكون براً متقياً" (التفسير المظهري (سورة البقرة: ۲۲۴): ۱/ ۲۸۶، حافظ کتب خانہ)

"إن الإكثار بالحلف مكروه" (تفسير المظهري: ۱۰/ ۳۳، (سورة القلم: ۱۰)، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

"﴿ولا تطع كل حلاف﴾ ..... وكفى به مزجرة لمن اعتاد الحلف". (تفسير القاسمي: ۱۶/ ۲۵۵، (سورة القلم: ۱۰)، دار الفكر بيروت)

کیا قسم کھانا جھوٹا ہونے کی علامت ہے؟

سوال[۲۴۱۰]: کسی مسلمان کے قسم کھانے پر کسی مسلمان کو یقین کرنا چاہئے یا نہیں؟ مثلاً: ایک شخص بظاہر دیندار، نیک، حافظِ قرآن نے ایک مولوی صاحب کے سامنے کسی بات پر خدا کی قسم کھائی، مگر اس پر مولوی صاحب نے ایک حدیث پڑھ کر فرمایا کہ جو قسم کھاتا ہے، اس حدیث کی رو سے جھوٹا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کی رو سے بظاہر نیک دیندار آدمی قسم کھانے پر جھوٹا ہوگا تو کسی مسلمان کے جھوٹا یا سچا ہونے کی کیا دلیلِ شرعی ہے اور اس کے معلوم کرنے کا شرعی کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بات بات پر قسم کھانا جھوٹے آدمی کی عادت ہوتی ہے(۱)، سچے آدمی کا یہ کام نہیں جیسا کہ شب وروز تجربہ اور مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن وہ حدیث جس کی رو سے مولوی صاحب قسم کھانے والے کو جھوٹا قرار دیتے ہیں آپ نے نہیں لکھی، بہتر ہوتا لکھ دیتے تاکہ اس کے متعلق تحقیق ہو جاتی۔ جب مسلمان کا ظاہر حال بتاتا ہے کہ وہ صالح دیندار ہے تو بغیر دلیلِ شرعی کے اس کی قسم کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں(۲)۔ جس

■ "والأصل في اليمين بالله تعالى تقليلها ... وفي تكثير اليمين المعقودة إلى المستقبل تعريض اسم الله للهتك. قلت: وعليه الصوفية. قال: فبالله لاتحلف وإن كنت صادقاً، ولاتكثرن يوماً وإن كنت هازلاً". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأيمان: ٣٣٢/٢، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "إن الإكثار بالحلف مكروه، وإن الحلاف مجترئ على الله، لايكون براً متقياً". (التفسير المظهري، (سورة البقرة: ٢٢٤): ٢٨٩/١، حافظ كتب خانه)

(۲) ﴿يأيها الذين اٰمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾ الاٰية. يقول تعالىٰ ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن وهو التهمة ... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاث لازمات لأمتي: الطيرة، والحسد، وسوء الظن". (تفسير ابن كثير: ٢٧٣/٤، (سورة الحجرات: ١٢)، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب ماينهي عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول، ص: ٤٢٧، قديمي)

مواقع میں قسم کا اعتبار کرنا اور اس کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں، جن مواقع میں قسم پر معیار ہوتا ہے وہاں اسی قسم پر شرعاً فیصلہ کردیا جاتا ہے

"عن علقمة بن وائل بن حجر الحضرمي عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: جاء رجل من حضرموت ورجل من كندة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال الحضرمي: يا رسول الله! إن هذا غلبني على أرض لأبي، فقال الكندي: هي أرضي في يدي، أزرعها، ليس له فيها حق، فقال النبي صلى الله عليه وسلم للحضرمي: "ألك بينة؟" قال: لا، قال: "فلك يمينه" قال: يا رسول الله! إنه فاجر لا يبالي ما حلف عليه، ليس يتورع من شيء. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ليس لك منه إلا ذلك" فانطلق، فلما أدبر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أما لئن حلف على ماله ليأكله ظالماً، ليلقين الله وهو عنه معرض" اهـ. أبو داود شريف، ص ۲۶۶ (۱)۔

---

(۱) (سنن أبي داود، كتاب الأيمان، باب من ليقتطع بها مالاً: ۲/۱۰۸، مكتبه رحمانيه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، باب الأقضية والشهادات، الفصل الأول، ص: ۳۲۷، قديمي)

ترجمہ: علقمہ بن وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرموت کا اور ایک شخص کندہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، حضرمی نے کہا: یا رسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- بے شک یہ شخص مجھ پر میرے باپ کی زمین پر غالب آگیا، کندی نے کہا: وہ میری زمین ہے میرے قبضہ میں ہے، میں اس میں کھیتی کرتا ہوں، اس کا اس میں کوئی حق نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا: "کیا تیرے پاس گواہ ہے"؟ اس نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: "پس تیرے لئے اس کی قسم ہے" اس نے کہا: یا رسول اللہ! -صلی اللہ علیہ وسلم- یہ تو فاجر شخص ہے، یہ تو کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ کس چیز پر قسم کھا رہا ہے یہ تو کسی چیز سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تیرے لئے اس کی طرف سے اس کے سوا کچھ نہیں"۔ پس وہ شخص قسم کھانے کے لئے چلا، جب اس نے پشت پھیری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خبردار! اگر اس نے اس کا مال ظلماً کھانے کے لئے قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے اعراض کرنے والا ہوگا" یعنی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے۔

دیکھئے اس حدیث شریف میں باجود فاجر اور ظالم ہونے کے اس کی قسم پر مدار قرار دیا ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۳/۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، یکم / جمادی الاولیٰ /۵۸ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

جھوٹی قسم کھانا

سوال[۱۶۰۱]: اگر کوئی شخص کسی سے مذاق کرے اور پھر اس مذاق میں پکڑا جائے اور پھر اس نے اقرار نہیں کیا اور جھوٹ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے قرآن شریف اٹھایا تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس شخص کو کیا عذاب ہوتا ہے اور اس کے عذاب کم ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے(۱)، قرآن کریم ہاتھ میں لے کر جھوٹی قسم کھانا اور بھی خطرناک ہے، عذابِ آخرت کے علاوہ بسا اوقات اس کا وبال دنیا میں بھی آجاتا ہے، اور جھوٹ ظاہر ہو کر بہت رسوائی اور ذلت ہوتی ہے، ان لوگوں کی نظروں میں بھی حقیر و ذلیل ہوتا ہے جن کو یقین دلانے کے لئے قرآن شریف ہاتھ میں لیکر جھوٹی قسم کھائی اور اپنی عزت بچائی تھی۔ ایسے شخص کو خدا کے سامنے اپنی نالائق حرکت پر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار ضروری ہے کہ کتاب صادق جو کہ صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کو ہاتھ میں لے کر اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے(۲)۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، آمین! جن لوگوں کو

---

(۱) "عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "من حلف علی یمین مصبورة کاذباً، فلیتبوأ بوجهه مقعده من النار". (سنن أبی داؤد: ۲/۹۰۱، ۷۰۷، کتاب الأیمان، باب التغلیظ فی الیمین الفاجرة، إمدادیہ ملتان)

"من الکبائر الإشراک باللہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، والیمین الغموس". (إعلاء السنن: ۱۱/۳۲۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "أن لها ثلاثة أرکان: الإقلاع، والندم علی فعل تلک المعصیة، والعزم علی أن لا یعود إلیها أبداً، فإن کانت المعصیة لحق آدمی فلها رکن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلک الحق، وأصلها الندم وهو رکنها الأعظم. واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، وأنها واجبة علی الفور لا یجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے، ان کے ذہن کو بھی صاف کرنے کی کوشش کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

جھوٹا حلف

سوال[۱۲۷۱]: مسماۃ حلیمہ کے تین لڑکے: زید، بکر، عمر۔ خالد نے حلیمہ سے چار ہزار روپیہ مانگا اور کہا کہ ہم اینٹ کا بھٹہ چلا رہے ہیں، اس میں آپ کا چوتھائی حصہ رہے گا، اس بات کو مان کر حلیمہ و زید نے چار ہزار روپیہ نقد کو دیا اور کام بھٹہ کا ہوتا رہا۔ بھٹہ بند ہونے کے بعد جب حساب ہوا تو کافی نقصان معلوم ہوا۔ کئی روز تک حساب کی جانچ پڑتال ہوتی رہی، مگر نقصان ہی رہا۔ چنانچہ حلیمہ و زید، بکر، عمر نے چار ہزار روپیہ کے واسطے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ خالد روپیہ دینے کا برابر اقرار کرتا رہا، لیکن یہ کہتا تھا کہ جتنا روپیہ نقصان ہوا ہے، اس کے حساب سے چوتھائی منہا کر کے بقیہ روپیہ لے لو۔ خالد کے پاس نقد روپیہ نہیں تھا، سرخط لکھنے کو تیار تھا، مگر حلیمہ و زید و بکر و عمر سرخط لکھوانے پر تیار نہیں تھے(۲)، تیار ہوتے تو اس پر کہ پورے چار ہزار کا سرخط لکھوائیں گے، اس بات پر خالد نے انکار کیا اب جھگڑا بڑھ گیا۔

= (وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال الله تعالى: ﴿قل يعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

(۱) "اليمين يمينان: يمين تكفر، ويمين فيها الاستغفار، فاليمين التي تكفر فالرجل يقول: والله لا أفعل، والتي فيها الاستغفار، فالذي يقول: والله لقد فعلت". (كتاب الآثار، باب من حلف وهو مظلوم، ص: ۱۹۱، سعيد)

"قال عليه الصلاة والسلام: "اليمين الفاجرة تدع الديار بلاقع - أي خالية، ولاتجب فيه الكفارة إلا التوبة والاستغفار" (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۵۹، رشيديه)

(۲) "سرخط: قبولیت نامہ، کرایہ نامہ، وہ کاغذ جس پر ملازمت کی شرائط یا یادداشت لکھتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۴۷، فیروز سنز، لاہور)

"فیمین باللہ تعالیٰ لاتکرہ، ولکن تقلیلہ أولی من تکثیرہ". عالمگیری، ص: ٤٤٦(١)۔

"والقسم باللہ تعالیٰ أو باسم من أسمائہ کالرحمن والرحیم والحق، أو بصفۃ من صفاتہ تعالیٰ کعزۃ اللہ وجلالہ وکبریائہ وعظمتہ وقدرتہ. ولا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والقرآن والکعبۃ. قال الکمال: ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً. وأما الحلف بکلام اللہ تعالیٰ فیدور مع العرف. وقال العینی: عندی أن المصحف یمین لاسیما فی زماننا". درمختار مختصراً، ص: ٢٩١(٢)۔

گرکسی گذشتہ فعل پر جھوٹی قسم کھائی تو گنہگار ہوگا(٣) اور آئندہ کے لئے قسم کھانے سے حنث پر کفارہ دینا ہوگا(٤)۔ بلاوجہ شرعی بغض رکھنا گناہ ہے(٥)، اس سے توبہ اور اجتناب لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ٢/٢/٥٣ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ١٢/صفر/٥٣ھ۔

---

(١) (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الأیمان، فی الباب الثانی فیما یکون یمیناً وما لایکون یمیناً: ٢/٥٢، رشیدیہ)

"والیمین باللہ تعالیٰ لایکرہ، وتقلیلہ أولیٰ". (رد المحتار، کتاب الأیمان، مطلب فی حکم الحلف بغیرہ تعالیٰ: ٣/٧٠٥، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنہر، کتاب الأیمان: ٢/٢٦٠، غفاریہ)

(٢) (رد المحتار: ٣/٧١٢، کتاب الأیمان، سعید)

"والیمین باللہ تعالیٰ والرحمن والرحیم وجلالہ ...... لابعلمہ وغضبہ وسخطہ ورحمتہ والنبی والقرآن .... ولایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمیناً کما هو قول الأئمۃ الثلاثۃ". (البحر الرائق: ٤/٣٨٠-٣٨٢، کتاب الأیمان، رشیدیہ)

"والیمین باللہ وباسم من أسمائہ الرحمن والرحیم ...... لا بغیر اللہ کالقرآن والنبی. قال فی المصحح: ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (مجمع الأنہر، کتاب الأیمان، فصل: ٢/٢٦٩، ٢٧٠، مکتبہ غفاریہ)

(٣) "حلفہ علی ماض کذباً عمداً غموس، وظناً لغو، وأثم فی الأولیٰ دون الثانیۃ بمعنی یأثم فی الغموس". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ٣/٤١٩، ٤٢٠، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(٤) "الیمین علی شئ سیأتی فی المستقبل منعقدۃ، وحکم هذہ الیمین وجوب الکفارۃ عند الحنث". (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ٣/٤٢٢، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(٥) "عن أبی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "إیاکم والظن،

بُت خانہ کی قسم کھانا

سوال[۶۱۴۱]: زید اور عمر میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، جس کے فیصلے کے لئے دو چار ہندو بھائی اور کچھ مسلمان بھائی کسی مزار سے پچھوڑے پر بیٹھے۔ جب زید سے زبان بندی لی گئی تو زید کو جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا، اور عمر سے زبان بندی لی گئی تو اس نے اس بت خانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں بالکل ٹھیک ہے، اس بت خانہ کی قسم۔ التجا یہ ہے کہ عمر نے ایک مسلمان ہوتے ہوئے ایسی جو قسم کھائی اس سے اس کے اسلام وایمان میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا، یا ہو تو کیا کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرورت پیش آنے پر اگر قسم کھائی جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی قسم کھائی جائے، کسی غیر اللہ کی قسم کھانا اور وہ بھی بت خانہ کی قسم کھانا ہرگز جائز نہیں، سخت گناہ ہے، مذکورہ صورت میں زیادہ خطرہ ہے، اس لئے تجدید ایمان وتجدید نکاح کرا دیا جائے (۱)۔ ندامت کے ساتھ توبہ کرکے آئندہ پوری احتیاط و اجتناب

= فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا ولا تجسسوا، ولا تناجشوا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب ما نهي عنه من التهاجر، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من حلف منكم، فقال في حلفه: باللات، فليقل: لا إله إلا الله". (الصحيح لمسلم، كتاب الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى: ۲/۴۶، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من حلف باللات والعزى، فليقل: لا إله إلا الله". ولم ينسبه إلى الكفر".

"عن ثابت بن الضحاك قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "من حلف بغير ملة الإسلام، فهو كما قال". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى الإسلام: ۲/۹۸۳، قديمي)

"قال العبد الضعيف: هذا دليل على أن من جرى على لسانه شئ من كلمات الكفر دون سهو وسهعا، إن يتعمد ذلك، فإنه لا يكفر بذلك، ولكنه يؤمر بإعادة كلمة التوحيد والاستغفار والتعوذ". (تكملة فتح الملهم، كتاب الأيمان، باب من حلف باللات والعزى: ۲/۱۸۴، مكتبه دار العلوم كراچي)

کا وعدہ کرنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

قرآن پاک کی قسم کھانا

سوال [۶۴۰۵]: قرآن پاک کی قسم کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہیے، لیکن اگر کھائے گا تو منعقد ہو جائے گی، اور اس پر قسم ہی کے احکام مرتب ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "لا يقسم بغير الله تعالى كالنبي والقرآن والكعبة" (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: لا يقسم بغير الله تعالى) عطف على قوله: والقسم بالله تعالى: أي لا ينعقد القسم بغيره تعالى أي غير أسمائه وصفاته ولو بطريق الكناية كما مر، بل يحرم كما في القهستاني، بل يخاف منه الكفر". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الأيمان، قبيل مطلب في القرآن: ۳/۷۱۲، سعيد)

"من حلف بغير الله لم يكن حالفاً كالنبي عليه السلام والكعبة، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً، الفصل الأول في تحليف الظلمة الخ: ۲/۵۳، رشيدية)

(۲) "ولا يقسم بغير الله تعالى كالنبي والقرآن والكعبة، قال الكمال: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فيكون يميناً". (رد المحتار، كتاب الأيمان: ۳/۷۱۲، سعيد)

"ثم لا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فيكون يميناً، كما هو قول الأئمة الثلاثة". (فتح القدير، كتاب الأيمان، باب ما يكون يميناً وما لا يكون يميناً: ۵/۷۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"واليمين بالله أو باسم من أسمائه كالرحمن والرحيم والحق ولا يفتقر إلى نية إلا فيما يسمى به غيره كالحكيم والعليم، أو بصفة من صفاته يحلف بها عرفاً كعزة الله وجلاله وكبريائه وعظمته وقدرته لا بغير الله كالقرآن والنبي. قال في المجمع: ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فيكون يميناً". (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۴-۲۶۵، مكتبه غفاريه)

قرآن اٹھا کر قسم کھانا

سوال[۶۵۱۱]: زید نے بکر سے کسی بات کا معاہدہ لینے کے لئے چاہا، بکر نے وعدہ کیا، زید نے اعتبار نہ کیا، بکر غصہ میں آکر کلام اللہ شریف اٹھالیا اور اسی طرح بکر نے زید سے کسی بات کا وعدہ لینا چاہا، زید نے بکر کے اطمینان کے لئے کلام اللہ شریف اٹھا کر اور خدا اور رسول کو بیچ میں دے کر وعدہ کرلیا۔ اب ان میں سے ایک نے اپنا وعدہ توڑ دیا تو اب دوسرا بھی اگر توڑ دے تو قابلِ گرفت تو نہیں ہے؟ برائے کرم تحریر کریں۔ فقط۔

عبدالحفیظ خاں، محلہ نیکا ٹیکہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جیسا قرآن شریف اٹھا کر وعدہ کیا ہے تو اگر قسم بھی کھائی ہے تو قسم جب تک موافقِ شرع ہو اس کو توڑنا درست نہیں، اگر خلافِ شرع ہے تو اس کا توڑنا واجب ہے(۱) اور کفارہ بھی واجب ہے(۲)۔ اگر ایک نے قسم

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون: ۲/۵۳، رشيديه)

(وكذا في إعلاء السنن: ۱۱/۳۶۲، كتاب الأيمان، باب لا تنعقد اليمين إذا حلف بغير الله عزوجل، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "وحكمها وجوب الكفارة إن حنث. ومنها ما يجب فيه البر كفعل الفرائض وترك المعاصي. ومنها ما يجب فيه الحنث كفعل المعاصي وترك الواجبات. ومنها ما يفضل فيه الحنث كهجران المسلم ونحوه، وما عدا ذلك يفضل فيه البر حفظاً لليمين كذا في المجمع؛ لقوله تعالى: ﴿واحفظوا أيمانكم﴾ أي عن الحنث". (مجمع الأنهر: ۲/۲۶۳، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح الباري، باب: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو﴾: ۱۱/۶۹۳، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "والله! لأن يستلج أحدكم في يمينه آثم له عند الله من أن يؤدي الكفارة التي فرض الله عليه". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، باب إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب الخ: ۱۱/۳۷۶، إدارة القرآن كراچی)

"والأصل في كفارة اليمين: الكتاب، والسنة، والإجماع، أما الكتاب فقول الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من =

توڑ دی ہے تو اس کے ذمہ کفارہ واجب ہو گیا، اگر دوسرا توڑے گا تو اس کے ذمہ بھی کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر محض وعدہ کیا ہے، قسم نہیں کھائی تب بھی جہاں تک ہو سکے اس کو پورا کرنا چاہیے، اگر بلا وجہ وعدہ خلافی کرے گا تو گنہگار ہوگا، کیونکہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا مکروہ ہے(۱)، البتہ اگر کوئی عارض پیش آگیا کہ جس کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کر سکتا ہے تو مجبوری ہے، اس میں گناہ نہیں ہے۔ ہاں! اگر وعدہ کرتے وقت خلاف کرنے کی نیت تھی تو یہ سخت گناہ ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

= أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم، واحفظوا أيمانكم، كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تشكرون﴾. (المائدة: ۸۹).

وأما السنة فقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها، فأت الذي هو خير، وكفر عن يمينك".

وأما الإجماع، وأجمع المسلمون على مشروعية الكفارة في اليمين بالله تعالى". (الفقه الإسلامي وأدلته، الباب السادس: الأيمان والنذور والكفارات، الفصل الثالث: الكفارات، كفارة اليمين: ۳/۲۵۷، رشیدیہ)

"وكفارته، هذه إضافة للشرط؛ لأن السبب عندنا الحنث تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين كما في الظهار، أو كسوتهم بما يصلح للأوسط وينتفع به فوق ثلاثة أشهر ويستر عامة البدن. [illegible] صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب في كفارة اليمين: ۳/۷۲۵-۷۲۶، سعيد)

(۱) "الخلف في الوعد حرام". (الأشباه والنظائر: ۳/۲۳۷، الحظر والإباحة، إدارة القرآن كراچی)

"قال المحشي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء. وقال صاحب تحفة الفريد في التعليل: إنما يوصف بما ذكر؛ أي بأن خلف الوعد نفاق إذا اقترن العزم على الخلف. [illegible] إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". (غمز عيون البصائر مع الأشباه والنظائر، (رقم القاعدة: ۱۷۲۹): ۳/۲۳۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

قرآن کی قسم سچا نہ جاننے والے کا حکم

سوال[۷۰۱۴]: زید کہتا ہے کہ جو شخص قرآن شریف یا کعبہ شریف کی قسم کھائے، اس کا ضرور اعتبار کرنا چاہیے، جو نہیں کرے گا وہ کافر ہے۔ لیکن بکر کہتا ہے کہ سوائے خداوند قدوس کے اور کسی چیز کی قسم کھانا ہی جائز نہیں تو اس کا کیسے اعتبار کیا جائے گا؟ کیا وہ جھوٹا سمجھا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی بات بکر کی صحیح ہے کہ خداوند قدوس (کی ذات وصفات) کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں (۱)، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی قسم کھانے سے بھی قسم صحیح ہو جاتی ہے، جیسا کہ فتح القدیر (۲)، بحر (۳) وغیرہ میں لکھا ہے، لیکن بلاوجہ کسی کو جھوٹا قرار دینا درست نہیں (۴)۔ بلاضرورت بات بات پر قسم کھانا بھی شرعاً مذموم ہے (۵)۔ زید کا یہ کہنا ہے کہ ایسی قسم کھانے والے کا جو اعتبار نہ کرے وہ کافر ہے، یہ بھی غلط ہے۔ اگر

= الیمین، فإنها الحالقة". (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۴۲۸، کتاب الآداب، باب ما نهي عنه من التهاجر، الفصل الثاني، قدیمی)

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أدرک عمر بن الخطاب -رضي الله تعالیٰ عنه- وهو یسیر في رکب یحلف بأبیه، فقال: "ألا! إن الله ینهاکم أن تحلفوا بآبائکم، من کان حالفاً فلیحلف بالله أو لیصمت". (صحیح البخاري، ۹۸۳/۲، باب: لا تحلفوا بآبائکم، قدیمی)

(۲) "ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (فتح القدیر: ۷۰/۵، کتاب الأیمان، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۳) "ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف، فیکون یمیناً". (البحر الرائق: ۴۸۱/۴، کتاب الأیمان، رشیدیه)

(۴) "عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم "إیاکم والظن، فإن الظن أکذب الحدیث". الحدیث. (مشکوٰۃ المصابیح، باب ما نهي عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قدیمی)

(۵) "وذکر بعضهم أن کثرة الحلف مذمومة ولو في الحق، لما فیها من الجرأة علی اسمه تعالیٰ". =

قرائن و دلیل سے اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو، یا مشاہدہ کے خلاف کوئی قسم کھائے، تو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی قسم ہو، اس کا اعتبار نہ کرنے سے بھی کوئی کافر نہیں ہوتا، منافقین کی قسموں کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے جن کو جھوٹا قرار دیا گیا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۸/ ۹۹ھ۔

قرآن پاک گود میں لے کر وعدہ کا حکم

سوال[۱۰۶۲۰]: میں قرآن پڑھ رہا ہوں، گود میں قرآن ہے اور کسی سے کچھ وعدہ کر لیتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا، اب احساس یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے وعدہ کر رہا ہوں اور بعد میں اس سے یہ کہوں کہ میں وہ کام نہیں کر سکا، مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرآن پاک پڑھتے ہوئے گود میں لیے ہوئے وعدہ کرنے سے قسم نہیں ہوتی (۲)، جو وعدہ خالی گود کیا ہو، اس کو بھی پورا کرنے کی کوشش کی جائے، کوئی عذر پیش آجائے تو دوسری بات ہے (۳)۔ وعدہ کرتے وقت یہ نیت کرنا کہ پورا نہیں کروں گا نفاق کی علامت ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

=(روح المعانی: ۲۹/ ۲۷، (سورۃ القلم: ۱۰)، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ویحلفون باللہ إنهم لمنكم، وما هم منكم، ولكنهم قوم يفرقون﴾ (سورة التوبة: ۵۶)

(۲) "وأما ركن اليمين بالله فذكر اسم الله أو صفته، وأما ركن اليمين بغيره فذكر شرط صالح وجزاء صالح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الأول: ۲/ ۵۱، رشيدية)

(وكذا في إمداد الأحكام، كتاب الأيمان، عنوان مسئلہ: التزام قسم کے بغیر محض قرآن مجید پر ہاتھ رکھنا قسم نہیں: ۳/ ۴۰۳، مكتبة دار العلوم كراچی)

(۳) "عن زيد بن أرقم رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له، فلم يف، ولم يجئ للميعاد، فلا إثم عليه". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۱۷، باب الوعد، قديمي)

(۴) قال علي القاري: "قوله: "فلم يف" أي بعذر "ولم يجئ للميعاد" أي كمانع "فلا إثم عليه". ومفهومه أن من وعد وليس من نيته أن يفي، فعليه الإثم، سواء وفى به أو لم يف، فإنه من أخلاق —

مسجد میں نہ جانے کی قسم

سوال[۱۷۲۱]: چند لوگ مسجد میں خرافات کی باتیں کر رہے تھے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ لڑنے لگے، جس پر میں نے قسم کھالی کہ میں مسجد میں نہیں آؤں گا۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ مسجد میں جانے سے قسم ٹوٹ جائے گی یا کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے غلطی کی جو ایسی قسم کھالی، آپ مسجد میں جائیں، پھر اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں(۱)، کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائیں، یا دس غریبوں کو کپڑا دیں۔ اگر اتنی وسعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھیں(۲) اور آئندہ اس قسم کی چیز نہ کریں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= المنافقين". (مرقاة المفاتيح: ۸/۵۹۲، باب الوعد، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والله! لأن يستلج أحدكم في يمينه آثم له عند الله من أن يؤدي الكفارة التي فرض الله عليه". (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، باب: إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب، وجب الحنث و كفارة اليمين: ۱۱/۳۷۴، إدارة القرآن، كراچی)

"ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه...... وجب الحنث والتكفير".

(الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۲۸، سعيد)

"من حلف على معصية، ينبغي أن يحنث ويكفر: أي يجب عليه أن يحنث". (تبيين الحقائق: ۳/۴۳۴، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۸، رشيديه)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم، أو كسوتهم، أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

(۳) ﴿ولا تجعلوا الله عرضة لأيمانكم﴾ الآية. "المعنى: لا تجعلوا أيمانكم بالله مانعة لكم من البر والتقوى" (إعلاء السنن، كتاب الأيمان، باب: إذا حلف على فعل معصية أو ترك واجب، وجب الحنث وكفارة اليمين: ۱۱/۳۷۵، إدارة القرآن، كراچی)

قسم کھائی کہ "عمر کی چیز نہیں کھائے گا" پھر اس نے ہبہ کی تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۴۲۰]: زید نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں عمر کی کوئی چیز نہ کھاؤں گا۔ اب اگر عمر نے زید کو اپنی چیز ہبہ کردی، یا زید نے عمر سے کوئی چیز بطورِ قرض لے کر استعمال کرلیا اور کھالیا، یا خرید کر کھایا تو کیا زید اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایمان کا مبنیٰ و مدار عرف پر ہوتا ہے(۱)، عرف میں جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی کوئی چیز نہ کھاؤں گا تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اگر ہبہ کرکے مجھے دیدے گا اور اپنی ملک ختم کردے گا تب بھی نہیں کھاؤں گا، بغیر اس کی اجازت کے بھی اس کی چیز نہیں کھاؤں گا۔ لیکن اگر اس سے قرض لے لے یا خرید لے(۲) تو عرفاً یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کی چیز کھائی ہے، لہذا ان دونوں صورتوں میں حانث نہیں ہوگا، ہبہ والی صورت میں حانث ہوجائے گا۔ جہاں کا یہ عرف نہ ہو وہاں کا حکم بھی دوسرا ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "صرح الزیلعی وغیرہ بأن الأیمان مبنیة علی العرف، لا علی الحقائق اللغویة". (الحموی شرح الأشباہ والنظائر، الفن الأول، القاعدة السادسة، فصل فی تعارض العرف مع اللغة، (رقم القاعدة: ۲۵۵): ۱/۲۱۱، الباب الخامس، إدارة القرآن کراچی)

"ومبنی الأیمان علی العرف". (الفتاوی العالمکیریة: ۲/۸۳، الباب الخامس، رشیدیة)

"اعلم أن الأیمان عندنا مبنیة علی العرف" (تبیین الحقائق، کتاب الأیمان: ۳/۴۳۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

"الأصل أن الأیمان مبنیة عند الشافعی علی الحقیقة اللغویة، وعند مالک علی الاستعمال القرآنی، وعند أحمد علی النیة، وعندنا علی العرف ما لم ینو ما یحتمله اللفظ، فلا حنث فی "لا یهدم" إلا بالنیة". (الدر المختار، باب الیمین فی الدخول: ۳/۷۴۳، سعید)

(۲) "رجل حلف أن لا یأکل من طعام فلان ولا نیة له، فاشتری الحالف منه الطعام وأکل، لا یحنث فی یمینه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الأیمان، الباب الخامس: ۲/۹۰، رشیدیة)

(۳) "لا یأکل طعاماً لفلان یبیعه له أو یهدیه له فیأکله" (الأشباہ). وقال الحموی: "قوله: لا یأکل طعاماً =

اگر فلاں کام کروں تو امت سے خارج

سوال[۶۷۲۳]: کسی نے کہا کہ "اگر میں فلاں کام کروں تو امت سے خارج ہوں"۔ یہ یمین ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ یمین نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۸ھ۔

قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا پھر وہ مرگیا

سوال[۶۷۲۴]: ایک شخص نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم نہیں ہمارے یہاں آؤ گے ہم بھی تمہارے یہاں نہیں آئیں گے، جس کی بابت قسم کھائی تھی وہ مرگیا لیکن جس نے قسم کھائی تھی وہ موجود ہے کیا

— لفلان الخ يعني ثم بدا له أن يأكله، فالحيلة في عدم الحنث أن يبيع المحلوف عليه من الحالف، فلا يحنث. وكذلك لو أهداه المحلوف عليه للحالف، فأكل، لا يحنث؛ لأن الطعام صار ملكاً للحالف بالبيع والإهداء، فكأن الحالف أكل طعام نفسه". (الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۳/۲۳۲، الفن الخامس في الأيمان، إدارة القرآن، كراچي)

(۱) عرف میں "امت سے خارج ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ اسلام سے اور مسلمانوں سے جدا ہوں، اور ان قسم کے الفاظ کہنے سے یمین متحقق ہو جاتی ہے۔

"ولو قال: أنا بريء من المؤمنين، قالوا: يكون يميناً". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۵۴، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً، الفصل الأول، رشيدية)

"وبريء من الإسلام أو القبلة أو صوم رمضان أو الصلاة أو من المؤمنين أو أعبد الصليب يمين؛ لأنه كفر، وتعليق الكفر بالشرط يمين، وسيجيء أنه إن اعتقد الكفر به يكفر، وإلا يكفر". (الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳/۷۰۴، ۷۱۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان: ۴/۳۲۰، إدارة القرآن، كراچي)

سے کیا ہونا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مگر اس کے گھر جائیگا تو آپ کی قسم نہیں ٹوٹے گی، وہ گھر اس کا نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۸ھ۔

"اگر فلاں چیز کھاؤں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں" -نعوذ باللہ- کہنے کا حکم

سوال[۷۰۰۱]: زید نے ان الفاظ میں قسم کھائی کہ "میں اگر زندگی بھر میں [illegible] کھاؤں یا پیوں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں" (نعوذ باللہ)۔ اور اسی طرح کی قسم بکر نے بھی کھائی کہ "اگر میں زید سے کلام کروں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت کھاؤں" (نعوذ باللہ)۔ تو ایسی قسمیں کھانا اور ان پر جمے رہنا کیسا ہے؟

---

(۱) "إذا قال: إن دخلت دار فلان فكذا، فمات فلان، فدخل داره، فهذا على وجهين: إن لم يكن على صاحب الدار دين أصلاً أو كان عليه دين غير مستغرق، فإنه لا يحنث بالاتفاق، وإن كان عليه مستغرق، قال محمد بن مسلمة: يحنث، وقال الفقيه أبو الليث: لا يحنث. قال الصدر الشهيد: والفتوى على قول أبي الليث". (الفتاوى التاتارخانية ۴/۴۷۵، كتاب الأيمان، إدارة القرآن)

"وإن دخلت دار فلان فأنت كذا، فمات، فدخلت الدار، إن لم يكن على فلان دين مستغرق لا يحنث لانتقال الملك، وإن كان فالفتوى على أنه لا يحنث أيضاً". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية ۴/۳۴۱، رشيدية)

"رجل حلف وقال لامرأته: طالق إن دخلت دار فلان، فمات صاحب الدار، فدخلت، إن لم يكن على الميت دين مستغرق لا يحنث، لأنها انتقلت إلى الورثة. وإن كان عليه دين مستغرق، قال محمد بن مسلمة: يحنث في يمينه، وقال الفقيه أبو الليث: لا يحنث في يمينه، وعليه الفتوى". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية ۲/۱۰۸، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار ۳/۱۱۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق ۴/۱۲۵، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی قسم کھانا انتہائی جہالت اور قساوت کی نشانی ہے، اس کو چاہیے کہ اپنی قسم کے خلاف کرے(۱) یعنی سویاں کھا، پی لے اور اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے، اسی طرح زیب سے کلام کرے اور اپنے نفس کو سزائے مذکورہ دے اور آئندہ کبھی بھی ایسی جرأت نہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱/۸۹ھ۔

تحریم الحلال یمین

سوال[۶۷۲۹]: بیوی نے کہا: "میں نے اس کام (جماع) سے قسم کھا رکھی ہے"۔ مرد نے کہا: "اگر تم نے قسم کھا رکھی ہے تو میں نے بھی یہ کام حرام کرلیا ہے"۔ مرد نے کہا کہ میں نے غصہ میں ایسا کہہ دیا تھا، میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ مطلع فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ یمین منعقد ہوگئی، اب اگر جماع کرے گا تو کفارۂ یمین

---

(۱) مذکورہ الفاظ اگرچہ حقیقۃً قسم کے نہیں ہیں، لیکن فقہی قاعدہ ہے کہ حلال چیز کو حرام کرنا، یا حرام کو حلال کرنا قسم ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کا گوشت بالخصوص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گوشت کھانے کی حرمت مؤبد ہے، لہٰذا مذکورہ صورت بھی قسم کی ہے۔ واللہ اعلم۔

"فکل ما حرم مؤبداً، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً، وما لا فلا". (رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب: حروف القسم: ۳/۷۲۱، سعید)

"والحاصل أن كل شيء هو حرام حرمة مؤبداً، بحيث لا تسقط حرمته بحال من الأحوال كالكفر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۴/۳۳۲، إدارة القرآن، كراتشي)

"الثالث: تخرج ما لو كان النبي نبياً، فإنه لا يحل أكله للمضطر، لأن حرمته أعظم في نظر الشرع من مهجة المضطر". (شرح الأشباه والنظائر: ۱/۲۵۲، الفن الأول، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، إدارة القرآن كراتشي)

لازم ہوگا۔ عورت نے چونکہ قسم عارضی ہے تو جماع کی صورت میں اس کے ذمہ بھی مستقل کفارہ لازم ہوگا۔ اگر اس طرح کہتا ہے کہ "میں نے عورت کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے" تو طلاق واقع ہوجاتی ہے(۱): "تحریم الحلال یمین"۔ درمختار: ۳/۷۲۶(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

استاذ کا قسم کھا کر پھر توڑنا

سوال[۶۷۲۷]: ایک لڑکے نے بدتمیزی کی جس پر استاذ نے قسم کھالی کہ "میں تمہیں کبھی نہیں پڑھاؤں گا"۔ دیگر بچوں کی تعلیم جاری ہے اور جس کے نہ پڑھانے کی قسم کھائی ہے اس کی تعلیم بھی بند نہیں ہے، دوسرے استاذ سے تعلیم پا رہا ہے۔ اب وہ لڑکا استاذ سے معافی مانگ رہا ہے اور مولوی صاحب سے پڑھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں مولوی (استاذ) صاحب کا قسم توڑنا اور لڑکے کو پڑھانا کیسا ہے اور اس کو تعلیم دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوسکتا ہو تو اس کی سچی توبہ کے بعد اپنی قسم کا توڑ دینا اور پھر کفارہ ادا کرنا

---

(۱) "قال لامرأته: أنت علیّ حرام ... ویفتی بأنه طلاق بائن وإن لم ینوه، لغلبة العرف".

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب الإیلاء: ۳/۴۳۳، ۴۳۳، سعید)

(۲) العبارة بتمامها: "من حرم شیئاً ثم فعله، کفر لیمینه، لما تقرر أن تحریم الحلال یمین". (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الأیمان: ۳/۷۳۰، سعید)

"ولو حرم طعاماً أو نحوه فهو یمین". (التاتارخانیة ۴/۴۲۱، کتاب الأیمان، إدارة القرآن، کراچی)

"ومن حرم ملکه لایحرم، وإن استباحه أو شیئاً منه، فعلیه الکفارة". (مجمع الأنهر، کتاب الأیمان، فصل: ۲/۲۷۳، مکتبه غفاریه)

"ومن حرم ملکه، لم یحرم: أی من حرم شیئاً علی نفسه مما یملکه بأن یقول: مالی علیّ حرام ... وإن استباحه، کفر". (تبیین الحقائق، ۳/۴۳۶، کتاب الأیمان، قبیل باب الیمین فی الدخول والخروج الخ، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الأیمان: ۴/۴۹۱، کتاب الأیمان، سعید)

ضروری ہوجاتا ہے، لیکن اب جبکہ اس کی تعلیم کا دوسرا انتظام موجود ہے تو قسم توڑنا واجب نہیں، تاہم اخلاق کریمانہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو معاف کردیا جائے، حق تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق نصیب فرمائے:

﴿ولیعفوا ولیصفحوا، الا تحبون أن یغفر الله لکم﴾ الآیۃ (۱)۔ "المحلوف علیہ أنواع: فعل معصیۃ أو ترک فرض، فالحنث واجب ...... الثانی أن یکون المحلوف علیہ شیئاً أو غیرہ أولیٰ منہ کالحلف علی ترک وطء زوجتہ شہراً ونحوہ، فالحنث أفضل؛ لأن الرفق أیمن" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۷ھ۔

نکاح کی قسم کھا کر اس کے خلاف کرنا

سوال[۶۷۲۸]: ایک شخص نے کہا کہ "میں آپ کی لڑکی انوارہ سے شادی کروں گا، میں اللہ سے اقرار کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ انوارہ کو چھوڑ کر کسی اور سے شادی نہیں کروں گا"۔ اب اگر کسی دوسری لڑکی سے وہ شخص شادی کرلے تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) (سورۃ النور: ۲۲)

(۲) (البحر الرائق: ۳/۴۰۲، کتاب الأیمان، رشیدیہ)

"وحکمها وجوب الكفارة إن حنث. ومنها ما يجب فيه البر كفعل الفرائض وترك المعاصي، ومنها ما يجب فيه الحنث كهجران المسلم ونحوه، لقوله عليه الصلوة والسلام. ..... "من حلف على يمين ورأى غيرها خيراً منها، فليأت بالذي هو خير، ثم ليكفر عن يمينه". (مجمع الأنهر: ۲/۲۶۲، ۲۶۳، كتاب الأيمان، غفاريه كوئته)

"واعلم أن المحلوف عليه أنواع: فعل معصية، أو ترك فرض، فالحنث واجب، أو شيء غيره أولى منه كالحلف على ترك وطء زوجته شهراً ونحوه، فإن الحنث أفضل؛ لأن الرفق أيمن". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳/۴۲۵، كتاب الأيمان، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری جگہ سے شادی کرے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۲ھ۔

کسی کے کھانے کو سور کے ساتھ تشبیہ دینا کیا قسم ہے؟

سوال [۶۰۲۵]: زید نے بکر کو بحالت غیظ وغضب کہہ کر کہ "اگر میں تمہارے گھر کا کھانا کھاؤں تو یہ کھاؤں جیسے کہ سور خنزیر کھاؤں"۔ اب زید اگر توبہ کر کے بکر کے گھر کا کھانا کھا لے تو اس کی حرمت کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں اگر زید توبہ کر کے بکر کے گھر کا کھانا کھا لے گا تو وہ حرام نہ ہوگا: "الشيء الذي تسقط حرمته بحال كالميتة والخمر والخنزير لا يكون يميناً". بحر: ۳/۲۰۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "ومنعقدة، وهي حلفه على فعل أو ترك في المستقبل، وحكمها وجوب الكفارة إن حنث". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۲۶۸، كتاب الأيمان، غفاريه كوئٹه)

"وهي أي منعقدة، وفيه كفارة فقط: أي اليمين على شيء آتٍ في المستقبل معقودة، وحكم هذه اليمين وجوب الكفارة عند الحنث". (تبيين الحقائق: ۳/۴۲۲، كتاب الأيمان، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۳/۵۰، كتاب الأيمان، امداديه ملتان)

(وكذا في الهداية: ۲/۴۷۸، كتاب الأيمان، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) (البحر الرائق: ۳/۴۸۳، كتاب الأيمان، رشيديه)

"وحاصل ما ذكره في المبتغى أن فعل كذا لا يكون يميناً ... والحاصل أن كل شيء هو حرام حرمة مؤبدة بحيث لا تسقط حرمته بحال من الأحوال كالكفر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً. وكل شيء هو حرام بحيث تسقط حرمته بحال كالميتة والخمر وأشباه ذلك، فاستحلاله معلقاً بالشرط لا يكون يميناً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۳/۳۳۳، إدارة القرآن كراچي)

"فكل ما حرمته مؤبدة فاستحلاله معلقاً بالشرط يكون يميناً، وما لا فلا". (رد المحتار: ۳/۷۲۱، كتاب الأيمان، قبيل مطلب في حرف القسم، سعيد)

فصل فی کفارۃ الیمین

(قسم کے کفارہ کا بیان)

وعدہ خلافی اور قسم کا کفارہ

سوال [۶۷۳۰]: دو شخص مل کر آپس میں کاروبار کرتے تھے، دونوں نے زبانی صورت پر اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہم دونوں مل کر ہمیشہ کاروبار کریں گے اگر چھوڑیں، بعد دونوں میں پھوٹ پیدا ہوگئی۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے اقرار کو توڑ دیا تو بتائیے کہ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قسم نہیں کھائی تھی صرف وعدہ کیا تھا اور بلاوجہ وعدہ توڑ دیا تو اس سے گنہگار ہوا، اگر کوئی وجہ پیش آئی تو وعدہ توڑنے سے گناہ نہیں ہوا، کذا فی شرح الأشباہ والنظائر(۱)۔ اگر قسم کھائی تھی پھر اس کے خلاف کیا تو اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے۔ دس غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑا پہنائے، اگر اتنی

---

(۱) "الخلف في الوعد حرام. وفي القنية: وعده أن يأتيه فلم يأته لا يأثم. قلت: يحمل الأول على ما إذا وعد وفي نيته الخلف فيحرم، لأنه من صفات المنافقين. والثاني على ما إذا نوى الوفاء وعرض مانع".

(الأشباه والنظائر، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۲۴۳، إدارة القرآن، كراچی)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". "عن زيد بن أرقم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا وعد الرجل وينوي أن يفي به، فلم يف، فلا جناح عليه". (سنن الترمذي: ۲/۹۰، أبواب الإيمان، باب ما جاء في علامة المنافق، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

وسعت نہ ہو تو تین روزے مسلسل رکھے، کذا فی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، کیم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

ایضاً

سوال [۷۳۰۱]: زید عمر سے ایک بڑے کام کا معاملہ کرتا ہے، عمر اس کے کہنے پر کام کرتا رہتا ہے، مگر ایک حصہ کام کا ہونے کے بعد زید معاملہ ختم کر دیتا ہے، اس ختم معاملہ میں عمر کا کوئی دخل نہیں ہے۔ عمر کہتا ہے کہ جتنا کام کر چکا ہوں اس کا معاوضہ ادا کر دو، زید یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ معاملہ اس کی طرف سے ختم ہوا ہے اور معاوضہ واجب ہے، ادائیگی معاوضہ میں طرح طرح سے حیلے بہانے کرتا ہے۔ عمر عاجز آکر حلف یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اپنا حق معاف کر دوں گا۔ اس صورت میں:

۱… جو معاوضہ زید عمر کو دے چکا ہے زید کو اس کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

۲… یہ معاوضہ جو عمر نے چھوڑ دیا ہے زید کے ذمہ عند اللہ اس کی ادائیگی ہے یا نہیں؟

۳… عمر اگر قسم کا کفارہ ادا کر دے تو پھر زید سے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس حلف کی بناء پر زید کو یہ بھی حق نہیں کہ اس کے ذمہ وعدہ اور معاملہ کی وجہ سے عمر کا جو کچھ مطالبہ واجب الاداء ہے اس کو روک لے، چہ جائیکہ جو کچھ اس حلف سے پہلے ادا کر چکا ہے اس کو واپس لے۔ عمر کو یہ حق ہے کہ زید سے واجب الاداء مطالبہ (معاوضہ) وصول کرلے، مگر قسم کی وجہ سے اس صورت میں اس پر کفارہ واجب ہوگا، کذا فی شرح الأشباہ والنظائر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۶/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم، وإن عجز عنها وقت الأداء، صام ثلاثة أيام ولاءً". (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب كفارة اليمين: ۳/ ۷۲۵، ۷۲۶، سعيد)

(۲) "المعلق في الوعد حرام. قال السبكي: ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء". (الأشباه والنظائر: ۳/ ۲۳۶، الحظر والإباحة، إدارة القرآن، كراچی) = ……

کفارۂ قسم

سوال[۱۷۲۲]: ایک شخص تمباکو کھاتا ہے اور بہت عادی ہے، پھر اس کو نفرت ہوگئی اور اس نے چھوڑ دیا اور قسم کھائی کہ اب نہ کبھی کھاؤں گا، چند روز کے بعد کھالیا تو اب اس شخص کے لئے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے اور وہ یہ کہ دس غریبوں بھوکوں کو صبح وشام دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس غریبوں کو کپڑا دے، اگر ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کی قدرت نہ ہو تو تین روزے لگاتار رکھے، بیچ میں ناغہ نہ کرے، اگر بیچ میں ناغہ کرے گا تو پھر شروع سے تین روزے رکھنے پڑیں گے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

- "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله تعالى: "ثلثة أنا خصمهم يوم القيمة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعطه أجره". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الأول، قديمي)

"عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه". (مشكوة المصابيح، ص: ۲۵۸، باب الإجارة، الفصل الثاني، قديمي)

"وحكمها وجوب الكفارة إن حنث لقوله: ﴿ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان﴾ (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) قال الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان، فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة، فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام، ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم﴾ (سورة المائدة: ۸۹)

"الكفارة تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين". (الدر المختار). "وفي الإطعام إما التمليك أو الإباحة، فيعشيهم ويغديهم ...... وإن عجز عنها وقت الأداء، صام ثلاثة أيام ولاءً، ويبطل بالحيض". (رد المحتار: ۳/۷۲۵-۷۲۷، كتاب الأيمان، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

یمین غموس میں کفارہ نہیں

سوال [۶۷۳۳]: زید نے عمر کی ایک چیز اٹھا کر اپنے بکس میں رکھ دیا، درحقیقت وہ شئی بکر کی تھی، تھوڑی دیر بعد زید اپنے بکس میں سے اس شئے کو تلاش کر رہا تھا کہ اس وقت دوسرے آدمی نے کہا کہ وہ چیز بکر اٹھا کر لے گیا ہے، زید نے کہا کہ خیر اچھا ہوا کہ وہ اپنی چیز لے گیا۔ پھر دوسرے دن عمر نے آکے زید سے مطالبہ کیا، زید نے اپنی روک کھینچنے اس آدمی کے کہنے کے مطابق قسم کھائی کہ بکر نے وہ چیز لے لی۔ تو اس مسئلہ میں زید حانث ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں اگر جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی ہے تو گناہ ہے کفارہ نہیں، کفارہ یمین منعقدہ میں ہوتا ہے اور یہ صورت غموس کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/۴۸۶، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في الكفارة: ۲/۶۰، رشيديه)

(۱) "رجل قال: والله إن الأمر كذا، وهو كاذب، فهو غموس لا كفارة فيها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في ألفاظ اليمين: ۴/۲۱۶، إدارة القرآن كراچی)

"وهي ثلاث: غموس: وهي حلفه على أمر ماض أو حال كذباً عمداً. وحكمها الإثم، ولا كفارة فيها إلا التوبة". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، مكتبه غفاريه)

"حلفه على ماض كذباً عمداً غموس، وظناً لغو، أثم في الأولى دون الثانية، ولا تجب فيها الكفارة إلا التوبة والاستغفار". (تبيين الحقائق، كتاب الأيمان: ۳/۴۲۰، سعيد)

نوٹ: لیکن سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت یمین غموس کی نہیں، بلکہ یمین لغو کی ہے، کیونکہ دوسرے شخص کے بتانے سے زید نے ظناً کہا کہ "بکر وہ چیز لے گئے ہیں"۔ حسب ظن صدق پر قسم اٹھائی جب کہ خلاف واقع ہو یمین لغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"ولغو وهي حلفه على أمر ماض أو حال يظنه كما قال، والحال هو خلافه". (مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۶۲، مكتبه غفاريه)

بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے کفارہ

سوال[۶۷۳۴]: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چائے نہیں پیوں گا، اگر وہ اپنی قسم بھول گیا اور چائے پی لی، بعد میں اس کو یاد آیا کہ اس نے قسم کھائی تھی، کیا اس کی قسم ٹوٹ گئی اور اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟ یا روزہ جس طرح بھول کر کھانے اور پینے سے نہیں ٹوٹتا، کیا قسم بھی نہیں ٹوٹے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھول کر قسم کے خلاف کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی، کفارہ لازم ہوگا:

"ولا فرق في وجوب الكفارة بين العامد والناسي والمكره في الحلف والحنث". مجمع الأنهر: ۱/ ۵۴۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۸ھ۔

اصلاح کا عہد کرکے توڑ دینا

سوال[۶۷۳۵]: ہماری قوم میں چند رسمیں غلط چل رہی تھیں، مثلاً: بیاہ شادی میں سب مل کر جاتے تھے، اس میں بے عزتی ہوتی تھی، یا چوتھی کی رسم کرتے تھے۔ بہرحال ان رسومات پر عہد لیا گیا کہ کوئی نہیں کرے

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۲/ ۲۰۹، كتاب الأيمان، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"المكره والنائم والناسي في الحلف والحنث سواء". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، قبيل الفصل الرابع: ۴/ ۳۳۳، إدارة القرآن، كراچى)

"تجب الكفارة ولو كان حلف مكرهاً أو ناسياً، أو حنث مكرهاً أو ناسياً، بأن فعل المحلوف عليه مكرهاً أو ناسياً". (تبيين الحقائق: ۳/ ۴۲۳، كتاب الأيمان، دار الكتب العلمية بيروت)

"ومنعقدة: وهي حلفه على آت، وفيه الكفارة فقط إن حنث .... ولو الحالف مكرهاً أو ناسياً في اليمين أو الحنث". (الدر المختار، كتاب الأيمان: ۳/ ۷۰۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الأيمان: ۴/ ۴۷۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الأول، رشيديه)

نذر کی تحقیق کرنا

سوال [۵۰۶۹]: اگر جمعہ کے دن کسی قسم کی مٹھائی کوئی لاکر تقسیم کرے اور لوگ اس کو بغیر دریافت کئے کھالیتے ہیں کہ کس کے نام کی ہے اور کس قسم کی؟ تو کیا ایسی مٹھائی کھانا ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی کہے کہ میرا بیٹا اگر اس بیماری سے اچھا ہو جائے تو میں مسجد میں مٹھائی تقسیم کروں گا۔ تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شبہ ہو تو تحقیق کرے کہ یہ مٹھائی کیسی ہے، اگر شبہ نہ ہو تو بلاوجہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، دل چاہے نہ تناول فرمائے "دع ما یریبک الی مالا یریبک" الحدیث(۱)۔ بیٹے کے اچھے ہونے پر مٹھائی خدا کے واسطے تقسیم کرنے کو اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے تو یہ نذر ہے(۲) اور نذر کے مستحق غرباء ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم۔

حشیشة. وفي الملتقط: إذا قال: لله عليّ شاة أذبحها، لا شيء عليه حتى يقول: أذبحها وأتصدق بها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۳/۴۴۳، إدارة القرآن، كراتشي)

(۱) (فيض القدير: ۳/۷۲۷، (رقم الحديث: ۴۲۱۱)، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(والإمام مسند أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۱۲۵۵۱): ۱/۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أخبرني أبو عبد الله الأسدي، قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اتقوا دعوة المظلوم، وإن كان كافراً، فإنه ليس دونها حجاب".

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "دع ما يريبك إلى ما لا يريبك". (مسند أحمد بن حنبل (رقم الحديث: ۱۲۱۴۰): ۳/۲۲۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط يريده كأن قدم غائبي ... ووجد، لزمه الوفاء" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج الخ: ۲/۲۷۴، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(۳) "والنذر لله عز وجل، وذكر الشيخ إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقيه ... إذ مصرف =

میلاد شریف پڑھوانے کی نذر باطل ہے

سوال [۶۹۶۸]: اگر کوئی شخص اس بات پر نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جاوے تو میں مسجد میں میلاد شریف پڑھواؤں گا۔ اب اس نذر کو پورا کرنا ہوگا یا نہیں اور مسجد میں میلاد پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ آیا نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نذر باطل ہے۔ "فلم یصح النذر بقراءة المولد". شامی: ۲/۴۳۹(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال [۶۹۶۹]: اگر کسی شخص نے مولود پڑھنے کی نذر کی تو اس کو اس کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بطریق مروجہ مجلس میلاد منعقد کرنا شرعاً بے اصل، بدعت ہے اور ناجائز ہے، گو نفس ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا موجب خیر، باعث برکت اور قربت ہے، خواہ ذکر ولادت، خواہ ذکر وفات و عبادات و معاملات وغیرہ ہو(۲) لیکن انعقادِ نذر کے لئے منذور بہ کا قربت مقصودہ ہونا ضروری ہے اور مجلس میلاد قربت مقصودہ نہیں ہے، پس صورتِ مسئولہ میں نذر منعقد نہیں ہوئی، لہٰذا ایفاء بھی واجب نہیں۔

"ومنها أن يكون قربة، فلا يصح بما ليس بقربة رأساً كالنذر بالمعاصي، ومنها أن يكون

= المنذور للفقراء، وقد وجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۰، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيديه)

(۱) (رد المحتار: ۲/۴۳۹، كتاب الصوم، مطلب في النذر الذي يقع للأموات إلخ، سعيد)

(۲) "ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مثل دیگر اذکارِ خیر کے ثواب اور افضل ہے اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو، اس سے بہتر کیا ہے۔ قال الشاعر:

ذكرك للمشتاق خير شراب　　وكل شراب دونه كسراب"

(امداد الفتاوی: ۵/۲۷۹، کتاب البدعات، عنوان مسئلہ محفل مولد شریف، مکتبہ دار العلوم کراچی)

ذکر کرتے ہوئے یہ کہا گیا: اگر کسی کی کوئی حاجت پوری نہ ہوتی ہو تو وہ یہ نذر کرے کہ جب میری فلاں حاجت پوری ہوگی تو جناب سیدہ کی کہانی سنوں گی، اس سے اس کی وہ مراد پوری ہوگی۔ خصوصاً عورتوں میں یہ بات بیان کرکے اس کی ترغیب دی گئی۔

اور پھر اس کتاب میں کہانی ایسی ہی ہے جس کی وجہ سے عورتوں پر ایک خاص اثر ہوا اور سب نے نذر ماننا شروع کردیا کہ میری فلاں حاجت پوری ہوگی تو جناب سیدہ کی کہانی سنوں گی، اگر اتفاق سے کوئی حاجت برآئی ہے تو نذر کو کتاب والے طریقہ سے ہی پورا کی ہے، جیسا کہ اس کتاب میں طریقہ مذکور ہے، تو اس قسم کی نذر ماننے کی وجہ سے یا نذر پوری کرنے کی وجہ سے ایمان وغیرہ میں کسی قسم کی خرابی تو نہیں پڑے گی، نیز اس قسم کی نذر ماننا کیسا ہے، اس کتاب کی روایت کہیں منقول ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کتاب "جناب سیدہ کی کہانی" بے اصل باتوں پر مشتمل ہے، اہل سنت والجماعت کے کسی مؤلف نے مسلمان مردوں کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً گمراہ کرنے کیلئے یہ لکھی ہے۔ اس کے سننے کی نذر ماننا لغو(۱) اور اس کا سننا اضاعتِ وقت ہونے کے ساتھ غلط باتوں کا ذہن نشین کرنا ہے، عورتوں کو سمجھا دیا جائے کہ اس کی نذر نہ

---

(۱) "ومنها: أن يكون قربة، فلا يصح النذر بما ليس بقربة رأساً كالنذر بالمعاصي". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن: ۵/۸۲، سعيد)

"ولم يلزم الناذر ما ليس من جنسه فرض كعيادة مريض وتشييع جنازة ودخول مسجد .... أن لا يكون معصية لذاته". (رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۵، سعيد)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا نذر إلا فيما يبتغى به وجه الله، ولا يمين في قطيعة رحم". (إعلاء السنن: ۱۱/۳۸۲، كتاب الأيمان، باب اشتراط كون المنذور عبادة مقصودة، إدارة القرآن، كراچی)

"النذر إن كان في المباح أو في المعصية، فلا يلزمه كما إذا قال: لله علي أن أذهب إلى السوق، أو أشتمه أو أضربه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور: ۵/۳۰۵، إدارة القرآن كراچی)

پر یقین نہ کریں(۱)۔ حضرت سیدہ کے صحیح فضائل اور حالات معتبر کتابوں میں موجود ہیں، ان کو پڑھنے اور سننے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اس کی کہانی کا حکم یہ ہے کہ جو بھی اس کے سننے کی نذر مانے اس کو توبہ لازم ہے، نہ نذر باقی رہتی ہے۔ نکاح کسی کا نہیں ٹوٹتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۲/۸۹ھ۔

گیہوں تقسیم کرنے کی نذر

سوال[۱۰۴۲۱]: زید نے نیت کی کہ اگر میری بیوی بیماری سے شفایاب ہوجائے تو آٹھ من گیہوں اور روپے اس کے ہاتھ سے غریبوں کو تقسیم کروادوں گا۔ وہ شفایاب ہوگئی۔ اب زید کا ارادہ ہے کہ مذکورہ گیہوں کی قیمت اور روپے کسی مدرسہ میں دیدے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

---

(۱) وہ کتابیں جن سے ذہن مشوش اور عقائد متزلزل ہوتے ہیں، ان کا رکھنا جائز نہیں: "قال الشیخ الإمام صدر الإسلام أبو الیسر: نظرت في الکتب التي صنفها المتقدمون في علم التوحید ... وجدت أیضاً تصانیف کثیرة في هذا الفن للمعتزلة، فلا یجوز إمساک تلک الکتب والنظر فیها، کیلا تحدث الشکوک، فلا یتمکن الوهن في العقائد" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، المتفرقات: ۵/۳۷۷، رشیدیه)

(۲) "رجل قال: إن نجوت من هذا الغم، فلله علي أن أتصدق بهذه الدراهم خبزاً، ثم أراد أن یتصدق بالقیمة لا بالخبز، جاز". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الزکوة، فصل في النذر: ۱/۲۹۹، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الأیمان، الفصل السادس والعشرون في النذر: ۵/۳۰، إدارة القرآن کراچی)

"نذر أن یتصدق بعشرة الدراهم من الخبز، فتصدق بغیره، جاز إن ساوی العشرة کتصدقه بثمنه" (الدر المختار، کتاب الأیمان، مطلب في أحکام النذر: ۳/۷۴۱، سعید)

نذر کے جانور میں قربانی کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال [۶۶۴۲]: ہماری شریعتِ مصطفویہ کے مفتیانِ عظام سے استفسار یہ ہے کہ شاۃ منذورہ یا بقرۂ حامل وغیرہ میں قربانی کے لائق ضرورت ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو، مسائل کتب وتعیینِ صفحہ نقلِ عبارات جواب شافی عنایت فرماکر مسعودِ دارین ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شاۃ منذورہ کی نذر اگر بصورتِ تضحیہ ہے یعنی اس طرح نذر کی ہے "للہ علی أن أضحي شاۃ" تو اس میں تمام شرائط اضحیہ کا پایا جانا ضروری ہے، کیونکہ ایسی نذر سے تضحیۂ شاۃ اس کے ذمہ واجب ہے، ایام نحر میں ایسی شاۃ کی قربانی کرے جس کی اضحیہ شرعاً درست ہے۔

اگر بصورتِ ہدی نذر کی ہے تو اس کو حرم میں بھیج کر قربانی کرائے۔ اگر ہدی اور اضحیہ کے طور پر نذر نہیں کی بلکہ مطلق شاۃ دینے کو تصدق کرنے یا ذبح کرکے اس کا لحم صدقہ کرنے کی نذر کی ہے تب بھی اس کی عمر اتنی ہی ضروری ہے جس کی قربانی درست ہے، کیونکہ عرفاً شرعاً ایسی شاۃ کو شاۃ کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شاۃ معینہ مشارٌ الیہا کی نذر کی ہے تو اس میں یہ شرط نہیں بلکہ جس طرح کی بھی ہو اس سے نذر پوری ہو سکتی ہے اور ان ہر دو صورت میں ایام نحر یا حدودِ حرم کی بھی قید نہیں۔ اخیر کی صورت بالکل ایسی ہی ہے جیسے شاۃ کے علاوہ کوئی دوسری شی متعین کرکے اس کے تصدق کی نذر کرے:

"الأضحية اسم لما يذبح في وقت مخصوص، لم يكن فيها إلا بالوقت، فإذا نذرها يلزم تعينها به، وإلا لم يكن آتياً بالمنذور؛ لأنها بعده لا تسمى أضحية، ولذا يتصدق بها حيةً إذا خرج وقتها، بخلاف ما إذا نذر ذبح شاة في وقت كذا، فلم يذكر الوقت؛ لأنه وصف زائد على مسمى الشاة، وكذا الشيء عما لو عين الدرهم والمكان بخلاف الأضحية، فإن الوقت قد جعل جزءاً من مفهومها، فلزم اعتباره. ونظير ذلك ما لو نذر هدي شاة، فإنهم قالوا: إنما يخرج عن العهدة بذبحه في الحرم والتصدق بها هناك ...... وما ذاك إلا لكون الهدي اسماً لما يهدى إلى

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً، الفصل الثاني في الكفارة: ۲/۶۶، رشيدية)

مكة، ويتصدق به فيها، فقد عين المكان حرماً مع مفهومه كالزمان في الأضحية، ولو تصدق به في غير مكة، لم يجز، لفوات ما نذره". شامي: ۵/۲۳۴(۱)۔

قال الكاساني بعد ذكر الأضحية والهدي: "لا يجوز فيه إلا ما يجوز في الأضاحي، وهو الثني من الإبل والبقر والجذع من الضأن إذا كان ضخماً". بدائع: ۴/۴۰۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

گائے کو ذبح کرکے دعوت ولیمہ میں کھلانے کی نذر ماننا

سوال[۶۵۴۳]: زید نے اپنی سالی کی شادی کے لئے اس نیت سے بقر خریدا کہ بعد عقد شرعی مسنون اندر دعوت ولیمہ یعنی بہ شکل دعوت ولیمہ میں اس کو ذبح کرکے اس کا گوشت صرف کیا جاوے گا۔ کسی وجہ سے لڑکی والے نے عقد شرعی سے انکار کردیا، چند روز بعد لڑکے والے لڑکی مذکورہ کو اپنے یہاں بھگا لے گئے اور بغیر عقد شرعی رکھا اور اعلان کردیا کہ ہمارے ہاں بیاہ ہے اور بقر مذکور کو ذبح کے لئے تیار ہوگئے۔ بکر کہتا ہے کہ بغیر عقد شرعی بقر مذکورہ کا ذبح کرنا حرام ہے، زید تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا امور دریافت طلب یہ ہیں:

---

(۱) (رد المحتار: ۶/۳۲۳، كتاب الأضحية، سعيد)

(۲) (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن: ۶/۳۲۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلو قال: فعليّ هدي، يجب عليه ما يجزئ عليه في الأضحية من الضأن والمعز أو الإبل أو البقرة، إلا أن ينوي بعيراً أو بقرة فيلزمه ذلك، ولا يذبح إلا في الحرم". (التفسير المظهري: ۶/۳۰۲، سورة الحج: ۲۸، حافظ كتب خانه)

"ولو قال: لله علي أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه، فذبح مكانه سبع شياه، جاز. ووجهه لا يخفى". (الدر المختار). "(قوله: ووجهه لا يخفى) وهو أن السبع تقوم مقامه في الضحايا والهدايا". (رد المحتار: ۳/۷۴۰، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، سعيد)

"وإنما تعين المكان في نذر الهدي، والزمان في نذر الأضحية؛ لأن كلاً منهما اسم خاص معين، فالهدي ما يهدى للحرم، والأضحية ما يذبح في أيامها، حتى لو لم يكن كذلك لم يوجد الاسم". (رد المحتار: ۳/۷۴۰، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان، سعيد)

۱... کیا اس نیاز کے سلسلے میں ذبیحہ کا گوشت ولیمہ میں صرف کرنا جائز ہے؟

۲... کیا بغیر عقد شرعی بقر مذکور (مشروط بہ نیت ولیمہ) ذبح کیا جا سکتا ہے؟

سید ابن حسن ضلع محمد شیران سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲... اگر منت مانی بطور نیاز ذبح کرنے کی تو اس کو نیاز ہی کے طور پر ذبح کرنا چاہیے جس کے مستحق غرباء اور مساکین ہیں (۱)۔ اور ولیمہ میں خصوصیت غرباء کی نہیں ہوتی اور ولیمہ عقد شرعی اور زفاف کے بعد ہوتا ہے (۲) اور صورت مسئولہ میں نہ ولیمہ ہے نہ نیاز۔ البتہ اگر غرباء کی خصوصیت کر دی جائے تو نیاز کی صورت ہو سکتی ہے۔ اگر عقد شرعی اور زفاف کے بعد محض فقراء کو ذبیحہ کھلایا جاوے تو دونوں ممکن ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۳/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

صحیح عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ذی قعدہ/ ۸۵ھ۔

نذر معلق کی پیشگی ادائیگی

سوال [۶۳۰۳]: کسی شخص نے نذر کی کہ فلاں کام ہو جائے تو تین روزے رکھوں گا، اس نے الخ

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل اللہ وابن السبيل﴾ (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

"مصرف الزكوة ... وهو أيضاً مصرف لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة". (الدر المختار: ۲/۳۳۹، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

"نذر التصدق على الأغنياء، لم يصح مالم ينو أبناء السبيل". (الدر المختار) "قلت: وينبغي أن يصح إذا نوى أبناء السبيل؛ لأنهم محل الزكوة". (رد المحتار: ۳/۷۳۸، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، سعيد)

(۲) "وحديث أنس رضي اللہ تعالیٰ عنه في هذا الباب صريح في أنها أي الوليمة بعد الدخول، لقوله: "أصبح عروساً بزينب، فدعا القوم". (إعلاء السنن: [illegible]/۱۱، كتاب النكاح، باب استحباب كون الوليمة وكون وقته بعد الدخول، إدارة القرآن كراچی)

کام ہونے کے نذر پوری کرلی، اس کے بعد کام بھی حاصل ہوگیا، تو کیا اس کو دوبارہ نذر پوری کرنا چاہیے یا پہلے روزے کافی ہیں، اور مسئلہ یمین بعینہ اسی طریقہ پر ہے یا فرق ہے؟

خلیل الرحمٰن چاٹگامی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وہ روزے کافی نہیں، کیونکہ روزوں کو معلق کیا تھا کام پورا ہونے پر، اور جب تک کام پورا نہیں ہوا تو ان کا وجوب ہی نہیں ہوا، لہٰذا وہ نفل ہوگئے، اب مستقل روزے شرط کے موافق رکھنے ضروری ہے۔ مسئلہ یمین میں بھی کفارہ قبل الحنث واجب اور کافی نہیں:

"وإن كان (أي النذر) معلقاً بشرط، نحو أن يقول: إن شفى الله مريضي، أو إن قدم فلان الغائب، فلله عليّ أن أصوم شهراً، أو أصلي ركعتين، أو أتصدق بدرهم، ونحو ذلك، فوقته وقت الشرط، فما لم يوجد الشرط لا يجب بالإجماع، ولو فعل ذلك قبل وجود الشرط يكون نفلاً، اهـ". البدائع: ۴/۲۳۲(۱)، "لا يصح التكفير قبل الحنث في اليمين، سواء كان بالمال أو بالصوم، اهـ". بحر: ۴/۳۰۶(۲). فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ، ۱۱/ رجب/ ۵۳ھ۔

(۱) (بدائع الصنائع: ۴/۳۵۸، كتاب النذر، فصل في حكم النذر، دار الكتب العلمية بيروت)

"أجمع أصحابنا أن النذر بالعبادات إذا كان معلقاً بالشرط، وأداها قبل وجودها لا يجوز، سواء كانت العبادة بدنية أو مالية" (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۰۵، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور، إدارة القرآن كراچی)

"بخلاف النذر المعلق، فإنه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط". (رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۵، سعيد)

"وتعجيل النذر بالصوم وأداؤه قبل وجوده لا يجوز بالإجماع" (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس في النذر: ۱/۲۰۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۰۵، كتاب الصوم، فصل في النذر، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق: ۳/۴۸۱، كتاب الأيمان، رشيدية)

بیمار کی صحت کے لئے جانور صدقہ کیا جائے تو اس کی کیا شرط ہے؟

سوال[٦٧٥٥]: جو جانور بیمار وغیرہ کی طرف سے صدقہ کیا جاتا ہے اس میں کیا کیا شرطیں ہیں، کیا قربانی کے جانور کی تمام شرطیں عمر وغیرہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس میں کوئی نذر نہیں کی تھی تو جو جانور جیسا چاہے صدقہ کردے، اگر نذر مان لی تھی تو وہ واجب ہوگئی، اس میں وہی شرائط معتبر ہوں گی، جو قربانی کے جانور میں معتبر ہوتی ہیں(۱)۔ اگر نذر میں کسی خاص جانور کی تخصیص کردی مثلاً: یہ کہ ایک گائے مستقل نذر مانی تو پوری گائے لازم ہے(۲)، ساتواں حصہ کافی نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ١١/١١/٥٥ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ٢٠/ ذی قعدہ/ ٥٥ھ۔

سہولت ولادت کی نذر

سوال[٦٧٥٦]: زید نے بیوی کے حاملہ ہونے پر یہ نذر مانی کہ اگر ولادت خیر وخوبی کے ساتھ ہوگئی تو اس خوشی میں ایک ہنسلی دوں گا(۳)۔ جیسے یہی نذر زید کی ساس نے بھی مان لی۔ زید کی بیوی کو تولد خیر

---

(۱) "ولو قال: لله علي أن أذبح جزوراً وأتصدق بلحمه، فذبح مكانه سبع شياه، جاز، ووجهه لايخفى". (الدر المختار). "وهو أن السبع تقوم مقامه في الضحايا والهدايا". (رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ٣/٧٤٠، سعيد)

"وإذا أوجب على نفسه الهدي، فهو بالخيار بين الأشياء الثلاثة: إن شاء أهدى شاةً، وإن شاء بقرةً، وإن شاء إبلاً، وأفضلها أعظمها. ولو أوجب جزوراً، فعليه الإبل خاصةً؛ لأن اسم الجزور يقع عليه خاصةً، ولا يجوز فيهما إلا مايجوز في الأضاحي، وهو الثني من الإبل والبقر، والجذع من الضأن، إذا كان ضخماً". (بدائع الصنائع: ٥/٨٥، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

(۲) "تصدق بها حية ناذر لمعينة ولو فقيراً، فلو ذبحها تصدق بلحمها". (الدر المختار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٠، سعيد)

(۳) "ہنسلی: وہ ہڈی جو گردن کے نیچے ہوتی ہے، ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنا جاتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ١٥٠٤)

کسی خطرہ کے ہوگیا۔ نذر زید پوری کرے یا زید کی ساس، یا دونوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کو نذر پوری کرنا لازم ہے، لقوله تعالىٰ: ﴿وليوفوا نذورهم﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۹ھ۔

سہولتِ ولادت کے لئے ختم قرآن کروانے کی نذر

سوال[۱۲۴۷]: بیوی کو دردِ زہ میں مبتلا دیکھ کر شوہر یا دیگر رشتہ دار نے کہا کہ: اگر اللہ میاں اس مصیبت سے نجات دے تو ختم قرآن کراؤں گا۔ یا یوں کہا کہ: اس مصیبت میں اللہ کے واسطے کچھ کرانا چاہئے، اس پر کسی نے کہا: ختم یٰسین پڑھا جاوے، اس پر سب راضی ہوگئے، اتنے میں بچہ پیدا ہوگیا۔ اب مذکورہ دونوں صورتوں

---

(۱) (سورة الحج: ۲۹)

"ثم إن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي يوفي وجوباً إن وجد الشرط". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۸، سعيد)

"وقد قال عليه الصلاة والسلام: "من نذر أن يطيع الله تعالى فليطعه". قال عليه الصلاة والسلام: "من نذر وسمى، فعليه وفاءه بما سمى". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل: وأما حكم النذر: ۵/۹۰، سعيد)

"عائشة رضي الله تعالى عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من نذر أن يطع الله، فليطعه. ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه". (إعلاء السنن: ۱۱/۳۳۴، كتاب الأيمان، باب من نذر نذراً في معصية أو فيما لا يطيقه فكفارتهما كفارة يمين، إدارة القرآن، كراچي)

"وإن علق النذر بشرط، فوجد الشرط، فعليه الوفاء بنفس النذر لإطلاق الحديث". (فتح القدير: ۵/۹۲، فصل في الكفارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الأيمان: ۲/۲۷۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مذکورہ بالا عبارات کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی کام پر کئی اشخاص نذر مانیں تو ہر ایک پر مستقل طور پر اپنی نذر لازم ہے۔

میں ایفاء واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہو تو اجرت لے کر پڑھنے والے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نذر ایسی چیز کی صحیح ہوتی ہے جو عبادت مقصودہ اور جنس واجب سے ہو، چنانچہ قرآن کریم بھی ایک عبادت ہے، نماز میں اس کا پڑھنا ضروری ہے(۱)۔ فقہاء نے اعتکاف کی نذر کو صحیح تسلیم کیا ہے، جس کی حقیقت "لبث فی المسجد برائے عبادت ہے"۔ اور اس کا ماخذ یہ تجویز کیا ہے کہ نماز میں قعدہ ضروری ہے جو کہ لبث ہے(۲)، اسی طرح کہا جائے کہ نماز میں قرأت فرض ہے، لقولہ تعالیٰ: ﴿فاقرؤا ما تیسر من القرآن﴾(۳) تو قرأت قرآن کی نذر بھی صحیح ہوگی:

"واعلم بأنهم صرحوا بأن شرط لزوم النذر ثلثة: كون المنذور ليس بمعصية، وكونه من جنسه واجب، وكون الواجب مقصوداً لنفسه......... وأما الاعتكاف وهو "اللبث في مكان"

---

(۱) "(و منها القراءة): أى قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملى فى جميع ركعات النفل والوتر، وفى ركعتين من الفرض، الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة: ۱/۴۳۶، سعيد)

"(قوله: لم يلزمه) وكذا لو نذر قراءة القرآن، قلت: وهو مشكل، فإن القراءة عبادة مقصودة، ومن جنسها واجب، وكذا الطواف، فإنه عبادة مقصودة أيضاً". (رد المحتار: ۳/۷۳۸، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، سعيد)

"لايلزم الوضوء بنذره، ولاقراءة القرآن". (مراقي الفلاح). قال العلامة الطحطاوي: "(قوله لاقراءة القرآن) كذا في كثيره، ولعله أن القراءة من جنسها فرض، وواجب، وتقصد لذاتها، وليست واجبة قيل وعلل عدم الوجوب في القهستاني بأن لزومها للصلوة لا لعينها". (حاشية الطحطاوي، ص: ۶۹۳، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، قديمي)

(۲) "ويصح النذر بالعتق، والاعتكاف؛ لأن من جنسه واجباً، وهو القعدة الأخيرة في الصلوة، فالأصل للمكث بهذه الصفة له نظير في الشرع" (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، سعيد)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۶، سعيد)

(۳) (سورة المزمل: ۲۰)

من جنسه واجب وهو القعدة الأخيرة في الصلوة". بحر: ۲/۴۹۶، كتاب الصوم(۱)۔

جتنا قرآن نذر ماننے والا خود پڑھ سکے خود ہی پڑھے، کسی سے اجرت دے کر نہ پڑھوائے، جیسے کوئی شخص بڑی رقم صدقہ کرنے کی نذر مان لے جو کہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ دوسرے سے رقم لے کر صدقہ کرنے کا ذمہ دار نہیں، بلکہ جتنی رقم اس کے پاس ہو اس کو صدقہ کردے، اگر دوسرے کے مال کو صدقہ کرنے کی نذر کرتا ہے تو وہ نذر منعقد نہیں ہوتی۔ غیر سے اجرت پر قرآن ختم کرانا بھی معصیت ہے(۲) اس سے پورا پرہیز کیا جائے:

"في الخلاصة: لو التزم بالنذر أكثر مما يملكه، لزمه ما يملكه، هو المختار، كما إذا قال: إن فعلت كذا فألف درهم من مالي صدقة، ففعل وهو لا يملك إلا مائةً لا يلزمه إلا مائة

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۱۳، ۵۱۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۳۵، ۷۳۶، سعيد)

(۲) "وقد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه: قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

"الآخذ والمعطي آثمان. فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر، والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة إلى جمع الدنيا، إنا لله وإنا إليه راجعون". (البناية شرح الهداية، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۷۷، مكتبه حقانيه ملتان)

"وأما استئجار قوم لأن يقرؤوا القرآن ويهدوا ثوابه للميت، فهذا لم يفعله أحد من السلف، ولا أمر به أحد من أئمة الدين، ولا رخص فيه، فإن الثواب إنما يصل إلى الميت إذا كان العمل خالصاً لوجه الله، وهذه التلاوة لم تقع خالصة لله، فلا يكون للتالي من الثواب شيء حتى يهديه إلى الميت". (شرح العقيدة الطحاوية، لايوجد شيء من غير مشيئة قدره وعلمه وقضائه وقدره، قيل: مذهب أهل السنة في إيصال الثواب، ص: ۴۰۹، زمزم ببلشرز كراچي)

..... لو قال: للّٰه علي أن أهدي هذه الشاة وهي ملك الغير، لا يصح النذر". البحر: ۲۹۶/۴، كتاب الأيمان(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مہینہ کے روزہ کی نذر ماننے میں تسلسل ضروری ہے

سوال[۶۷۴۸]: ۱..... زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک ماہ روزہ رکھوں گا۔ تو کیا ایک ماہ کے روزے مسلسل رکھے یا وقفہ سے بھی رکھ سکتا ہے؟

پانچ سو روپے مسجد میں دینے کی نذر کرنے سے ایک ہی مسجد میں دے یا الگ الگ میں؟

سوال[۶۷۴۹]: ۲..... زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ۵۰۰/روپے مسجد میں دوں گا، تو کیا یہ ۵۰۰/روپے اکٹھے ادا کرے، یا سو سو روپے پانچ مسجد میں دیوے، یا کسی ہی مسجد میں دیوے، یا متفرق طور پر کسی مسجد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ایک ماہ کے مسلسل روزے رکھے، درمیان میں وقفہ کی گنجائش نہیں، کیونکہ مہینہ مسلسل ہی

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الأيمان، مسائل النذر: ۴/۴۹۸، رشيديه)

"وإذا قال: إن فعلت كذا، فألف درهم من مالي صدقة، ففعل، وهو لا يملك إلا مائة درهم، فإنه يلزمه التصدق بما ملك، وهو قدر مائة، لا غير..... وإذا قال: للّٰه علي أن أهدي هذه الشاة، وهي مملوكة للغير، لا يصح النذر، ولا يلزمه شيء". (الفتاوى التاتارخانية: ۳۰۳/۵، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور، إدارة القرآن، كراچی)

"وإذا قال: إن فعلت كذا، فألف درهم من مالي صدقة، ففعل، وهو لا يملك إلا مائة درهم، فإنه يلزمه التصدق بما يملك وهو قدر مائة، لا غير. والله علي أن أهدي هذه الشاة، وهو مملوكة للغير، لا يصح ولا يلزمه شيء". (المحيط البرهاني في المذهب النعماني: ۱۰۱/۶، كتاب الأيمان والنذور، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، ومما يتصل بذلك مسائل النذر: ۲/۶۵، رشيديه)

ہوتا ہے (۱)۔

۲ . . . اس کو اختیار ہے کہ ایک دم ۵۰۰۰/ روپیہ دیدے، یا تاخیر سے دے، مسجد کی تعیین لازم نہیں، جس مسجد میں چاہے دیدے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) سائل نے مطلق ایک مہینہ روزے رکھنے کی نذر مانی ہے اس لئے تسلسل سے ان روزوں کو رکھنا لازم نہیں ہے، لگاتار روزے رکھنا اس صورت میں لازم ہے، جب ایک مہینہ متعینہ مثلاً شعبان کی نذر مانی جائے، لیکن اس صورت میں اگر ایک دو روزے نہ رکھ سکے تو صرف ان روزوں کی قضاء ضروری ہے ترتیب لازم نہیں ہے:

"نذر صوم شهر معين لزمه متتابعاً، لكن إن أفطر فيه يوماً قضاه وحده". (الدر المختار) "أي قضى ذلك اليوم فقط، فلا يلزم كل الصوم في غير الوقت . . . وأما إذا كان الشهر غير معين، فإن شاء تابعه، وإن شاء فرقه، إلا إذا شرط التتابع، فيلزمه". (رد المحتار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر، ۳/۷۴۱، سعيد)

"ولو نذر صوم شهر غير معين تابع". (الدر المختار). "(قوله: متتابعاً) أفاد لزوم التتابع إن صرح به، وكذا إذا كان نواه. أما إذا لم يذكر ولم ينوه إن شاء تابع، وإن شاء فرق، وهذا في المطلق. أما صوم شهر معينه أو أيام بعينها، فيلزم التتابع، وإن لم يذكره". (رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في صوم الست من شوال، ۲/۴۳۵، سعيد)

"لو قال: لله علي أن أصوم شهراً متتابعاً، لزمه التتابع، وإن أطلق يخير، وإن عين الشهر، فأفطر يوماً قضاه، ولا يستقبل. وإن أفطر كله، يخير في القضاء بين التفريق والتتابع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر، ۱/۲۰۹، رشيدية)

(۲) "نذر لفقراء مكة، جاز الصرف لفقراء غيرها". (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ۳/۷۴۰، سعيد)

"نذر أن يتصدق بهذه المائة الدرهم يوم كذا على فلان، فتصدق بمائة أخرى قبل مجيء ذلك اليوم على مسكين آخر جاز". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذر، ۵/۴۳۰، إدارة القرآن كراچی)

"رجل قال: مالي صدقة على فقراء مكة إن فعلت كذا، فحنث وتصدق على فقراء بلخ أو بمكة -

امتحان میں پاس ہونے کی نذر ماننا

سوال[۶۷۵۰]. میری بچی نے ہائی اسکول کا امتحان دیا، اور اس سلسلہ میں میں نے نذر مانی تھی کہ: اگر پاس ہوگئی تو گیارہ فقیروں کو کھانا کھلاؤں گی۔ آیا کھانا کھلانا ضروری ہے یا نہیں؟ بچی پاس ہوگئی ہے۔ اور یہ نذر بھی مانی تھی کہ: پاس ہونے پر روزے رکھوں گی۔ آیا روزے رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پاس ہونے پر گیارہ فقیروں کو کھانا کھلایا جائے، یا ان کو نقد دیا جائے، ہر ایک کو بقدر صدقۃ الفطر دیا جائے (۱)۔ نذر کے روزے بھی رکھے جائیں (۲)، اگر کسی کو روزے رکھنے پر قدرت نہیں ہے تو ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کے برابر نقد یا غلہ دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

= أخرى، جاز". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۶۵، كتاب الأيمان، ومما يتصل بذلك مسائل النذر، رشيدية)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۵/۸۹، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

"نذر بالتصدق على ألف مسكين، فتصدق على مسكين بالقدر الذي ألزم، يخرج عن العهدة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، ومما يتصل بذلك مسائل النذر: ۲/۶۶، رشيدية)

سوال: "اگر کوئی شخص چند روزے رکھنے کی نذر مانے تو کیا ان میں تسلسل ضروری ہے یا حسب چاہے مختلف اوقات میں متفرق پورے رکھ سکتا ہے؟

الجواب: اگر پے در پے روزوں کی نیت نہیں کی ہو تو نذر کے روزے رکھنے میں تسلسل ضروری نہیں، ورنہ تسلسل کا خیال رکھنا لازمی ہے"۔ (فتاویٰ حقانیہ، کتاب الأیمان والنذر، عنوان مسئلہ: نذر کے روزوں میں تسلسل کا حکم: ۵/۳۴۳، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان)

"ولو قال لله علي أن أصوم شهراً متتابعاً، لزمه التتابع، وإن أطلق يخير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر: ۱/۲۰۹، رشيدية)

(۱) "رجل قال: إن نجوت من هذا الغم، فلله علي أن أتصدق بهذه الدراهم خبزاً، ثم أراد أن يتصدق =

= بالقيمة لا بالخبز جاز". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ١/ ٢٩٩، كتاب الزكوة، فصل في النذر، رشيديه)

"رجل قال: إن نجوت من هذا الغم الذي أنا فيه، فعلي أن أتصدق بعشرة دراهم، فاشترى بعشرة دراهم خبزاً فتصدق بعين الخبز أو ثمن الخبز يجزيه". (الفتاوى التاتارخانية: ٥/ ٣٢٥، كتاب الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور، إدارة القرآن، كراچی)

"نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره، جاز إن ساوى العشرة، كتصدقه بثمنه". (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ٣/ ٧٤٠، سعيد)

وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً، الفصل الثاني في الكفارة: ٢/ ٦٦، رشيديه)

(٢) "ومن نذر نذراً مطلقاً أو معلقاً بشرط وكان من جنسه واجب: أي فرض ..... وهو عبادة مقصودة ..... ووجد الشرط المعلق به، لزم الناذر لحديث: "من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى" كصوم وصلاة وصدقة". (الدر المختار) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: ووجد الشرط) معطوف على قوله: وكان من جنسه عبادة. وهذا إن كان معلقاً بشرط، وإلا لزم في الحال، والمراد الشرط الذي يريد كونه كما يأتي تصحيحه. (قوله: لزم الناذر): أي لزمه الوفاء به، والمراد أنه يلزمه الوفاء بأصل القربة التي التزمها لا بكل صفة التزمها". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب في أحكام النذر: ٣/ ٧٣٥، سعيد)

"ويصح النذر بالصلوة، والصوم، والحج، والعمرة، والإحرام بهما ..... لأنها قرب مقصودة، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من نذر أن يطيع الله تعالى فليطعه". وقال صلى الله عليه وسلم: "من نذر وسمى، فعليه وفاؤه بما سمى". إلا أنه خص منه المسمى الذي ليس بقربة أصلاً، والذي ليس بقربة مقصودة، فيجب العمل بعمومه فيما وراءه". (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل في شرائط ركن النذر: ٦/ ٣٣٣، دار الكتب العلمية بيروت)

(٣) "لو أخر القضاء حتى صار شيخاً فانياً، أو كان نذر بصيام الأبد، فعجز لذلك، أو باشتغاله بالمعيشة لكون صناعته شاقة، له أن يفطر و يطعم لكل يوم مسكيناً على ما تقدم". (فتح القدير، كتاب الصوم، فصل فيما يوجب على نفسه: ٢/ ٣٨٠، مصطفى البابي الحلبي مصر)

مدد مانگنا ضروری ہے، اور توبہ کرتے وقت پختہ عہد چاہیے کہ آئندہ نہیں کریگا (۱)، پھر اگر صدور ہو جائے تو پھر توبہ کرے، مایوس کبھی نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

= "فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عزوجل علي كذا" (بدائع الصنائع: ۵/۸۱، كتاب النذر، فصل: وأما شرائط الركن، سعيد)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً، عسى ربكم أن يكفر عنكم سيئاتكم﴾ (سورة التحريم: ۸)

قال النووي: "التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزماً جازماً على أن لا يعود إلى مثلها أبداً. وركنها الأعظم الندم" (روح المعاني (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في شرح النووي على مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿قل يعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

سزا دینا مثلاً پانچ سو یا جرمانہ کردینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مال کا جرمانہ ناجائز ہے(۱)، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو پانچ سو وغیرہ کی سزا دینا درست ہے(۲)، اگر مال کا جرمانہ کیا ہو تو اس کو واپس کردیا جائے، کذا فی البحر: ۵/۴۱ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبداللطیف، ۶/ربیع الاول/۵۸ھ۔

---

(۱) (راجع رقم الحاشیة: ۳)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "زنا کی شرعی سزا کے لئے شرط")

(۳) "لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي .... والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب في التعزیر بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الحدود: ۳/۱۹۵، إمدادیه ملتان)

: جو مال کسی بھی طریقے سے ناحق لیا جائے اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل وکسبه من بیع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، یتورع الورثة، ولا یأخذون منه شیئاً، وهو أولی بهم، ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها، لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه"

(رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع: ۸/۳۶۹، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع: ۷/۶۰، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس عشر في الکسب: ۵/۳۴۹، رشیدیه)

زنا کس ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے؟

سوال [۶۷۵۳]: ۱ ... انہیں دونوں مسئلوں کے تحت ضمیر مذکورہ کو زانی بتانا مکروہ ہے یا نہیں (☆)؟

عیدین کی نماز اذان تکبیر جنازہ کی نماز سب مکروہ ہے یا نہیں؟

۲... کون سے ثبوت ہونے سے زنا کاروں کے پیچھے نماز درست نہیں ہے؟

۳... خواہ کسی قسم کا معاملہ ہو معاملہ بغیر ثبوت کے ہو تو کیا شریعت کے اعتبار سے مدعیٰ علیہ کو قسم کھلا کر، ہاتھوں میں قرآن دے کر سوال کی تحقیق کی جائے، یا مدعیٰ علیہ قسم یا ہاتھوں میں قرآن لینے سے انکار کرے اور کہے کہ اگر میں قصوروار ہوں تو دلیل پیش کریں مجرم ہوں گا، اور دوسروں کے کہنے سے قسم نہیں کھاؤں گا تو کیا قسم نہ کھانے سے مدعیٰ علیہ کو مجرم گردانا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

... محض کسی عورت کے کہنے سے ضمیر کو زانی اور مجرم کہنا درست نہیں، اس کی اذان، امامت، نماز جنازہ وغیرہ سب درست ہے۔

۲... زنا کے گواہ موجود ہوں یا وہ خود اقرار زنا کرے (۱) تب اس کی امامت مکروہ ہوگی جب تک کچی

(☆) اصل نسخے پر نہ کہیں سوال "دونوں مسئلوں" اور "ضمیر مذکورہ" کون ہے یاد کیا ہیں، بہرحال جس طرح اصل میں ہے اسی طرح سوال وجواب نقل کیا گیا۔ (فخر المدین)

(۱) "(ويثبت بشهادة أربعة) رجال (في مجلس واحد) ... (به) لفظ (الزنا لا) مجرد لفظ (الوطء والجماع) ... (فيسألهم الإمام عنه: ما هو): أي عن ذاته، وهو الإيلاج عيني. (وكيف هو، وأين هو، ومتى زنى، وبمن زنى؟) لجواز كونه مكرهاً أو بدار الحرب أو في صباه أو بأمة ابنه ... (فإن بينوه وقالوا: رأيناه وطئها في فرجها كالميل في المكحلة) ... (وعدلوا سراً وعلناً) ... حكم به) وجوباً ... (ويثبت) أيضاً (بإقراره) صريحاً صاحياً، ولم يكذبه الآخر، ولا ظهر كذبه بجبه أو رتقها، ولا أقر بزناه بخرساء أو هي بأخرس لجواز إبدائه ما يسقط الحد ... (أربعاً في مجالسه): أي المقر (الأربعة، كلما أقر رده) بحيث لا يراه (وسأله كما مر) حتى عن المزني بها لجواز بيانه بأمة ابنه ... (فإن بينه) كما حق (حد)". (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۷، ۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود: ۵/۲۱۳، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بمصر) ... -

توبہ کرے (۱)۔

۳… اگر معاملہ قاضی کے پاس عدالت میں یا شرعی پنچایت میں فیصلہ کے لئے جائے تب مدعی ثبوت پیش کرے، اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی (۲)۔ ہر شخص کو قسم لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۲ھ۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۱۲، رشيدية)

(۱) "ويكره تقديم العبد، لأنه لا يتفرغ للتعلم، والأعرابي، لأن الغالب فيهم الجهل، والفاسق، لأنه لا يهتم لأمر دينه" (الهداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۱۲۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۶۱۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، باب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره: ۱/۸۵، رشيدية)

"أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعيد)

(۲) "سأل القاضي الخصم عنها، فإن أقر حكم عليه، وإن أنكر سأل المدعي البينة، فإن أقامها، وإلا حلف الخصم إن طلبه خصمه ليس يكفي إلا هذا شاهدك أو يمينه" (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الدعوى: ۳/۳۴۷، غفارية كوئٹہ)

"فإن صحت الدعوى سأل المدعى عليه عنها، فإن أقر أو أنكر فبرهن المدعي قضى عليه، وإلا حلف بطلبه، كذا في كنز الدقائق" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الدعوى، الباب الثالث في اليمين، الفصل الأول في الاستحلاف والنكول: ۴/۱۳، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الدعوى، باب اليمين: ۲/۴۰۲، رشيدية)

"ولزوم اليمين على المنكر" (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الدعوى: ۵/۲۰۳، رشيدية)

بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کا حکم

سوال [۹۷۵۵]: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو کسی مسلم یا غیر مسلم سے زنا کراتے دیکھا تو غصہ میں آکر اپنی زوجہ وزانی کو قتل کردیا تو اس قاتل پر شریعت میں کیا حکم ہے، جب کہ شرع میں حاکم وقت کو فیصلہ دینے کا حق ہوتا ہے اور ہمارے ملک میں ظاہر ہے کہ شرع کے مطابق فیصلہ نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں تفصیل ہے جو کہ فتاویٰ عالمگیری: ۲/۱۶۷ میں مذکور ہے: "سئل الهندواني عن رجل جامع امرأته رجلٌ، هل له القتل؟ قال: إن كان يعلم أنه ينزجر عن الزنا بالصياح والضرب بما دون السلاح، لا يحل. وإن علم أنه لا ينزجر إلا بالقتل، حل له القتل. وإن طاوعته المرأة حل له قتلها أيضاً. كذا في النهاية" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۳ھ۔

زانی کی سزا، کیا زنا حقوق العباد سے ہے؟

سوال [۹۷۵۶]: ۱... مریم کی لڑکی صابرہ کا عقد نکاح عبداللہ کے ساتھ ہوا، صابرہ کے بطن سے عبداللہ کے دو بچے: ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ صابرہ کی عمر ۳۵/ سال اور عبداللہ کی عمر ۴۳/ سال ہے۔ زید کی پہلی بیوی مریم کے انتقال کے بعد زید نے دوسری شادی عائشہ سے کی، اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام خالدہ ہے۔ خالدہ کا نکاح عمر سے ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ خالدہ بعد رخصت کے عمر نابالغ کے گھر آئی۔ عمر اور خالدہ سے شب باشی نہیں ہوئی۔ دوسرے دن دوپہر کو عمر موقع پاکر خالدہ کی چارپائی پر بیٹھ صرف گفتگو ہوئی شرم کی وجہ

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية: كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: يكون التعزير بالقتل: ۴/۶۲، ۶۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۶۹، رشيدية)

(وكذا في النهر الفائق: كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۳/۱۲۵، إمدادية ملتان)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الحدود، نوع مشتركا بين الحدود والجنايات ۶/۴۳۰، رشيدية)

سے ہمبستری نہیں ہوئی۔

خالدہ سے بچپن سے جوانی تک کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اس کے بعد خالدہ اپنے میکہ واپس آگئی۔ خالدہ کے والد انتقال کر گئے۔ اپریل ۱۹۵۸ء میں خالدہ اپنی سسرال دوبارہ گئی۔ عمر اس وقت بالغ ہو چکا تھا، اپنی بیوی خالدہ سے ہمبستر بھی ہوا، خالدہ اس وقت تک پاکدامن رہی۔ پھر خالدہ اپنے میکہ واپس آئی۔ پھر ماہ نومبر ۱۹۵۸ء میں خالدہ اپنی سسرال آئی اور فروری ۱۹۵۹ء میں میکہ واپس آئی۔ پھر خالدہ اپریل کے شروع میں سسرال آئی، جولائی ۵۹ء تک ساتھ رہی، اس وقت تک خالدہ سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔

پھر ۱۹۵۹ء ماہ اکتوبر میں اپنے خاوند عمر کے گھر گئی، اس سفر میں خالدہ نے عبداللہ کی شکایت عمر کی ماں سے کی کہ اب میں اپنے میکہ کبھی نہیں جاؤں گی، اور نہ آج تک گئی۔ عمر کو اپنی بیوی کی لغزش کا پتہ: سال ۱۹۵۹ء میں ہوا۔ خالدہ اپنی ماں عائشہ کے پاس سوئی تھی، رات کو تقاضائے حاجت کے لئے گئی تو عبداللہ۔ اس کا بہنوئی۔ چارپائی پر سو رہا ہے، عبداللہ کی چارپائی سے ۱۸/ قدم کی دوری پر اپنی حاجت پوری کی، بعد حاجت پوری کرنے کے جب خالدہ واپس ہوئی تو دیکھا عبداللہ اس کے پیچھے آرہا ہے اور خالدہ کو پکڑ کر دالان میں زمین پر پٹک کر اسے مجبور وناچار کر دیا، جب وہاں سے موقع ملا، فصہ ہو کر خالدہ بھاگی۔

خالدہ یہ بیان دے رہی ہے ایسی شکل میں شریعت عبداللہ کو کیا سزا دیتی ہے اور خالدہ کو کیا سزا دیتی ہے، خالدہ مجرم ہے یا نہیں؟

۲..... عبداللہ، خالدہ کا اپنا نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

۳..... زنا حقوق اللہ ہے یا حقوق العباد ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... زنا کی شرعی سزا دینے کے لئے نہ یہاں شرائط موجود ہیں، نہ تنہا بیان کافی ہے(۱)۔ اگر واقعۃً اس

---

(۱) "الشرط الإمام لاستیفاء الحدود". (رد المحتار، کتاب الجنایات، مبحث شریف: ۶/ ۵۴۹، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمگیریة، کتاب الحدود، الباب الأول في تفسیرہ شرعاً و رکنہ و شرطہ و حکمہ: ۲/ ۱۴۳، رشیدیہ)

کبھی ایک جگہ دونوں تنہائی میں جمع نہ ہونے پائیں، نہ ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ خالدہ کا قصور بھی ہے کہ اس نے عبداللہ سے پردہ نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں تک نوبت آئی۔ اور عبداللہ سے بچنے کے لئے اگر کوشش وتدبیر میں کمی کی، مثلاً: اپنی ماں کو فوراً آواز نہیں دی جو کہ قریب ہی تھی تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔

۲... اس سب حرکت کے باوجود خالدہ کا نکاح اپنے شوہر سے اور عبداللہ کا نکاح اپنی بیوی سے فسخ نہیں ہوا، بلکہ بدستور باقی ہے۔

۳... جس عورت کی عزت کو خراب کیا جائے جس کی وجہ سے اس کے شوہر کی بھی عزت خراب ہوئی، ان دونوں سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۵ھ۔

زنا کی سزا

سوال[۱۹۷۵۷]: زید نے بکر پر تہمت لگا کر دو گواہ بعدا پنے پیش کئے، دو گواہوں کی شہادت لے کر بکر پر کمرا یا نقد روپیہ جرمانہ بطور کفارہ لگا کر فیصلہ ہوا۔ التماس ہے کہ تہمت زنا کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی نہیں، یا شرعی طور پر مذکورہ کفارہ ہو سکتا ہے، اگر دو گواہ...... کافی نہیں تو گواہوں کے لئے کیا حکم ہے؟ اور جو مال تہمت زنا والے سے لیا گیا وہ کھانا حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہوا، ثبوت زنا کے لئے دو گواہ کافی نہیں، چار عینی گواہ ضروری ہیں۔ اگر چار عینی گواہ موجود نہ ہوں تو تہمت لگانے والے اور گواہی دینے والوں پر دارالاسلام میں حاکم اسلام حد قذف جاری کرے گا۔ اگر شرعی شہادت سے زنا کا ثبوت ہو جائے تو حاکم اسلام دارالاسلام میں حد زنا جاری کرے گا:

"ويثبت (الزنا) بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد بلفظ "زنا" لا مجرد لفظ الوطء والجماع، فيسألهم الإمام عنه: ما هو، كيف هو، وأين هو، ومتى زنى؟ فإن بينوه وقالوا: رأيناه

= الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيهما مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم، الخ". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

وحقها في فرجها كالميل في المكحلة، ولشهدوا سراً أو علانية، حكم به، اهـ". در مختار: ۲/۲۹۹ (۱)۔

"ولو شهدوا بالزنا ولكن هم عميان، أو محدودون في قذف، أو ثلاثة، أو أحدهم كذلك بعد إقامة الحد، حُدّوا للقذف إن طلبه المقذوف: أي دون المشهود عليه، لعدم أهلية الشهادة فيهم، أو عدم النصاب، فلا يثبت الزنا، اهـ". درمختار و شامی: ۴/۴۴ (۲)۔

جرمانہ کا تاوان شرعاً ناجائز ہے خواہ وہ مالی نقد روپیہ ہو یا بکرا وغیرہ کوئی جانور ہو، جو کچھ لیا ہے اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، اهـ" در مختار: ۲/۲۶۹ (۳)۔

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۸۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود: ۲/۵۰۴، شركة علميه، ملتان)

(۲) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۴/۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۵/۳۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها: ۳/۱۳۵، امداديه ملتان)

(۳) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱-۶۲، سعيد)

"لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. ... والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: كتاب الحدود: ۳/۱۶۵، امداديه ملتان) ....

ہمارے ملک میں حدود جاری کرنے کی شرائط متحقق نہیں اس لئے حدِ زنا یا حدِ قذف کا جاری کرنا دشوار ہے(۱)، پس گواہوں کو ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے زنا کی گواہی دی ان کے سامنے توبہ کریں و معافی

---

* : ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آئے، اس کو واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و كسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، و لا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى بهم، و يردونه على أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه".

(رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۶۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۷/۶۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ حدود قائم کرنے کے لئے دارالاسلام اور امامِ مسلمین کا ہونا ضروری ہے، جب کہ ہندوستان اہلِ علم کے ہاں دارالاسلام بھی نہیں اور حاکمِ وقت مسلمان بھی نہیں: "ويشترط الإمام لاستيفاء الحدود" (رد المحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً و ركنه و شرطه و حكمه: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد و إقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۴۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الحصكفي: "لأنه لا حد في دار الحرب" (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد و الذي لا يوجبه: ۵/۲۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۳/۱۴۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد و الذي لا يوجبه: ۲/۵۱۴، مكتبة شركة علمية ملتان)

چاہیے۔ اسی طرح تہمت لگانے والے کے ذمہ بھی واجب ہے توبہ کرے اور معاف کرائے (۱)۔ اور فیصلہ کرنے والے کے ذمہ لازم ہے کہ جو کچھ جرمانہ لیا ہے اس کو واپس کرے (۲)۔ اور یہ سب لوگ "آئندہ کوئی گواہی، تہمت اور فیصلہ سے پختہ عہد کریں۔ اور جو شخص اس توبہ کیلئے تیار نہ ہوں اس کو مناسب سزا دی جائے، مثلاً ترکِ تعلق کر دیا جائے تاکہ وہ تنگ آ کر توبہ کرے (۳)۔ اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کو بھی چاہیے کہ اپنے طرزِ عمل کو بدل دے یعنی کسی سے اس قسم کا تعلق اور معاملہ نہ رکھے جس سے دوسروں کو بدگمانی، تہمت کا موقع ملے (۴)، اگر واقعۃً اس سے یہ فعل صادر ہوا ہے تو خدا تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/۱/۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ ھذا۔

---

(۱) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم ..... أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه. والثالث: أن يتوب كما سبق في حقوق الله تعالى". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۳)

(۳) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدعة واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/۷۵۹، رشيدية)

(۴) "اتقوا مواضع التهم" ذكره في الإحياء، وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتُّهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التُّهم فلا يلومن من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمر بن الخطاب تعالى عشرة كلمة ..... "ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومن من أساء به الظن". (كشف الخفاء: ۱/۳۵، مؤسسة الرسالة بيروت)

ایضاً

سوال [۶۷۵۸]: حدیث شریف میں لکھا ہے کہ: اگر زنا کار مرد اور عورت سات سمندر میں غسل کرے تب بھی پاک نہیں ہو سکتا اور اس کے غسل کے چھینٹوں سے شیاطین پیدا ہو کر زنا کاری کرتے ہیں اور یہ سب زانی کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ یہ کام کر کے پھر توبہ کرے تو اس کی عبادات قبول ہوگی یا نہیں؟ اور اگر زنا کار کنوارہ ہے تو سو دُرّے اور اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے گا۔ یہ سزا تو دنیا کی ہے اور آخرت میں کیا سزا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اور عبادات کو قبول کرتے ہیں اور گناہ کو معاف فرماتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچاتے ہیں (۱)۔ زانی کے غسل اور اس کے چھینٹوں سے شیاطین کا پیدا ہونا، جو ہمیشہ زنا کرتے رہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں، البتہ رجم اور دُرّوں کی سزا ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن یعمل سوءاً أو یظلم نفسه، ثم یستغفر الله یجد الله غفوراً رحیماً﴾. (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إلا من تاب وآمن وعمل صالحاً، فأولئک یدخلون الجنة ولا یظلمون شیئاً﴾. (سورة مریم: ۶۰)

"وعن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "إن الله یحب العبد المؤمن المفتن التواب" ... وقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" (مشکاة المصابیح، باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قدیمی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿الزانیة والزاني فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة﴾ الآیة (سورة النور: ۲)

"عن عبد الله بن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما أن عمر بن الخطاب خطب فقال: إن الله بعث محمداً بالحق وأنزل علیه الکتاب، فکان فیما أنزل علیه آیة الرجم فقرأناها ووعیناها، ورجم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ورجمنا من بعده، وإني خشیت أن طال بالناس الزمان أن یقول =

انتہیٰ

سـوال [۶۵۵۴]: زنا کی سزا کیا ہے، چاہئے لڑکی ولڑکے کو الگ الگ ذکر نا ہو، صرف کر سکتے ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زنا کی سزا بہت سخت ہے، وہ یہ کہ شادی شدہ سے اگر یہ حرکت ہو جائے تو سنگسار کر دیا جائے یعنی پتھر ان سے مار مار کر بالکل ختم کر دیا جائے، غیر شادی شدہ کرتا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں (۱)، لیکن یہ سزا دینے کا ہر ایک کو اختیار نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے جو شرائط ہیں ان میں یہ بھی شرط ہے کہ بادشاہ مسلمان ہو (۲)، اس کے

= قد تلیٰ من بعدہ آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ أنزلہا اللہ، فالرجم حق علیٰ من زنیٰ من الرجال والنساء إذا کان محصناً، إذا قامت البینۃ، أو کان حمل أو اعتراف، وایم اللہ! لو لا أن یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبتہا". (سنن أبی داؤد، کتاب الحدود، باب فی الرجم: ۲/۲۵۸، امدادیہ)

"ویرجم محصن فی فضاء حتی یموت ..... وغیر المحصن یجلد مائۃ". (الدر المختار، کتاب الحدود: ۴/۱۰-۱۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود: ۵/۱۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الحدود، الباب الثالث فی کیفیۃ الحد وإقامتہ: ۲/۱۴۵، ۱۴۶، رشیدیہ)

(۱) راجع ص: ۹۲، رقم الحاشیۃ: ۲

(۲) "فیشترط الإمام لاستیفاء الحدود". (رد المحتار، کتاب الجنایات، فصل شرب: ۶/۴۹۹، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الحدود، الباب الأول فی تفسیرہ شرعاً ورکنہ وشرطہ وحکمہ: ۲/۱۴۳، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الحدود، فصل فی کیفیۃ الحد وإقامتہ: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی النہر الفائق، کتاب الحدود: ۳/۱۴۳، امدادیہ ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الحدود، فصل فی شرائط جواز إقامتہا: ۹/۲۵۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حکم سے شرعی ثبوت کے بعد یہ سزا دی جاسکتی ہے(۱)، اس لئے یہاں اب یہ سزا نہیں دی جاسکتی(۲)۔ ہاں کفارہ اس کی سزا نہیں، لہذا مالی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اب توبہ واستغفار کریں اور آئندہ کیلئے عہد کرلیں کہ کبھی ایسا کام نہیں کریں گے، روزے رکھے، صدقہ دیں، از خود اپنے نفس کی اصلاح کے لئے، لازمی حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً زنا کی وجہ سے حد

سوال[۱۰۶۷۰]: زید کے گھر میں فوج کے لباس میں دو مرد داخل ہوئے، اس سے زید سمجھا کہ فوج آگئی اور گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ان دونوں شخصوں نے اس کی عورت کے ساتھ زنا کیا۔ تو ایسی صورت میں عورت

---

(۱) "(ويثبت بشهادة أربعة) رجال (في مجلس واحد) (به) لفظ (الزنا، لا) مجرد لفظ (الوطء والجماع) ... (فيسألهم الإمام عنه: ما هو) أي عن ذاته وهو الإيلاج عيني. (وكيف هو وأين هو ومتى زنى، وبمن زنى؟) لجواز كونه مكرهاً أو بدار الحرب أو في صباه أو بأمة ابنه ..... (فإن بينوه وقالوا: رأيناه وطئها في فرجها كالميل في المكحلة) ... (وعدلوا سراً وعلناً) ... (حكم به) وجوباً ... (ويثبت) أيضاً (بإقراره) صريحاً صاحياً، ولم يكذبه الآخر، ولا ظهر كذبه بجبه أو رتقها، ولا أقر بزناه بخرساء أوهي بأخرس لجواز إبداء ما يسقط الحد ... (أربعاً في مجالسه) أي المقر (الأربعة، كلما أقر رده) بحيث لا يراه (وسأله كما مر) حتى عن المزني بها لجواز بيانه بأمة ابنه، نهر. (فإن بينه) كما حق (حُدّ)". (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۷، ۹، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود: ۵/۲، ۳، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۴، ۲۲، رشيدية)

(۲) "وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(ورد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۵۹، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۹، رشيدية)

پر کوئی حد آئے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کی طرف سے اس عورت پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی، اس واسطے کہ وہ عورت مکرہ تھی اور مکرہ پر حد نہیں آتی، کما فی الہدایۃ العین: ۲/۳۴۲، وفتح القدیر ص: ۳۰۶:

"بخلاف المرأۃ فإنہ محل الفعل ومع الخوف تحقق التمکین منہا، فلا یکون التمکین دلیل الطواعیۃ" انتہی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۸۸ھ۔

جو شخص لڑکی سے زنا پر اصرار کرے اس کی ہلاکت کی تدبیر کا حکم

سوال [۶۰۱۰]: زید اپنی حقیقی لڑکی سے زنا بالجبر کرنا چاہتا ہے اور اس کی لڑکی اور اس کی بیوی دونوں اس بات کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہیں، جس کی وجہ سے وہ اپنی لڑکی اور بیوی کو ہر وقت مارتا پیٹتا ہے۔ اب زید کی بیوی چونکہ اپنے بد اطوار شوہر سے بالکل تنگ آ گئی ہے جس کی وجہ سے چاہتی ہے کہ یہ کسی طرح مر جائے تا کہ اس قسم کی بدنامی اور گناہ کبیرہ سے نجات مل جائے۔ تو اس شوہر کو قتل کرنے کے لئے کیا اس کی بیوی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی ہلاکت کی یا اپنی ہلاکت کی کوئی تدبیر کرے، مثلاً: خفیہ طور پر زہر وغیرہ کھلا دینا یا دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اب اس پریشانی کی حالت میں اس کی بیوی کیا کرے؟

اگر شوہر کے کردار کی لوگوں کو اطلاع دیتی ہے تو اس کی جان کا بھی خطرہ ہے۔ اور زید کے اس اصرار کی وجہ سے اس کے ایمان میں کوئی فتور آیا یا نہیں؟

---

(۱) (کما أحمد في فتح القدير، ولفظه في الهداية، كتاب الإكراه، فصل: ۹/۲۳۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في هامش الهداية، كتاب الإكراه، فصل، رقم الحاشية: ۹، ۳/۳۴۸، إمدادية ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو نہ خود زہر کھانے کی اجازت ہے (۱)، نہ اس کمینہ شوہر کو زہر کھلانے کی اجازت ہے (۲)، بلکہ شوہر سے لڑکی کو علیحدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ قابو نہ پاسکے، اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے خاندان میں اس کا نکاح کردیا جائے، اگرچہ والدہ رضامند نہ ہو۔ زید اس بے حیائی اور بدترین معصیت پر اصرار کررہا ہے تو نہایت خطرناک حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔ اگر زید خدانخواستہ ایسی حرکت کر گزرے گا، یا لڑکی کو شہوت سے چھولے یا بوس وکنار کرلے تو اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من تردى من جبل فقتل نفسه، فهو في نار جهنم يتردى فيها خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن تحسى سماً فقتل نفسه، فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً، ومن قتل نفسه بحديدة، فحديدته في يده يتوجأ بها في بطنه في نار جهنم خالداً مخلداً فيها أبداً" متفق عليه . . . قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الذي يخنق نفسه يخنقها في النار، والذي يطعنها يطعنها في النار". رواه البخاري" (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ۲۹۹، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمارق لدينه التارك للجماعة". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، كتاب القصاص، الفصل الأول، ص: ۲۹۹، قديمي)

(۳) "(و) حرم أيضاً بالصهرية (أصل مزنيته) . . . (و) أصل (ممسوسته بشهوة)". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۳۲، سعيد)

"ومن مسته امرأة بشهوة، حرمت عليه أمها وبنتها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/۳۰۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

زنا کی معافی کی صورت

سوال[۱۷۹۲]: اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور کوئی ایسا کام کرے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سچے دل سے توبہ کرے، خدا تعالیٰ کے سامنے روئے، معافی مانگے، آئندہ کو بچنے کا پختہ عہد کرے، انشاء اللہ تعالیٰ توبہ قبول ہوگی ﴿ومن یعمل سوءاً أو یظلم نفسه ثم یستغفر الله یجد الله غفوراً رحیماً﴾ الآیة(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

طلاق کے بعد عورت کو رکھنے کی سزا

سوال[۱۷۹۳]: اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گزارنے کے بعد بلا نکاح اپنے یہاں رکھے اور عورت رہے تو شرع شریف میں ایسے مرد وعورت کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جانا چاہئے؟

محمد آل مجیب الرحمٰن بمعرفت سب پوسٹ ماسٹر قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حکومتِ اسلامیہ ہو اور قواعد شرعیہ کے موافق ان دونوں کا جماع کرنا ثابت ہو جائے تو چونکہ یہ

ـ "لو أیقظ زوجته أو أیقظته لجماعها فوصلت یده علی بنته المشتهاة أو یده علی ابنه من غیرها، حرمت علیه زوجته حرمة مؤبدة، کذا فی الفتح. وقید بابنه من غیرها لیعلم ما إذا کان منها بالأولی". (النهر الفائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۲/ ۱۹۲، إمدادیه ملتان)

(۱) (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوک فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول، لوجدوا الله تواباً رحیماً﴾ (سورة النساء: ۶۴)

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ـ

زنا ہے(۱) اس لئے حدِ زنا (رجم یا جلد) جاری کی جائے (۲)۔ اگر جماع کرنا ثابت نہ ہو، ان پر تعزیر ہوگی۔ اور حکومتِ اسلامیہ نہ ہونے کی صورت میں ان سے عام مسلمین کو قطع تعلق کردینا چاہیے تاکہ وہ تنگ

= "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح: باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۱) "والزنا وطء مكلف ناطق طائع في قبل مشتهاة خال عن ملكه و شبهته في دار الإسلام، أو تمكينه من ذلك أو تمكينها". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۴، ۵، ۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۲/۱۴۳، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵/۲۴۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) شادی شدہ ہونے کی صورت میں رجم، اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں کوڑے لگائے جائیں گے۔

قال الله تعالى: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ الآية (سورة النور: ۲)

"عن عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما أن عمر يعني ابن الخطاب خطب فقال: إن الله بعث محمداً بالحق وأنزل عليه الكتاب، فكان فيما أنزل عليه آية الرجم فقرأناها ووعيناها، ورجم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ورجمنا من بعده، وإني خشيت إن طال بالناس الزمان أن يقول قائل: ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله، فالرجم حق على من زنى من الرجال والنساء إذا كان محصناً إذا قامت البينة، أو كان حمل أو اعتراف، وايم الله! لولا أن يقول الناس: زاد عمر في كتاب الله لكتبتها". (سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في الرجم: ۲/۲۵۹، امدادية)

"ويرجم محصن في فضاء حتى يموت ...... وغير المحصن يجلد مأة". (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۱۰، ۱۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۵/۱۲، ۱۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثالث في كيفية الحد وإقامته: ۲/۱۴۵، ۱۴۶، رشيدية)

کفارۂ زنا

سوال [۱۶۹۶]: رحمت ایک غیر شادی شدہ لڑکی تھی، جب وہ سن بلوغ کو پہونچی، ابھی اس کا شوہر بالغ نہیں ہوا تھا کہ اس کا خاندان کے لڑکے کے ساتھ محبت کا تعلق استوار ہو گیا اور ناجائز طور پر ایک دوسرے کا اختلاط ہونے لگا۔ جب صریح حقوں کو اس کا علم ہوا اور اس لڑکی کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اس سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ اس مذکورہ واقعہ کے دوران جب کہ غلط مست ہوتے تو باہمی جنسی پیاس بھی بجھتی رہی۔ اب وہ لڑکا بھی شادی کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ گنہگار دنیا و دونوں کے لئے شرعی حد تو ممکن نہیں ہے تو کفارہ اس گناہ کا کیا ہے؟ کیا فقیروں کو کھانا کھلادیں یا روزہ رکھیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنسی ناجائز تعلق کی سزا بہت سخت ہے (۱) اور شرائط بھی سخت ہیں، مگر وہ شرائط آج کے دور میں یہاں موجود نہیں، اس لئے وہ سزا نہیں دی جاسکتی (۲)۔ روزہ یا کھانا کھلانا اس کی سزا نہیں، بس توبہ یہی ہے کہ خدا کے سامنے رو رو کر انتہائی ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کریں (۳)، تطہیر نفس کے لئے روزہ رکھیں تو یہ بھی

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة، ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر، وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين﴾ (سورة النور: ۲)

(۲) "المشروط الإمام لاستيفاء الحدود" (رد المحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً وركنه وشرطه وحكمه: ۲/۱۴۳، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد وإقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۴۴، إمدادية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۰۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿قل يا عبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لا تقنطوا من رحمة الله، إن الله يغفر الذنوب —

مفید ہے مگر یہ شرعی حکم نہیں، جس قدر روزے رکھیں زیادہ فائدہ ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۳/۹۲ھ۔

= جميعاً، إنه هو الغفور الرحيم﴾ (سورة الزمر: ۵۳)

"أن لها ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لا يعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة، فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲/۲۶۷، قديمي)

"فالمعنى أن الصوم يقطع الشهوة ويدفع شر المني كالوجاء. قال الطيبي رحمه الله تعالى: وكان الظاهر أن يقول: فعليه بالجوع وقلة ما يزيد في الشهوة وطغيان الماء من الطعام، فعدل إلى الصوم، إذ ما جاء لمعنى عبادة هي برأسها مطلوبة، وليؤذن بأن المطلوب من نفس الصوم الجوع وكسر الشهوة، وكم من صائم يمتلئ معى. اهـ. ويحتمل أن يكون الصوم فيه هذا السر والنفع لهذا المرض، ولو أكل وشرب كثيراً إذا كانت له صحيحة، ولأن الجوع في بعض الأوقات والشبع في بعضها ليس كالشبع المستمر في تقوية الجماع، والله أعلم". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۳۰۸۰): ۶/۲۶۲، رشيدية)

باب حد القذف

(حدِ قذف کا بیان)

کسی کو "حرام زادہ" کہنا

سوال[۶۷۶۷]: کسی مسلمان کو شرعاً حرام زادہ کہنا کیسا ہے اور کہنے والے پر کیا حکم عائد ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گناہ ہے(۱)، اگر تمام شرائط محقق ہوں تو کہنے والے پر حدِ قذف جاری کی جائے گی:

"ولو قال: یا ولد الزنا، أو قال: یا ابن الزنا، وأمه محصنة، حُدّ؛ لأنه قذفها بالزنا، كذا في التمرتاشي". فتاوی هندية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/۲/۵۹ھ۔

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم من كتاب الآداب، ص: ۴۱۱، قديمي)

"وعن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق، حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۱۶۳، رشيديه)

لئے جاری نہیں کی جاتی (۱)۔ جس پر تہمت لگائی ہے اس سے معافی مانگنا (۲) اور توبہ کرنا ضروری ہے (۳)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۹۵ھ۔

---

(۱) "ولیشترط الإمام لاستیفاء الحدود". (رد المحتار، کتاب الحدود، مبحث شرطه: ۴/۹، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً وركنه وشرطه وحكمه: ۲/۱۴۳، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد وإقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۳۳، إمدادية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۹/۲۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم ..... أما إذا قذفه بهتاناً ولم يكن ذلك فيه فيحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك، والثاني أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى عنه حتى يجعل في حل منه، والثالث أن يتوب كما سبق في حقوق الله تعالى". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالى: ﴿إلا من تاب وآمن وعمل صالحاً فأولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون شيئاً﴾ (سورة مريم: ۶۰)

"وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن الله يحب العبد المؤمن المفتن التواب". وقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمي)

جھوٹا الزام لگانے کی سزا

سوال[۶۷۷۰]: اگر کوئی مسلمان بیجا طور پر کسی مسلمان پر جھوٹا الزام قائم کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ازروئے قرآن وحدیث بحوالہ کتب دلائل بیان فرمائیں۔

المستفتی: حکیم مولوی محمد سبحان صاحب، ارم گڑھ، ضلع گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو ضروری ہے کہ جس شخص پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس سے معافی چاہے(۱)، اگر وہ معاف کردے اور یہ آئندہ ایسی حرکت سے صدقِ دل سے توبہ کرلے تو خیر، ورنہ اس کو ترکِ تعلقات وغیرہ کی سزا دی جائے حتی کہ تنگ آکر توبہ کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

افتراء اور بہتان کی سزا

سوال[۶۷۷۱]: افتراء پرداز وتہمت طراز کی شرعی کیا سزا ہے؟

---

(۱) (راجع، ص: ۱۰۳، رقم الحاشیۃ: ۳)

(۲) قال الإمام البخاري رحمہ اللہ تعالیٰ: "باب ما یجوز من الھجران لمن عصی". وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لہ: "أراد بھذہ الترجمۃ بیان الھجران الجائز، لأن عموم النھي مخصوص بمن لم یکن لھجرہ سبب مشروع، فتبین ھنا السبب المسوغ للھجر، وھو لمن صدرت منہ معصیۃ، فیسوغ لمن اطلع علیھا منہ ھجرہ علیھا لیکف عنھا". (فتح الباری: کتاب الأدب، باب ما یجوز من الھجران لمن عصی. ۱۰/۶۰۹، قدیمی)

(وکذا في شرح صحیح البخاري لابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ: کتاب الأدب، باب ما یجوز من الھجران لمن عصی: ۹/۲۷۲، مکتبۃ الرشد الریاض)

(وکذا في مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب ما ینھی عنہ من التھاجر والتقاطع واتباع العورات: ۸/۷۵۸، رشیدیہ)

(وکذا في تکملۃ فتح الملھم للمفتي محمد تقي العثماني، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الھجر فوق ثلاث بلاعذر شرعي: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مکتبۃ دار العلوم کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتان کی سزا، اس کی نوعیت اور سزا دینے والوں کی قدرت کے اعتبار سے مختلف ہے، جس پر بہتان لگایا جاوے تو اس کی حیثیت کا خیال ہوتا ہے، کلی حکم علی الاطلاق دشوار ہے، جیسا کہ باب التعزیر میں ہے(۱)، اس لئے اس کا گناہ کبیرہ ہونا ظاہر ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ رجب/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

شبہ کی بناء پر تہمت لگانا

سوال[۱۷۷۱]: ایک شخص کے متعلق لوگ کہتے ہیں شبہ کی بناء پر یعنی (زنا کرنے کا) اور زنا کرتے کسی نے نہیں دیکھا اور وہی آدمی شبہ کرتے ہیں، اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے، اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض شبہ سے اس کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے(۳) اور اس کو تہمت کی جگہ سے بچنا واجب ہے(۴)،

---

(۱) "هو (أي التعزير) تأديب دون الحد أكثره تسعة وثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة" (الدر المختار). "(قوله: أكثره تسعة وثلاثون سوطاً) ...... فكأنه يرى أن ما دونها لا يقع به الزجر، وليس كذلك بل يختلف ذلك باختلاف الأشخاص ..... فيكون مفوضاً إلى رأي القاضي يقيمه بقدر ما يرى المصلحة فيه ..... فلو رأى أنه ينزجر بسوط واحد، اكتفى به" (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/ ۶۰، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية الآتية)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن يكسب خطيئة أو إثماً ثم يرم به بريئاً فقد احتمل بهتاناً وإثماً مبيناً﴾ (النساء: ۱۱۲)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات" قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال: "الشرك بالله والسحر ..... وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات" متفق عليه" (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(۴) "اتقوا مواضع التهم" ذكره في الإحياء. وقال العراقي في تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً، لكنه بمعنى قول عمر: "من سلك مسالك الظن اتهم". ورواه الخرائطي في مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ: "من أقام نفسه مقام التهم فلا يلومن من أساء الظن به". وروى الخطيب في المتفق =

اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زوالِ بکارت کی وجہ سے تہمت

سوال[۱۲۷۱]: زید نے نئی شادی کی باکرہ لڑکی سے تو زید جب اول شب میں اس لڑکی کے پاس ہمبستری کے واسطے جاتا ہے تو اس کی بکارت کو زائل پاتا ہے۔ تو شریعت کی رو سے اس پر کیا گمان کرنا چاہیے، یعنی کس قدر فرج کی کشادگی محل بدگمانی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی وجہ سے اس باکرہ کو قطعی طور پر تو بدکار نہیں کہا جاسکتا (۱)۔ زوالِ بکارت کے بعد کشادگی کی

= والمطروق عن سعید بن المسیب قال: وضع عمر بن الخطاب ثماني عشرة كلمة ..... ومن عرض نفسه للتهمة، فلا يلومن من أساء به الظن" (كشف الخفاء للعلامة العجلوني: ۱/۳۵۰، مؤسسة الرسالة بيروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن إن بعض الظن إثم﴾ الآية (سورة الحجرات: ۱۲)

قال الحافظ عماد الدين: "يقول تعالى ناهياً عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثماً محضاً، فليجتنب كثير منه احتياطاً". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۱۲، سهيل اكيدمي لاهور)

وقال أبو بكر الجصاص: "وأما الظن المحظور، فهو سوء الظن بالله تعالى ..... وكذلك سوء الظن بالمسلمين الذين ظاهرهم العدالة محظور مزجور عنه، وهو من الظن المحظور المنهي عنه ..... عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث". فهذا من الظن المحظور وهو ظنه بالمسلم سوءاً". (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۵۰۵، ۴۰۴، دار الكتاب العربي بيروت)

لگتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

اپنے ولد الحرام ہونے کا اقرار

سوال [۱۷۷۲]: ایک شخص کہتا ہے کہ میں ولد الحرام ہوں، یہ گناہ میرے باپ پر ہے یا کہ میری والدہ پر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کیا اس کہنے والے کو تحقیق ہے کہ وہ ولد الحرام ہے، اگر تحقیق کر چکا ہے اور والدہ نے زنا کا اقرار کر کے اس کو بتایا ہے تب تو والدہ گنہگار ہے (۲)، اگر تحقیق نہیں کیا تو کہنے والا خود گنہگار ہے کہ اپنی والدہ پر زنا کا الزام

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وقل للمؤمنٰت یغضضن من أبصارهن ویحفظن فروجهن، ولا یبدین زینتهن إلا ما ظهر منها، ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن﴾ (سورة النور: ۳۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وقرن فی بیوتکن، ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولیٰ﴾ (سورة الأحزاب: ۳۳)

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "إن المرأة تقبل فی صورة شیطان، وتدبر فی صورة شیطان". (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الأول: ۲/۲۶۸، قدیمی)

"وعنه (ابن مسعود): عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "المرأة عورة فإذا خرجت، استشرفها الشیطان". (مشکوٰة المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة وبیان العورات، الفصل الثانی: ۲/۲۶۹، قدیمی)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقربوا الزنیٰ، إنه کان فاحشة وساء سبیلا﴾. (سورة الإسراء: ۳۲)

وقال الحافظ ابن کثیر رحمه اللہ تعالیٰ: "یقول اللہ تعالیٰ ناهیاً عباده عن الزنا، وعن مقاربته ومخالطة أسبابه ودواعیه. ﴿ولا تقربوا الزنیٰ إنه کان فاحشة﴾. (تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۵، مکتبه دار الفیحاء دمشق)

لگتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۸/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/۵۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن یکسب خطیئۃ أو إثماً ثم یرم بہ بریئاً فقد احتمل بہتاناً وإثماً مبیناً﴾ الآیۃ

(سورۃ النساء: ۱۱۲)

"وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: یا رسول اللہ! وما ہن؟ قال: "الشرک باللہ والسحر ... وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات". متفق علیہ".

(مشکاۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، ص: ۱۷، قدیمی)

باب التعزیر

(تعزیر کا بیان)

گالی دینے کی سزا

سوال [۷۵۰۶]: مسمی احمد حسین نے اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی بھاوج اور اپنے بہنوئی کو گالیاں دی ہیں جس کے گواہ موجود ہیں۔ ایسے شخص کی کیا سزا ہے تاکہ اس کو برادری شرعی سزا دے سکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گالی دینا بہت بری بات ہے، فسق ہے (۱)، اس کی عادت ڈالنا منافق کی علامت ہے (۲)، گالی دینے والے کو لازم ہے کہ ایسی عادت سے باز آئے، توبہ کرے، جس کو گالی دی ہے اس سے معافی مانگے (۳)، آئندہ

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم من كتاب الآداب، ص: ۴۱۱، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق، حتى يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر". متفق عليه". (مشكاة المصابيح، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱۷، قديمي)

(۳) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم . أما إذا قال بهتاناً فإن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يذهب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى منه حتى يجعله في حل منه. والثالث أن يتوب كما تسن في حقوق الله. ="

کو عہد کرے کہ آئندہ کبھی گالی نہیں دوں گا، جس کا جس قدر شریعت نے احترام لازم قرار دیا ہے، بہرحال احترام ملحوظ رکھے(1)۔

بعض گالی ایسی ہیں کہ جس پر تعزیر آتی ہے(2) جو کہ قاضی شرعی کا حق ہے کہ جتنے کوڑے مناسب سمجھے لگائے، حد کے کوڑے تک نہ پہونچے(3)۔ بعض گالی ایسی ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے حد لازم آتی ہے(4)

= تعالیٰ". (شرح الملا علی القاری علی الفقه الأکبر، ص: ۱۹۵، ۲۰۰، قدیمی)

(1) "عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها أنها قالت: أمرنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: أن ننزل الناس منازلهم". (مقدمة الصحیح لمسلم: ۳/۱، قدیمی)

(2) "(وعزر) الشاتم (بیا کافر، یا خبیث، یا سارق، یا فاجر، یا مخنث، یا خائن، یا لوطي، یا زندیق)".
(الدرالمختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، ۶۹/۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل في التعزیر، ۷۱/۵، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق: کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۱۶۷/۳، ۱۶۸، ۱۶۹، إمدادیه ملتان)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۱۶۸/۲، رشیدیه)

(3) "هو (أي التعزیر) تأدیب دون الحد، أکثره تسعة وثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدرالمختار).

"(قوله: أکثره تسعة وثلاثون سوطاً) لحدیث: "من بلغ حداً في غیر حد، فهو من المعتدین". وحد الرقیق أربعون، فنقص عنه سوطاً ..... (وقوله: ثلاثة): أي أقل التعزیر ثلاث جلدات، وهکذا ذکره القدوری، فکأنه یری أن ما دونها لا یقع به الزجر، ولیس کذلک، بل یختلف ذلک باختلاف الأشخاص، فلا معنی لتقدیره مع حصول المقصود بدونه، فیکون مفوّضاً إلی رأي القاضي یقیمه بقدر ما یری المصلحة فیه ..... فلو رأی أنه ینزجر بسوط واحد، اکتفی به". (ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر ۶۰/۴، سعید)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الحدود، باب حد القذف، ۳۴۵/۵، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في منحة الخالق حاشیة البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۶۹/۵، رشیدیه)

(4) "ویحد الحر أو العبد قاذف المسلم الحر البالغ العاقل العفیف بصریح الزنا، أو بزنأت في الجبل، أو لست لأبیک، أو لست بابن فلان لأبیه وأمه محصنة في غضب". (الدرالمختار، کتاب الحدود، =

جس کا حق امام اعظم سلطان وقت کو ہوتا ہے، اوروں کو نہیں ہوتا، اس لئے اسکی سزا اس ملک میں دشوار ہے(۱)۔ نیز اس کے لئے شرائط ثبوت بھی ہیں کہ بغیر ان کے تحقق کے ثبوت نہیں ہوسکتا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱/۹۵ھ۔

= باب حد القذف: ۴/۴۵، ۴۹، ۵۲، سعید)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۳۱۶، ۳۲۰، ۳۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۲/۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۳، رشيديه)

(۱) اس لئے کہ حدود قائم کرنے کے لئے دار الاسلام اور امام المسلمین کا ہونا ضروری ہے، جب کہ ہندوستان بعض اہل علم کے پاس دار الاسلام نہیں اور حاکم وقت مسلمان بھی نہیں: "فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود". (رد المحتار، كتاب الجنايات، مبحث شريف: ۶/۵۴۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الأول في تفسيره شرعاً وركنه وشرطه وحكمه: ۲/۱۴۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية الحد وإقامته: ۵/۲۳۵، ۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود: ۳/۱۴۳، إمداديه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحدود، فصل في شرائط جواز إقامتها: ۶/۴۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الحصكفي: "لأنه لا حد في دار الحرب". (الدر المختار، كتاب الحدود: ۴/۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵/۲۹، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۳/۱۳۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في الهداية، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲/۵۱۴، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۲) "ويثبت بالإقرار مرة واحدة، وبشهادة رجلين، كما في سائر الحقوق......... ولا يثبت بشهادة =

گالی دینا

سوال [۶۴۷۶]: ہماری برادری میں ایک شادی غیر شرعی رسوم اور ڈھول باجوں کے ساتھ ہوئی، اب ایسے رشتہ کی وجہ سے چار بھائی: محمد بشیر، گلاب الدین، عبدالخالق، محمد صادق ولد ناصر الدین ایک دوسرے کو گالی گلوچ ماں باپ کی دیتے ہیں۔ ان میں سرفہرست ہیں: محمد صادق گالی دیتا ہے عبدالخالق کی بیوی کو، عبدالخالق گالی دیتا ہے محمد صادق کی بیوی کو۔ گلاب الدین کی روایت ہے کہ میں ان سب کا بڑا بھائی ہوں جو کہ باپ کی جگہ ہے۔ ماسٹر محمد بشیر صاحب جب کوئی بات کہتا ہے تو کہتا ہے کہ تیرے منہ میں پیشاب کروں۔ لہذا ایسے آدمیوں کے لئے قرآن وحدیث میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گالی دینا اور کسی کی بیوی پر بہتان لگانا خاص کر بڑے بھائی کو گالی دینا شرعاً نہایت بُرا ہے، اس کی معافی تلافی ضروری ہے(۱)، آئندہ کو پورا پرہیز کریں۔ احادیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے(۲)۔

= النساء مع الرجال، ولا بالشهادة على الشهادة، ولا بكتاب القاضي إلى القاضي" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير: ۲/۱۶۰، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۴/۴۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف: ۵/۴۹، رشيدية)

(۱) "وأما إذا كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم . . . أما إذا قال بهتاناً بأن لم يكن ذلك فيه، فإنه يحتاج إلى التوبة في ثلاثة مواضع: أحدها: أن يرجع إلى القوم الذين تكلم بالبهتان عندهم، فيقول: إني قد ذكرت عندكم بكذا وكذا، فاعلموا أني كنت كاذباً في ذلك. والثاني: أن يطلب إلى الذي قال عليه البهتان ويطلب الرضى منه حتى يجعله في حل منه. والثالث: أن يتوب كما ينبغي في حقوق الله تعالى". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۹، ۱۶۰، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر . . . الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر: ۱/۵۸، قديمي)

اور یہ منافق کی علامت ہے، کذا فی مسلم (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفی عنہ، معین مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۹۰ھ۔

کسی کو شیطان کہنا

سوال [۱۷۷۷]: کسی شخص کو شیطان کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی شخص شیطانی کام کرتا ہے تب بھی اس کو شیطان نہیں کہنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا شرعی قوانین عالمِ دین پر بھی لاگو ہیں؟

سوال [۱۷۷۸]: کیا عالمِ دین پر شرعِ اسلامی کے قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعِ اسلامی کے قوانین سب کے لئے ہیں، عالمِ دین مستثنیٰ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۵ھ۔

---

(۱) "عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا وعد أخلف، وإذا خاصم فجر". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان، ومن لم يتب فأولئك هم الظلمون﴾ (الحجرات: ۱۱)

وقال الحافظ عماد الدين رحمه الله تعالى: "وقوله تعالى: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب﴾: أي لا تداعوا بالألقاب، وهي التي يسوء الشخص سماعها". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۶۳، سهيل اكيڈمی لاہور)

(۳) چونکہ خطاباتِ شرعیہ کا مکلف ہر وہ شخص ہے جو عاقل بالغ ہو، اس لئے یہ احکام سب پر جاری ہیں، کما قال العلامة التفتازانی: "ولا يصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً إلى حيث يسقط عنه الأمر والنهي لعموم الخطابات الواردة —

بدعہدی کرنے والے کا حکم

سوال[۱۷۷۹]: ایسے شخص کے لئے شریعت نے کیا سزا تجویز فرمائی ہے جو کسی شرعی فیصلہ پر عمل کرنے کا عہد کرنے کے بعد بدعہدی کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عہد کرکے اس کے خلاف کرنا بلا عذر شرعی گناہ ہے(۱)، اگر عہد میں الفاظ یمین تھے تو قسم کا کفارہ بھی ادا کرے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/رجب/۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وطی بہیمہ

سوال[۱۷۸۰]: زید نے حیوان سے ارتکاب زنا کیا اور حدیث شریف میں وارد ہے: "من أتی

= في التكاليف، وإجماع المجتهدين على ذلك". (شرح العقائد النسفية، ص: ۹۶۱، مبحث: لا يبلغ ولي درجة الأنبياء، قديمي)

(وكذا في رد المحتار: ۲۵۹/۳، مطلب في معنى درويش درويشان، سعيد)

(وكذا في النبراس، اختلفوا أن نبوة النبي أفضل أم ولاية ولي، ص: ۵۶۲)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولاً﴾ الآية (سورة الإسراء: ۳۴)

"وعن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قلما خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلا قال: "لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني، ص: ۱۵، قديمي)

(۲) "وحكم اليمين بالله تعالى عند الحنث وجوب الكفارة". (فتاوى قاضي خان، كتاب الأيمان: ۲/۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأيمان، الباب الأول في تفسيرها شرعاً وركنها، الخ: ۵۲/۲، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الأيمان: ۷۰۸/۳، سعيد)

البهيمة فاقتلوه واقتلوا البهيمة"(۱)۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حیوان موطوءہ سے انتفاع وغیرہ حاصل کیا جاسکتا ہے یا نہ؟ اور زید سے بحکم شرع شریف کیا معاملہ کیا جاوے گا؟ تمام شقوں کو مبرہن بحوالہ کتب وصفحہ تحریر فرمادیں۔ اور معنی حدیث موصوف بھی واضح کیا جاوے اور حیوان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولا يحد بوطء بهيمة بل يعزر وتذبح ثم تحرق، ويكره الانتفاع بها حية وميتة، مجتبى. وفي النهر: الظاهر أنه يطالب ندباً لقولهم: تضمن بالقيمة، اهـ". در مختار(۲)۔

"وما روي عن عمر رضي الله تعالى عنه أنه أتي برجل وقع على بهيمة، فعزر الرجل وأمر بالبهيمة فأحرقت، كان لقطع التحدث به؛ لأنه ما دامت باقية يتحدث الناس به، فيتعيرون بذلك، لا لأن الإحراق واجب. ثم إن كانت الدابة مما لا يؤكل لحمها تذبح وتحرق، لما ذكرنا، وإن كانت مما يؤكل لحمها تذبح وتؤكل عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا: تحرق هذه أيضاً. هذا إن كانت البهيمة للفاعل، وإن كانت لغيره يطالب صاحبها أن يدفعها إليه بقيمتها، ثم تذبح، هكذا ذكروا، ولا يعرف ذلك إلا سماعاً فيحمل عليه" اهـ. زيلعي(۳)۔

---

(۱) (سنن أبي داؤد، كتاب الحدود، باب من أتى البهيمة: ۲/۲۴۵، امدادیه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۴/۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵/۲۸، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵/۲۶۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) (تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۳/۵۸۰، دار الكتب بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۳/۱۴۰، رشيديه)

"قال الإتقاني: وقال شمس الأئمة السرخسي: الإحراق جائز وليس بواجب، فإن كانت الدابة مما يؤكل لحمها، تذبح وتؤكل ولا تحرق بالنار على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: تحرق بالنار، اهـ". شلبي(۱)۔

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ زید پر حدِ زنا تو واجب نہیں، البتہ مستحق تعزیر ہے، حیوان مذکور اگر ماکول اللحم ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ذبح کرنا اور کھانا شرعاً درست ہے۔ اگر غیر ماکول اللحم ہے اور وہ خود زید کا ہے تو زید کو چاہئے کہ اس کو ذبح کرکے جلادے لیکن یہ جلانا واجب نہیں بلکہ جائز یا مستحب ہے، جس کی بعض مصالح زیلعی سے منقول ہوئی ہیں۔ اگر زید کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے تو اس سے قیمت لے کر جلادے اور اس مالک پر جبر کرنا درست نہیں، بلکہ مالک کو مستحب ہے کہ زید کو دیدے۔

حدیث مذکور کی شرح میں لکھا ہے:

"قيل: إنما أمر بقتلها لئلا يتولد منه حيوان على صورة إنسان أو إنسان على صورة حيوان. وقيل: كراهية أن يلحق صاحبها خزي في إبقائها. وقيل: يقتل و يحرق. وذهب الأئمة الأربعة أن من أتى بهيمةً يعزر و لا يقتل، والحديث محمول على الزجر والتشديد، اهـ". بذل المجهود شرح أبي داود شريف: ۵/۱۵۳(۲)۔

"قال صاحب العناية: وما روي أن "من أتى بهيمة فاقتلوه" شاذٌ، و لو ثبت فتأويله: مستحل ذلك الفعل. وقال ابن الهمام بعد الكلام على تضعيف الحديث: وضعفه أبو داود بطريق آخر، وهو أنه روى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما موقوفاً عليه: "ليس على الذي

=(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۴/۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق لابن نجيم، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۵/۲۸، رشيديه)

(۱) (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۳/۶۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (بذل المجهود، كتاب الحدود، باب فيمن أتى بهيمة: ۵/۱۵۳، معهد الخليل الإسلامي كراتشي)

أتى البهيمة حدّ" وهو الذي روي عنه الرفع عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بقتلها، وصحّ أن يرفع عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم القتل ثم يخالفه. وكذا أخرجه الترمذي، والنسائي، وقال الترمذي: هذا أصح من الأول". الكوكب الدري: ۱/ ۵۰۴(۱)۔ فقط

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

بیوی سے وطی فی الدبر کی سزا

سوال [۱۱۸۶۷]: ایک شخص نے اپنی منکوحہ بالغہ اور زوجہ کی بہن نابالغہ سے اغلام کا قبیح گناہ کیا تو اس کی سزا کیا ہے (لیکن قانون سرکاری کی رو سے باہر ہو) نکاح بھی فوت گیا یا نہیں؟ اس گندے فعل کے کرنے اور تائب ہونے کے دو سال بعد یہ نکاح کس طرح سے ہو سکتا ہے؟ دوسرے مرد سے نکاح ہو سکتا ہے یا اسی شوہر سے نکاح درست ہے؟ ایسی صورت میں طلاق کا حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں، آیا طلاق پڑ جائے گی یا نہیں: شوہر و زوجہ و سالی تینوں سزا کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اور تائب ہونے کی صورت میں سزائے عقبیٰ سے محفوظ رہنے کی کیا شکل ہے؟

احقر محمد ایوب خان افغانی، مورخہ ۱۳/ جنوری/ ۱۹۳۵ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کی سزا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک "امام" یعنی حاکم وقت کی رائے پر ہے کہ خواہ اس کو حبس دوام کی سزا دیدے، خواہ کوڑے لگائے، خواہ کسی بلند جگہ سے گرا کر اس پر پتھر مارے، خواہ اس کے اوپر دیوار گرا دے، خواہ اس کو آگ میں جلا دے۔ اور اگر یہ فعل اس کی عادت بن گیا ہو تو اس کو قتل کر ڈالے۔ نابالغہ پر سزا کچھ نہیں، البتہ ایسے فعل سے بچنا ضروری ہے۔ اور زوجہ نے اگر خوشی سے یہ فعل کرایا ہے، یا باوجود قدرت

(۱) (الكوكب الدري، باب المرأة استكرهت على الزنا: ۲/ ۵۰۳، ۵۰۴، إدارة القرآن كراچي)

کے اس سے بچنے کی کوشش نہیں کی تو اس کی بھی یہی سزا ہے۔ اگر اس کے ساتھ جبراً ایسا کیا گیا ہے تو پھر اس کے لئے یہ سزا نہیں۔

اس سے نکاح ختم نہیں ہوتا، بلکہ بدستور باقی ہے، اگر طلاق دیدے گا تو بعد عدت دوسرے شخص سے نکاح درست ہوگا، ورنہ دوسرے سے نکاح درست نہیں (۱)۔ صدقِ دل سے توبہ کر لینے کے بعد سزائے حقیقی سے محفوظ رہنے کی توقع ہے (۲)۔

"(لا يحد) بوطء دبر، وقالا: إن فعل في الأجانب حُدّ، وإن في عبده أو أمته أو زوجته فلا حد إجماعاً، بل يعزر. قال: في الدرر بنحو الإحراق بالنار وهدم الجدار أو التنكيس من محل مرتفع باتباع الأحجار. وفي الحاوي: والجلد أصح. وفي الفتح: يعزر ويسجن حتى يموت أو يتوب. ولو اعتاد اللواطة، قتله الإمام سياسةً. قلت: وفي النهر معزياً للبحر: التقييد بالإمام يفهم أن القاضي ليس له الحكم بالسياسة". درمختار، ص: ۲۴۰ (۳)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهتكم ...... والمحصنت من النساء﴾ الآية (النساء: ۲۳، ۲۴)

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط أن لا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ (سورة النساء: ۱۱۰)

وقال الله تعالیٰ: ﴿إلا من تاب وآمن وعمل صالحاً، فأولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون شيئاً﴾. (سورة مريم: ۶۰)

"وعن علي رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إن الله يحب العبد المؤمن المفتّن التواب" ...... وقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكاة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۴/۲۶، ۲۷، سعيد) —

یہ سزا شرعی قانون کی رو سے ہے، اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اس سزا کو جاری نہ کیا جاسکتا ہو تو پھر ایسے شخص سے تعلقات ترک کئے جائیں تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۰/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/شوال/۵۳ھ۔

بدچلنی سے روکنے کے لئے کسی عضو کو معطل کردینا

سوال[۱۲۸۲]: ایک شریف خاندان کی لڑکی آوارہ اور سخت بدچلن ہوگئی ہے، بہر چند روک تھام کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کسی دوا سے یا کسی عمل سے لڑکی مذکورہ کے جسم کے کسی حصہ کو بے حس وحرکت بنادینا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوال بہت مجمل ہے جس سے صاف طور پر مطلب حل نہیں ہوتا، اگر یہ مقصود ہے کہ کسی عضو کو معطل کردیا جائے یا قطع کردیا جائے تاکہ اس کی بدچلنی موقوف ہوجائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں، حضور اکرم صلی اللہ

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۲۴۲/۵، ۲۶۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبه: ۱۳۹/۳، ۱۴۰، إمداديه ملتان)

(۱) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوق ذلك إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك، .... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ماينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۸/۵۸۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالى، كتاب الآداب، باب مايجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبة الرشد الرياض)

تعالیٰ علیہ وسلم نے اختصاء کی اجازت نہیں دی: "وأما خصاء الآدمي فحرام، اھ". درمختار: ۵/۲۷۵(۱)۔

"عن أبي هريرة قال: قلت: يا رسول الله! -صلى الله تعالى عليه وسلم- إني رجل شاب، وأنا أخاف على نفسي العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء - كأنه يستأذنه في الاختصاء-، قال: فسكت عني، ثم قلت: مثل ذلك، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "يا أبا هريرة! جف القلم بما أنت لاق، فاختص على ذلك أو ذر". رواه البخاري، اھ". مشکوٰۃ، ص: ۲۰(۲)۔

"قوله: "فاختص على ذلك أو ذر" ليس هذا إذناً في الاختصاء بل توبيخ ولوم على الاستئذان في قطع عضو بلا فائدة، اھ". مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ، ص: ۲۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

غیر مسلم کے ساتھ کھانا کھانے کی سزا

سوال [۶۷۸۳]: ہم لوگ کرنیٹر میں کام کرنے گئے تھے۔ ایک روز چند مسلمانوں اور غیر مسلموں نے مل کر کھانا کھایا، میں نے پہلے کھایا۔ بعد میں سب نے کہا کہ یہ تو چماروں کا کھانا تھا۔ میری برادری نے حقہ

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۸۸، سعید)

"ويكره الخصاء في بني آدم". (فتاوى قاضي خان، كتاب الكراهية، فصل في الختان: ۳/۴۰۹، رشیدیہ)

"ويكره استخدام الخصيان؛ لأن الرغبة في استخدامهم حث الناس على هذا الصنيع، وهو مثلة محرم". (الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة: ۴/۴۷۳، إمدادیہ ملتان)

(وكذا في الفتاوى البزازية، كتاب الكراهية، التاسع في المتفرقات: ۶/۳۷۲، رشیدیہ)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، ص: ۲۰، قدیمی)

(۳) (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، (رقم الحديث: ۸۸): ۱/۲۷۸، رشیدیہ)

بول چال بند کردیا ہے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ جماعت میں ہیں، میرا ایمان باقی رہا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اس ناواقفیت کی بنا پر اگر خدانخواستہ کوئی بات زبان سے نکل گئی تب بھی ایمان ختم نہیں ہوتا (۱) ہاں معلوم ہونے پر توبہ استغفار کرے (۲)۔ اگر ناچ گانے سے باز نہیں تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ برادری کو چاہیے کہ حقہ پانی بند نہ کرے بلکہ بااکرام اپنے ساتھ رکھے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۵ھ۔

---

(۱) اس لئے کہ ایمان کے ختم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی ایسے کلام یا فعل کا قصداً و ارادۃً صدور ہو، جب تک یہ یقین نہ ہو کہ کلمۂ کفر صادر ہوا ہے اس وقت تک ایمان کے سلب ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا خصوصاً اس کی صورت میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

"وفي جامع الفصولين: روى الطحاوي عن أصحابنا: لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه، ثم ما تيقن أنه ردة يحكم بها، وما يشك أنه ردة لا يحكم بها، إذ الإسلام الثابت لا يزول بشك مع أن الإسلام يعلو. وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر" (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۱۰، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يٰأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا﴾ (سورة التحريم: ۸)

"إن لها ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم على أن لا يعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم. واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، لا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة" (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۲۸/۱۵۸، ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شيء﴾ (سورة الأنعام: ۵۲)

عن أبي أيوب الأنصاري قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". متفق عليه ـ

اغوا کرنے والے کی سزا برادری سے ترک تعلق

سوال [۶۷۸۴]: **الاستفتاء**: شکر اللہ کی بیوی کو ممتاز علی درزی نے بھگا لیا، یعنی تین دن ادھر ادھر بھاگا پھرا۔ جب یہ لوگ گھر واپس آئے تو شکر اللہ نے زوجہ کو طلاق دیدی۔ عدت کے بعد ممتاز علی نے اس عورت سے اپنا نکاح پڑھوالیا۔ اب جولاہے کے چودھری نے گاؤں کے تمام مسلمانوں کو منع کر دیا کہ تمام درزیوں سے کوئی بات چیت نہ کرے، سلام دعا تک بند کرادی۔ صحیح راستہ پر کون ہے اور میں کس کے ساتھ رہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے کی عورت کو بھگا لیجانا اور عورت کا غیر مرد کے ساتھ بھاگ جانا عقلاً وعرفاً سخت معیوب اور شرعاً سخت گناہ اور معصیت ہے (۱)۔ شکر اللہ نے اس کو طلاق دیدی، اچھا کیا (۲)، بعد عدت ممتاز علی درزی نے اس سے نکاح کرلیا تو وہ جائز ہوگیا (۳)۔ اب جولاہوں کے چودھری کا حکم کہ درزی لوگوں سے کوئی بات چیت نہ

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول: ۲/۴۲۷، قديمي)

(۱) "لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا يخلون رجل بامرأة ليس منها بسبيل، فإن ثالثهما الشيطان" والمراد إذا لم تكن محرماً". (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في النظر واللمس: ۸/۳۵۶، رشيديه)

"الخلوة بالأجنبية حرام". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۸، سعيد)

(۲) "وإيقاعه مباح ... بل يستحب لو مؤذية". (الدر المختار). "(قوله: مؤذية) أطلقه فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها". (رد المحتار، كتاب الطلاق، قبيل مطلب: طلاق الدور: ۳/۲۲۷-۲۲۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۰۲، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق: ۲/۳۱۰، إمداديه ملتان)

(۳) "ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير عند الكل". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل الثامن في بيان ما يجوز من الأنكحة وما لا يجوز: ۳/۸، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۲/۴۸۶، إمداديه ملتان)

کرے، غلط ہے، تو مودودیوں کی کیا خطا ہے، جس نے ناجائز کام کیا اس کی خطا تھی، اس سے تعلقات ترک کرنے کا حکم نہیں رہا، جب اس نے شریعت کے موافق نکاح پڑھا لیا تب حکم دیا وہ بھی سب سے ترک تعلقات کا، اس لئے یہ حکم غلط ہے، چودھری کو چاہئے کہ اپنا یہ حکم واپس لے لے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلموں سے تعلق رکھنے پر ترک تعلق کی سزا

سوال[۵۹۷۶]: ایسے مسلمانوں کے ساتھ جو غیر مسلموں کے ہر ایک کام میں حصہ لیتے ہیں یا حصہ لے رہے ہیں، کیا ان کے ساتھ ترک تعلقات کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ خوشی سے ان کاموں میں حصہ لیتے ہیں تو ان کو سمجھایا جائے کہ کتنی خطرناک بات ہے، مگر ہر شخص خود سمجھانے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۳۹، رشيدية)

(۱) چونکہ ترک تعلق اس شخص سے کیا جاتا ہے جو کہ شرعاً مجرم ہو، لیکن یہاں سب لوگ مجرم نہیں، لہٰذا سب سے ترک تعلق درست نہیں

"عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، الخ". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، ص: ۴۲۷، قديمي)

"قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوق ذلك إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ..... فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۸/۷۵۸، رشيدية)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الآداب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالى، كتاب الآداب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۴، مكتبة الرشد الرياض)

کا ارادہ نہ کرے بلکہ کسی بزرگ یا عالم کے ذریعہ فہمائش کرادی جائے۔ آج کل عموماً ترکِ تعلقات سے اصلاح نہیں ہوتی نہ اس کا فائدہ ہوتا ہے، بلکہ آہستہ آہستہ لوگ ملنا شروع کردیتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ترکِ تعلق کرنے والوں ہی سے لوگ کٹ جاتے ہیں، ہاں! اگر کسی جگہ اصلاح مظنون ہو تو ترکِ تعلق کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۸/۹۰ھ۔

بیوی کو خطا پر سزا دینا

سوال[۱۰۷۶۹]: اپنی بیوی کو کس کس کام کے لئے مارنا جائز ہے اور کس جگہ جائز ہے اور کس جگہ ناجائز ہے؟ اگر مارے تو شریعت شریف میں کیا حکم ہے؟ مرد اپنی بیوی سے کیا کیا خدمت لے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زوجہ اپنے شوہر کی بے حرمتی کرے، یا کسی اجنبی کے سامنے چہرہ کھولے اور اس سے ہنسی مذاق کرے، یا چھوٹے بچے کو رونے کی وجہ سے مارے، یا شوہر کے حقوق میں حکم عدولی کرے، یا کوئی ایسا گناہ کرے جس پر شرعاً حد مقرر نہیں ہے، تو ان سب صورتوں میں مارنا جائز ہے، اور جب شوہر ناحق مارے گا تو گنہگار ہوگا، والبسط فی البحر(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم۔

---

(۱) (راجع، ص: ۱۲۴، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "ويلحق بذلك ما إذا ضربت ولدها الصغير عند بكائه أو ضربت جارية زوجها غيرةً و لا تتعظ بوعظه، فله ضربها، كذا في القنية. و ينبغي أن يلحق به ما إذا ضربت الولد الذي لا يعقل عند بكائه، لأن ضرب الدابة إذا كان ممنوعاً، فهذا أولى. ومنه ما إذا جننته، أو مزقت ثيابه، أو أخذت لحيته، أو قالت له: يا حمار، يا أبله، أو لعنته، سواء شتمها أو لا على قول العامة. ومنه ما إذا شتمت أجنبياً. و منه إذا كشفت وجهها لغير محرم، أو كلمت أجنبياً، أو تكلمت عمداً مع الزوج، أو شاغبت معه ليسمع صوتها الأجنبي. . . . ومنه ما إذا ادعت عليه . . . . والمعنى الجامع للكل أنها إذا ارتكبت معصية ليس =

شوہر کو حقِ تعزیر

سوال[۱۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مولوی اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے بہشتی زیور میں بچہ کو دودھ پلانا عورت پر واجب کہتے ہیں اور عورت کے انکار پر مرد کو جبر کرنے کا حکم نہیں تو اس لئے جب واجب پر جبر کرنے کا حکم نہیں؟ تو نماز، روزہ فرض ہے اس پر عمل کرانے میں کیا حکم ہے اور عورت کہنے سے عمل نہ کرے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں عبارتیں بحوالہ صحیح ہیں، تعزیر کریں۔ نماز، روزہ اگر ترک کرے تو مرد کو حق ہے کہ اس کو مناسب سزا دے، ایسے ہی ہر معصیت پر جس میں کہ حد مقرر نہیں، کذا فی البحر الرائق: ۵/۵۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بچوں کو تادیباً مارنا

سوال[۱۷۸۸]: بچوں کو جو حضرات تعلیم دیتے ہیں وہ ان کو مارتے بھی ہیں، مرغا بناتے ہیں تو اس

= فيها حدٌّ مقدر، فإن للزوج أن يعزرها، اهـ. ... إذا ضربها بغير حق، وجب عليه التعزير". (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۸۲، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، ۴/۷۷، ۷۸، ۷۹، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۷۲، ۱۷۳، رشيدية)

(۱) "وظهر به أيضاً أن له ضربها في أربعة مواضع، لكن وقع الاختلاف في جواز ضربها على ترك الصلاة، فذكر هنا تبعاً لكثير أنه يجوز ..... إذا ارتكبت معصية ليس فيها حد مقدر، فإن للزوج أن يعزرها، اهـ. ... إذا ضربها بغير حق، وجب عليه التعزير" (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۸۲، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، ۴/۷۸، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۷۲، رشيدية)

"ويجب في جناية ليست موجبة للحد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، رشيدية)

میں کس قدر گنجائش ہے اور اگر کسی کو مار، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بے خطا ہے تو کیا صورت تلافی کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں کے اولیاء کی اجازت سے بضرورتِ تعلیم مارنا، سزا دینا شرعاً درست ہے، مگر بچوں کے تحمل سے زائد نہیں، یک دفعہ میں تین ضربات سے زیادہ نہ مارے، لکڑی وغیرہ سے نہ مارے، کذا فی رد المحتار: ۵/۴۴۵، قبیل باحیاء الموات (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ربیع الاول/۶۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ربیع الاول/۶۲ھ۔

بچوں کو سزا دینے کی حد

سوال [۶۹۹۱]: بہت سے اساتذہ لکڑی سے مارتے ہیں اور بعض حضرات تو بڑی بے دردی سے مارتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(هي فرض عين على كل مكلف ...... (و) يجب (ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة) لحديث: "مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر" اهـ". درمختار. قال الشامي في (قوله: بيد). "أي ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها، قال عليه السلام لمرداس المعلم: "إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت

(۱) "أما المعلم فله ضربه؛ لأن المأمور يضربه نيابة عن الأب لمصلحته، والمعلم يضربه بحكم الملك بتمليك أبيه لمصلحة الولد. ..... والنقل في كتاب الصلاة يضرب الصغير باليد لا بالخشبة، ولا يزيد على ثلاث ضربات". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۳۰، سعيد)

قال العلامة الطحطاوي رحمه الله تعالى: "يجوز للمعلم أن يضربه بإذن أبيه نحو ثلاث ضربات ضرباً وسطاً سليماً ...... لا بخشبة؛ فلأن الضرب بها ورد في جناية صادرة عن المكلف ولا جناية عن الصغير". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/۱۷۴، دار المعرفة بيروت)

میں استاذ اگر اپنے شاگرد کو نیک نیتی سے اور اس کی خیرخواہی کی خاطر اور اس کی اصلاح کی خاطر اور اس کو سبق یاد ہونے کی خاطر اور طالب علم اپنی شرارت سے باز آنے کی خاطر اپنے شاگرد کو تین چھڑی سے زائد مارے تو کیا یہ جور و ظلم ہوگا اور عنداللہ ظالم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹے بچوں کو بغیر چھڑی وغیرہ کے صرف ہاتھ سے وہ بھی ان کے تحمل کے موافق تین چپت تک مار سکتا ہے، وہ بھی سر اور چہرہ کو چھوڑ کر یعنی گردن اور کمر پر، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، ورنہ بچے قیامت میں قصاص لیں گے۔ بچوں پر نرمی اور شفقت کی جائے۔ اب پٹنے کا زور تقریباً ختم ہوگیا، اس کے اثرات اچھے نہیں ہوتے۔ بچے بے حیا اور نڈر ہو جاتے ہیں، مار کھانے کے عادی ہو کر پڑھتے نہیں کرتے، بلکہ اکثر تو پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ شامی میں یہ مسئلہ مذکور ہے، اس سلسلہ میں حدیث بھی نقل کی ہے (1)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۹۲ھ۔

(۱) "(وهي فرض عين على كل مكلف ...) وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة لحديث: "مروا أولادكم بالصلوة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر" اهـ". (الدر المختار) قال الشامي في (قوله: بيد) "أي ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها، قال عليه السلام لمرداس المعلم: "إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت فوق الثلاث، اقتص الله منك، اهـ". وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلوة أيضاً. (قوله: لا بخشبة): أي عصا، ومقتضى (قوله: بيد) أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها ومن السوط، أفاده ط. (قوله: لحديث، الخ) استدلال على الضرب المطلق، وأما كونه لا بخشبة، فلأن الضرب بها ورد في جناية المكلف. اهـ". (رد المحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، كتاب الصلوة، سعيد)

(وأيضاً راجع باب التعزير، كتاب الحدود: ۴/۳۰، فصل في البيع، قبيل كتاب إحياء الموات، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، كتاب الصلوة: ۱/۱۷۰، دار المعرفة بيروت)

شرک وبدعت کی سزا

سوال [۶۷۹۲]: جان بوجھ کر شرک وبدعت کرنے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ جوابات مع حوالہ قول نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سند ونص صریح سے عنایت فرمائیں۔ تعزیہ کے منع کرنے پر جواب دیتے ہیں کہ یہ اگرچہ منع ہے مگر باپ دادا کے وقت سے ہوتا آرہا ہے، کیسے چھوڑا جائے، چھوڑنے پر لوگ ندامت بنائیں گے اور باپ دادا کا نام مٹ جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرک سب سے بڑا گناہ ہے(۱)، اس کی عدمِ مغفرت کی قرآن کریم میں وعید ہے(۲)، اگر اسلامی حکومت ہو اور کوئی مسلمان شرک یا کفر کرے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہوجائے اور توبہ نہ کرے بلکہ اپنے ارتداد پر باوجود فہمائش کے مصر رہے تو حکومتِ اسلامی اس کو قتل کرادے گی۔ اور بدعت اگر شرک وکفر تک نہ پہونچی ہو تو اس کے مرتکب کو تعزیر کرے گی۔ اب جب کہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ دشوار ہے تو مشرک سے بالکل تعلق قطع کر دیا جائے، رشتہ داری، سلام کلام، میل جول سب کچھ اس سے ترک کردیا جائے،

لقوله تعالیٰ: ﴿فأعرض عمن تولی عن ذکرنا﴾ الآیة(۳)۔

ولقوله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوکم أولیاء تلقون إلیهم بالمودة وقد کفروا بما جاءکم من الحق﴾ الآیة(۴)۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الشرک لظلم عظیم﴾ الآیة (سورة لقمان: ۱۳)

"عن أبي هریرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "اجتنبوا السبع الموبقات". قالوا: یا رسول الله! وما هن؟ قال: "الشرک بالله" الخ". (مشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، باب الکبائر وعلامات النفاق، ص: ۱۷، قدیمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن الله لا یغفر أن یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ (النساء: ۴۸)

(۳) (سورة النجم: ۲۹)

(۴) (سورة الممتحنة: ۱)

"عن الحسن رحمه الله تعالیٰ: لا تجالس صاحب هوی فیقذف في قلبک ما تتبعه علیه =

حدیث شریف میں آتا ہے: "من بدل دینه، فاقتلوه". رواه البخاري(۱)۔

بحر الرائق میں ہے: "يعرض الإسلام على المرتد، وتكشف شبهته، ويحبس ثلثة أيام، فإن أسلم، وإلا قتل"۔ بحر: ۱۲۵/۵ (۲)۔ "وكل مرتكب معصية لا حد فيها، فيها التعزير".

درمختار: ۲۸۱/۳ (۳)۔

اور بدعتی سے بھی قطع تعلق کردیا جائے تاکہ وہ تنگ آکر توبہ کرلے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/ جمادی الاولیٰ/۳۴ھ۔　سعید احمد غفرلہ۔

= فتهلكك، أو تجالسه فيمرض قلبك . . . عن أبي قلابة: لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم، فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم . . . ما ابتدع رجل بدعة إلا استحل السيف . . . وعن إبراهيم: لا تكلموهم، إني أخاف أن ترتد قلوبكم . . . وعن يحيى بن أبي كثير قال: إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في طريق آخر". (الاعتصام للشاطبي، باب في ذم البدع وسوء منقلب أصحابها، ص: ۶۵-۶۶، دار المعرفة بيروت)

(۱) (صحيح البخاري، كتاب استتابة المعاندين والمرتدين، باب حكم المرتد والمرتدة: ۱۰۲۳/۲، قديمي)

(۲) (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۱۰/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الجهاد، باب المرتد: ۲۲۵/۴-۲۲۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين: ۲۵۳/۲، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۴۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۴) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوق ذلك، إلا إذا كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك . . . فإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشيديه)

= . . . .

انتقام کی صورت

سوال[۶۷۵۳]: بدلہ لینا بموجب تفسیر بیان القرآن صرف زبانی الفاظ سے ہے(۱)، یا دستی زدوکوب سے بھی جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظالم نے زبان سے کچھ کہا تو اس کا انتقام زبان سے درست ہے بشرطیکہ وہ لفظ کہنا حرام نہ ہو، مثلاً کسی نے ماں باپ کی گالی دی اور زانی کہا تو اس کے عوض میں اس کے ماں باپ کو زانی کہنا درست نہیں، مگر اس نے کاذب کہا اور واقع میں وہ کاذب نہیں ہیں تو عوض میں اس کو بھی کاذب کہنا درست نہیں (۲)۔ اگر ہاتھ سے ظلم کیا ہے تو اس کو بھی اسی طرح اتنی قدر ہاتھ سے بھی انتقام درست ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۲/۶۰ھ۔

—(وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۶۰۹، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالى، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۲، مكتبة الرشد الرياض)

(۱) (بيان القرآن، تحت قوله تعالى: ﴿وجزاء سيئة﴾ الخ، سورة الشورى: ۳/۲۲۵، مركز أشرف العلوم ديوبند)

(۲) قال العلامة القرطبي رحمه الله تحت قوله تعالى: ﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها﴾: "هذا في المجروح ينتقم من الجارح بالقصاص دون غيره من سب أو شتم ..... وإذا قال: أخزاه الله أو لعنه الله أن يقول مثله، ولا يقابل القذف بقذف ولا الكذب بكذب ..... وسمي الجزاء سيئة لأنه في مقابلتها، فالأول ساءه هذا في مال أو بدن، وهذا الاقتصاص يسوءه بمثل ذلك أيضاً". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۶/۲۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التفسير المظهري: ۸/۳۴۲، حافظ كتب خانه كوئته)

(وبيان القرآن: ۳/۲۲۵، مركز أشرف العلوم ديوبند)

(۳) "والمعنى أنه يجب إذا قوبلت الإساءة أن تقابل بمثلها من غير زيادة". (تفسير المدارك: ۴/۳۱۵، قديمي)

انتقام کی صورت

سوال [۶۷۰۴]: وہ کون سا گناہ ہے جو برابر کا بدلہ لیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مثلاً کسی نے آپ کا ایک روپیہ چھین لیا تو آپ بھی اس کا کسی طرح ایک روپیہ وصول کر لیجئے اگر چہ اس میں تعریضاً کذب کی نوبت آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۶۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (راجع للبسط التفسیر الخازن: ۴/۱۰۵، حافظ کتب خانہ)

(والتفسیر المظہری: ۸/۳۲۹، حافظ کتب خانہ)

(۱) "استدل الشافعی رحمہ اللہ بحدیث الباب علی مذھبہ فی أن الدائن إن ظفر بشيء من مال المدیون المماطل، جاز لہ استیفاء دینہ من ذلک المال، سواء کان المال من جنس حقہ، أو غیرہ .... غیر أن المتأخرین من الحنفیۃ أفتوا فی ھذہ المسألۃ بمذھب الشافعي". (تکملۃ فتح الملھم، کتاب الأقضیۃ، باب القضیۃ ھند: ۲/۵۶۸، دار العلوم کراچی)

"وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس للمجانسۃ فی المالیۃ". (الدر المختار). قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "(قولہ: وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس): أی من النقود أو العروض؛ لأن النقود یجوز أخذھا عندنا علی ما قررناہ آنفاً.

وقال القھستاني: وفیہ إیماء إلی أن لہ أن یأخذ من خلاف جنسہ عند المجانسۃ فی المالیۃ، وھذا أوسع، فیجوز الأخذ بہ وإن لم یکن مذھبنا، فإن الإنسان یعذر فی العمل بہ عند الضرورۃ کما فی الزاھدي ...... والفتوی الیوم علی جواز الأخذ عند القدرۃ من أی مال کان لا سیما فی دیارنا لمداومتھم للعقوق".

عفاء علی ھذا الزمان فإنہ   زمان عقوق لا زمان حقوق

وکل رفیق فیہ غیر مرافق   وکل صدیق فیہ غیر صدوق

(رد المحتار، کتاب الحدود، مطلب: یعذر بالعمل بمذھب الغیر عند الضرورۃ: ۴/۹۵، سعید)

(والجامع لأحکام القرآن للقرطبي رحمہ اللہ: ۱۶/۲۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

فصل في التعزير بأخذ المال

(مال سے تعزیر دینے کا بیان)

گناہ پر مالی جرمانہ

سوال[۶۷۹۵]: اگر کسی مسلمان سے گناہ کبیرہ یا صغیرہ صادر ہوجائے تو توبہ شرعی کے بجائے تاوان یا جرمانہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ جرمانہ شریعت کے اندر ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح احادیث نبویہ وقدسیہ وکتب فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کے اندر جرمانہ نہیں، بلکہ گناہ کی جزا صرف توبہ اور قصاص کے بدلہ قصاص ہے۔ اور اگر کسی کو توبہ کے بجائے جرمانہ عائد کیا جائے، مثلاً: کسی نے زنا کیا، یا نماز وغیرہ کو ترک کردیا تو ایسے فاسق آدمی پر جرمانہ عائد کیا جائے بدون توبہ شرعی کے تو اس جرمانہ کے روپیہ کو کہاں خرچ کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر اپنے ماتحت پر گناہوں کی وجہ سے حسب حال کی جاسکتی ہے(۱)۔ مالی جرمانہ درست نہیں، ابتدا میں مالی جرمانہ تھا، پھر منسوخ ہوگیا:

---

(۱) "(و) التعزير (ليس فيه تقدير بل هو مفوض إلى رأي القاضي)، لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس فيه مختلفة . . . وكل مرتكب معصية لا حد فيها، فيها التعزير (يعزر المولى عبده والزوج زوجته) . . . (والأب يعزر الابن) . . . فللولي ضرب ابن سبع على الصلاة . . . وله ضرب اليتيم فيما يضرب ولده". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۲، ۷۶، ۷۷، ۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، ۷۱، ۸۲، ۸۴، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، رشيديه)

"في المجتبى: كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ، الخ". درمختار۔ "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، الخ". شامی(۱)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه". کو ناسخ بتایا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مالی جرمانہ لینا اور اس کو مسجد میں صرف کرنا

سوال[۶۷۹۶]: ایک برادری میں چند قوانین مقرر ہیں اور وہ ان کی خلاف ورزی سے سیاسۃً بطور جرمانہ کچھ رقم وصول کرتے ہیں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رقمِ مذکورہ کو مصارفِ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سوال تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذہب معتمد علیہ یہ ہے کہ ایسا جرمانہ ناجائز ہے، اگر کچھ رقم بطورِ جرمانہ وصول کر لی ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں:

"قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ المال للناس فيما يأكلون، اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴-۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۹۵/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) لم أظفر على مأخذه

بنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ. اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" اهـ. رد المحتار: ۲۷۶/۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الثانیہ/۶۰ھ۔

مالی جرمانہ

سوال [۶۷۸۱]: کیا تعزیر باخذ المال جائز ہے؟ اور "یعزر کل مرتکب منکر الخ" سے کون سی تعزیر مراد ہے، مالی یا بدنی؟ کیا مالک کے تو شخص کو تعزیر کے طریقہ پر کچھ روپے لینے کا اختیار ہے؟ ہمارے یہاں پر معمول ہے کہ اگر کسی سے کوئی حرکت خلاف ہو جائے تو مولوی یا سیدوں کو تعزیر لگاتے ہیں، مثلاً ایک صدی روٹی یا روٹی مقرر کر کے اس کے حساب سے نقد دام وصول کر کے یا تو بذات خود خرچ کر دیتے ہیں یا کسی کتب مدرسہ میں داخل کر دیتے ہیں اور سوائے اس کے اور کوئی طریقہ ان کے لئے چارہ کار نہیں ہو سکتا۔ اگر تعزیر مالی ختم ہو جائے تو بہت کم عبرت ہوتی ہے۔ کیا طریقہ مستوجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر کے متعلق درمختار میں ہے: "لا بأخذ مال في المذهب، بحر" یعنی تعزیر ضرب، حبس، عتاب، اذن وغیرہ سے ہے، تعزیر باخذ المال جائز نہیں۔ آگے فرماتے ہیں: "وفيه عن البزازية: وقيل يجوز

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴۱۰/۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، رشيدية)

ومعناه أن يمسكه مدةً لينزجر، ثم يعيده له، فإن أيس عن توبته صرفه إلى ما يرى. وفي المجتبى: أنه كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ". ٤/٦١٠(١)۔

مجتبیٰ کی عبارت بتلاتی ہے کہ تعزیر باخذ المال ابتدائے اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ مقال الطحطاوی تحت قول الدر: (ثم نسخ): "لئلا يكون ذريعة إلى أخذ الظلمة أموال الناس بغير حق". ٤/١١٤(٢)۔

صرف امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرعی قاضی اور والی کے لئے تعزیر باخذ المال جائز ہے، وہ بھی جب کہ بعد توبہ مال واپس کردیا جائے، اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ۲/۱٦٧:

"عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز، كذا في فتح القدير. ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدةً لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق"(٣)۔

---

(١) (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٣/٦١، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٥/٦٨، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٣/١٩٥، رشيديه)

(٢) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٢/٤١١، دار المعرفة بيروت)

(٣) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ٢/١٦٧، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٣/١٩٥، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ٤/٦١، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ٥/٦٨، رشيديه)

اگر اس اطراف کے قاضی، سید، پیر، مولوی شرعی قاضی اور والی کا تسلط اور حکم رکھتے ہیں تو ان کے لئے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعزیر بأخذ المال جائز ہے شرعی طور پر، بشرطیکہ مرتکب فعلِ شنیع کا مال اس کے توبہ کرنے کے بعد واپس کردیں، یا اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ مال اپنے کام میں نہ لاویں بلکہ مصرف مصرفِ خیر پر خرچ کردیں (۱)، ورنہ تعزیر بأخذ المال جائز نہیں۔ قاضی شرعی کے شرائط پر نظر کرتے ہوئے ہرگز توقع نہیں کہ وہاں کے سید و پیر قاضی شرعی کا حکم رکھتے ہیں، لہٰذا تعزیر بأخذ المال ان کے لئے جائز نہیں اور تعزیر میں مال لے کر اپنے خرچ میں لانا کسی کے نزدیک کسی کے لئے جائز نہیں۔ اگر تنبیہ کی ضرورت ہو تو مقاطعہ اور ترکِ موالات سے کرنا چاہئے (۲)۔ "تو یعزر کل مرتکب منکر" کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اس سے کوئی

---

(۱) "أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي ... فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى".

(الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۱، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۹۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشيديه)

(۲) "فإن هجرة أهل الأهواء والبدع دائمة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق"

(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۹، رشيديه)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/۴۹۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالى، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/۲۷۶، مكتبة الرشد الرياض)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلا عذر شرعي: ۵/۳۵۵، ۳۵۶، مكتبة دار العلوم كراچي)

تعزیر مراد ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ۔

صحیح عبد اللطیف عفا اللہ عنہ عبد الرحمٰن عفی عنہ ۲۰/۱۱/۵۱ھ۔

مالی جرمانہ کا دینی کام میں صرف کرنا

سوال [۱۷۹۸]: زید کی بیوی اور بکر میں ناجائز تعلق پیدا ہو گیا، گاؤں والوں نے بکر پر پچھ روپیہ جرمانہ کے طور پر عائد کیا، بکر نے وہ روپیہ دیدیا، تو کیا وہ روپیہ دین کے کام میں لگایا جا سکتا ہے، مثلاً: مسجد کی تعمیر یا بچوں کے معلم کی تنخواہ میں دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالی جرمانہ درست نہیں، جس کا ہے واپس کر دیا جائے، کسی اور کام میں خرچ نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مالی جرمانہ اور اس کا مصرف

سوال [۱۷۹۹]: گاؤں میں جو پنچایت کے ذریعہ زانی، مجرم، ظالم، موذی پر جرمانہ کیا جاتا ہے، یہ جرمانہ کرنا اور تاوان لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ قیمتیں کہاں اور کن کاموں میں صرف کرنا چاہئے، یا انہی لوگوں کو واپس کر دینا چاہئے؟ اس صورت میں پنچایت کی کوئی وقعت نہیں رہے گی اور نہ کسی کو کوئی خوف دامن گیر ہوگا، بتلایئے ان لوگوں کا کیا کیا جائے جو سیدھا راستہ پر آ جائیں، پھر کسی برائی پر آمادہ نہ ہوں؟

محمد علی، مدرس اعلیٰ ٹاؤن ہال اسکول، بردوان، ۱۴/جنوری/ ۷۰ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالی جرمانہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی

---

(۱) (وقد تقدم تخریجه تحت المسئلة السابقة)

لازم ہے (۱)۔ اصلاحِ جرائم کے لئے رشد و تذکیر بڑی پختگی کی ضرورت ہے تاکہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو، جنت دوزخ کا استحضار، قبر، قیامت، حشر، حساب، کتاب، خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے تا کہ اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی رغبت ہو، ورنہ محض ترک سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ربیع الاول/ ۶۵ھ۔

مالی جرمانہ

سوال [۶۹۰۰]: مجرم پر مالی جرمانہ کرنا کیسا ہے اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالی جرمانہ شرعاً ناجائز ہے (۳)۔ اگر مجرم کے ذمہ حقوق العباد ہے تو ان کو ادا کرے یا معاف

---

(۱) (راجع ص: ۱۳۶، رقم الحاشیة: ۲)

(۲) "قال الإمام البخاري رحمه الله تعالى: "باب ما يجوز من الهجران لمن عصى". وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى: "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز، لأن عموم النهي مخصوص بمن لم يكن لهجره سبب مشروع، فتبين هنا السبب المسوغ للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۱۰/ ۴۹۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالى، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۹/ ۲۷۰، مكتبة الرشد الرياض)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/ ۷۶۸، رشيديه)

(وكذا في تكملة فتح الملهم للمفتي محمد تقي العثماني، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الهجر فوق ثلاث بلا عذر شرعي: ۵/ ۵۰۵، مكتبة دار العلوم كراتشي)

(۳) "قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما —

کرائے (۱) اور خدا کے سامنے صدقِ دل سے توبہ کرے، امید ہے کہ قصور معاف ہو جائے گا (۲)۔ اگر آئندہ بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس کو ترکِ تعلقات کی سزا دی جائے (۳)۔

= وباقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه. اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنده مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ. اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. اهـ". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/۶۱، ۶۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۲/۴۱۲، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۵۲، رشيدية)

(۱) "وإن كانت مما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالى على الخروج من عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم، أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث ..... وأما إن كانت المظالم في الأعراض كالقذف والغيبة، فيجب في التوبة فيها مع ما قدمناه في حقوق الله أن يخبر أصحابها بما قال من ذلك ويتحلل منهم الخ". (شرح الملا علي القاري على الفقه الأكبر، ص: ۱۵۸، ۱۵۹، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن يعمل سوءا أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفورا رحيما﴾ الآية (سورة النساء: ۱۱۰)

"عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له". (مشكوة المصابيح، باب الاستغفار والتوبة، الفصل الثالث، ص: ۲۰۶، قديمي)

(۳) "قال الخطابي: رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال لقلته، ولا يجوز فوق ذلك إلا إذا =

"وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ. اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (رد المحتار: ۶۱/۴، ۶۲) (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۱/۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف بقلم خود، ۷/ ذی الحجہ/ ۵۴ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال [۶۸۰۰]: قومی پنچایت میں چند ذی مرتبہ اور دیگر اشخاص نے مقرر کیا کہ جس شخص سے کوئی خطا سرزد ہو تو اس کی سزا دو پیسہ جرمانہ ہوگی۔ لہذا یہ جرمانہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالی جرمانہ ناجائز ہے (۲)، احکامِ شرعیہ کی پابندی کے لئے کوئی دوسری سزا ترکِ تعلقات وغیرہ کی دی جائے (۳)۔

"وفرك الأذن، وبالكلام العنيف، وبنظر القاضي له بوجه عبوس، وبشتم غير القذف، لا بأخذ مال في المذهب". تنوير. "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ

= كان الهجران في حق من حقوق الله، فيجوز فوق ذلك ..... لأن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع: ۷۵۸/۸، رشيديه)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۶۰۹/۱۰، قديمي)

(وكذا في شرح صحيح البخاري لابن بطال رحمه الله تعالى، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصى: ۲۷۴/۹، مكتبة الرشد الرياض)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۶۱/۴، ۶۲، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۱۴۵/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(۲) (راجع ص: ۱۳۰، رقم الحاشية:)

(۳) (راجع ص: ۱۳۰، رقم الحاشية: ۳)

المال"۔ شامی، ص: ۵/ ۲۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

ایضاً

سوال [۱۹۰۲]: یہاں پر بعض برادریوں میں ایسا ہے کہ جو کسی شخص سے تنہ مرزد ہو جاتا ہے تو اس سے کچھ روپیہ بطورِ کفارہ کے لیتے ہیں، اور اس کے اوپر یہ بھی لازم کر دیتے ہیں کہ مثلاً فلاں جامع مسجد میں پانی بھر دو، کچھ دنوں تک۔ مجھے روپے لینے پر شک تھا اور اسے تعزیر بالمال سمجھتا تھا اور تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک حرام ہے، آج ان فتاویٰ مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ تعالیٰ میں دیکھ رہا تھا تو مولانا جلد ثالث ص ۲۸ میں لکھتے ہیں "تنبیہ کے لئے یہ جرمانہ بعینہ جائز ہے"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعزیر زجر و تنبیہ ہی کے لئے ہوتی ہے، خواہ چپت مار کر ہو یا کان پکڑوا کر ہو(۳)، اسی مقصد کے لئے روپیہ لیا جاتا ہے، اس کی اجازت نہیں۔ جو سزا شریعت کی حد کی طرح متعین نہ ہو وہی تعزیر ہے(۴) اور اس سے

---

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/ ۶۲، سعید)

(وکذا فی النہر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۳/ ۱۶۴، ۱۶۵، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/ ۶۸، رشیدیہ)

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ (مترجم) مولانا عبدالحئی اللکنوی، کتاب القضاء، استفتاء نمبر: ۲، عنوان: اہل پنچایت کسی کو پنچایت سے خارج کرتے ہیں تو پھر جرمانہ لے کر اسے پنچوں میں شامل کرتے ہیں، تنبیہاً جائز ہے: ۲/ ۵۳، سعید)

(۳) "و (بالصفع) علی العنق (وفرک الأذن و بالکلام العنیف) ۔ ۔ المقصود منه الزجر".

(الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/ ۶۱، ۶۲، سعید)

(وکذا فی النہر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۳/ ۱۶۴، ۱۶۹، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/ ۶۸، رشیدیہ)

(۴) "هو (أی التعزیر) تأدیب دون الحد، أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً، وأقله ثلاثة". (الدر المختار).

"(قوله: أکثره تسعة و ثلاثون سوطاً) لحدیث: "من بلغ حداً فی غیر حد، فهو من المعتدین". و حد ع

بھاگ کر تالاب میں جا گھسا، اس کے پیچھے کتا بھی ہولیا اور وہ بھی تالاب میں گھس گیا، اس کے بعد کتا تو نکل گیا مگر میرے ہرن کی حالت خراب ہوگئی، لوگوں نے کہا کہ مر جائے گا، اس لئے میں نے اس کو ذبح کر دیا اور لاکر پڑوسیوں کے گھر پر ڈال کر تھانہ میں رپورٹ لکھوادی، تھانہ دار آیا اور پکڑ کر لے گیا، بعد میں چیئرمین نے صلح کرادی کہ ہرن کا گوشت وغیرہ بھی میرے پاس رہے گا اور ستر ۷۰/ روپیہ جرمانہ بھی مجھے دلوادیا۔ تو یہ ستر ۷۰/ روپیہ جرمانہ لینا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ لوں تو پڑوسی نادم ہونے کے بجائے اور مزید سرکش ہو جائے گا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان لوگوں نے قصداً اپنے کتے کو آپ کے ہرن کو شکار کرنے کے واسطے نہیں چھوڑا اور پکڑنے کے لئے برانگیختہ نہیں کیا، بلکہ کتا از خود ہی پر حملہ آور ہوا اور ہرن جان بچانے کے لئے بھاگا، کتا اس کا تعاقب کرتا رہا حتی کہ تالاب میں گھس گیا۔ پھر اس کی حالت خراب دیکھ کر دوسروں کے کہنے پر آپ نے اس کو ذبح کرلیا۔ فیصلہ میں وہ ہرن بھی آپ کے پاس رہا اور ہرن کا جرمانہ ۷۰/ روپیہ بھی آپ کو ملا، اس صورت میں شرعاً وہ آپ کو لینا درست نہیں ہے، واپس کرنا ضروری ہے (۱)۔ آپ ایسے طریقے پر ان کو دیدیں جس سے وہ احسان مند ہو جائے

---

(۱) "لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. .... و الحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال". (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۶۸/۵، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب في التعزیر بأخذ المال: ۶۱/۴-۶۲، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الحدود، الفصل في التعزیر: ۱۶۷/۲، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق: کتاب الحدود: ۱۶۵/۳، إمدادیه ملتان)

ناجائز مال کسی بھی طریقے سے ہاتھ آجائے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے: "لو مات الرجل و کسبه من بیع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة یتورع الورثة، و لا یأخذون منه شیئاً، وهو أولی بهم، و یردونه علی أربابها إن عرفوهم، و إلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه". (رد المحتار، کتاب الحظر و الإباحة، فصل في البیع: ۳۸۵/۶، سعید) .... ■

جنازہ کی نماز فرضِ کفایہ ہے(۱) اس میں سستی کرنا غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔ نماز پنج وقتہ فرضِ عین ہے(۲) اس کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے(۳) اگر استخفاف کی وجہ سے چھوڑے تو کفر تک نوبت پہونچی

=العالمکیریة، کتاب الفرائض، الفصل الأول في أصحاب الفرائض: ۶/۴۵۳، رشیدیه)

(وکذا في السراجي في الميراث، مقدمة، ص: ۳، سعید)

(۱) "الصلوة على الجنازة فرض كفاية، إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة، ذكرا كان أو أنثى، سقط عن الباقين، وإذا ترك الكل، أثموا، هكذا في التاتارخانية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوة على الميت: ۱/۱۶۲، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في الصلوة على الجنازة، الأول في نفس الصلوة وصفتها: ۲/۱۵۱، قدیمی)

(۲) "الصلوة الخمس فريضة على المسلمين العاقلين البالغين من الرجال والنساء دون الحائض والنفساء في المواقيت المعروفة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة: ۱/۲۹۲، قدیمی)

"الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها، ويكفر جاحدها، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۵۰، رشیدیه)

"هي فرض عين على كل مكلف". (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: هي): أي الصلوة الكاملة، وهي الخمس المكتوبة (قوله: على كل مكلف): أي بعينه، ولذا سمي فرض عين، بخلاف فرض الكفاية، فإنه يجب على جملة المكلفين – كفاية – بمعنى أنه لو قام به بعضهم كفى عن الباقين، وإلا أثموا كلهم. ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولو أنثى أو عبدا".

(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(۳) "لم يقل المصنف وكانت فائتة المسلم عمدا؛ إذ التأخير بلا عذر كبيرة لاتزول بالقضاء" (الدر المختار). قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله: لاتزول بالقضاء) وإنما يزول إثم الترك، فلا يعاقب عليها إذا قضاها، وإثم التأخير باق، بحر. (قوله: بالتوبة): أي بعد القضاء، أما بدونه فالتأخير باق فلم تصح التوبة منه". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۲، سعید)

"الصلوة فريضة محكمة لايسع تركها، ويكفر جاحدها، كذا في الخلاصة. ولا يقتل تارك الصلوة عامداً غير منكر وجوبها بل يحبس حتى يحدث توبة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة: ۱/۵۰، رشیدیه)

جاتی ہے(۱)۔ جو شخص نماز چھوڑ دے اس سے تعلقات چھوڑ دیئے جائیں جب تک وہ توبہ کر کے نماز کا پابند نہ ہو(۲)۔ مال کا جرمانہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاضی وحاکم کے لئے جائز ہے اور بعد توبہ واپس کر دینا چاہیے۔ اگر مجرم توبہ نہ کرے تو پھر مصرف خیر پر صرف کرنا جائز ہے خود رکھنا جائز نہیں۔ دیگر ائمہ کے نزدیک مالی جرمانہ جائز نہیں۔ لہذا احوط یہ ہے کہ مالی جرمانہ نہ کیا جائے بلکہ ترک تعلقات وغیرہ دوسری سزائیں مقرر ہوں۔

"وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أن التعزير من السلطان بأخذ المال جائز، كذا في الظهيرية. وفي الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. اهـ. وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى. وفي شرح الآثار: التعزير

---

(۱) "وعن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الأول، ص: ۵۸، قديمي)

"وعن بريدة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر". (مسند امام أحمد بن حنبل، حديث بريدة رضي الله تعالى عنه، (رقم الحديث: ۲۲۴۲۸)، ۶/۴۸۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "إن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات ما لم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۵۰۲۷): ۸/۷۵۹، رشيدية)

باعمال کان من امتداد الاسلام، ثم نسخ" ۔ بحر: ۵/ ۴۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۸/ ۱۲/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۵۳ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل: في التعزیر: ۵/ ۶۸، رشیدیہ)

(وکذا في النہر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/ ۶۱، سعید)

(وکذا في النہر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزیر: ۳/ ۱۹۵، رشیدیہ)

(وکذا في حاشیۃ الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۲/ ۴۱۱، دار المعرفۃ بیروت)

باب الحد بشرب الخمر

(شراب نوشی کی سزا کا بیان)

شراب نوشی کی سزا

سوال[۶۹۰۵]: شراب نوشی کی کیا سزا ہے؟

محمد سلیم، سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلامی حکومت ہو تو اسی کوڑے لگائے جائیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "الحد لمسلم ناطق مكلف شرب الخمر ولو قطرة ... ثمانين سوطاً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحدود، باب حد الشرب: ۴/۳۵، ۳۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد الشرب: ۵/۴۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب السادس في حد الشرب: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الحدود، باب حد الشرب: ۳/۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

باب القصاص والدیۃ

(قصاص اور دیت کا بیان)

قتل کی سزا

سوال [۹۰۰۲]: جو مسلمان کسی مسلمان کو کسی دنیوی معاملہ میں بوجہ ذاتی دشمنی و عداوت قتل کردے اور اس قاتل کو موجودہ حکومت ثبوتِ قتل ہوجانے پر سزائے موت یعنی پھانسی دیدے تو کیا قاتل کے ذمہ سے قصاص شرعی ادا ہوجائے گا اور آخرت کے مواخذہ سے چھوٹ ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ قاتل کو سزائے موت مل گئی اور مقتول کے ورثاء نے حکومت سے سزا دلوائی ہے تو قصاص ہوگیا اگرچہ شرعاً قصاص میں قتل کیا جاتا ہے (۱)، پھانسی نہیں دی جاتی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف غفرلہ۔

---

(۱) "ولا يقاد إلا بالسيف وإن قتله بغيره" "والمراد بالسيف السلاح" "والتخصيص باسم السيف لا يمنع إلحاق غيره به، ألا ترى أنا ألحقنا الرمح والخنجر بالسيف في قوله عليه السلام: "لا قود إلا بالسيف". وفي السراجية: من له قود قاد بالسيف، فلو ألقاه في بئر أو قتله بحجر أو بنوع آخر عُزّر، وكان مسرفاً. يحمل على أن مراده بالسيف السلاح". (الدر المختار، كتاب الجنايات، فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبه: ۶/۵۳۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب الثاني فيمن يقتل قصاصاً ومن لا يقتل: ۶/۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، نوع آخر: ۶/۳۸۳، رشيدية)

تادیباً مارنے سے موت واقع ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۹۸۰۷]: ایک شخص نے اپنی بیوی کے مرجانے کے بعد بیوی مرحومہ کی بیوہ بہن سے نکاح کیا تو کیا یہ نکاح شریعت میں جائز ہے؟ واضح ہو کہ بیوہ بہن کے پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی، کسی معاملہ پر ایک روز اس شخص نے اس لڑکی کو مارا، جس سے لڑکی چند گھنٹے کے بعد مرگئی، درحقیقت اس شخص کا ارادہ جان سے مارنے کا نہ تھا۔ تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے مارنے سے وہ لڑکی مرجائے اس کے ذمہ ضمان واجب ہے: "کضرب المعلم [إجماعاً]. وإن ضرب بإذنهما، لا ضمان على المعلم إجماعاً". كذا في الدر المختار: ۶/۵۰۴(۱)،

وانسجط(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہونے والے کی دیت

سوال [۹۸۰۸]: زید عام راستے سے چلا جا رہا تھا، پیچھے سے اسکوٹر سوار کے اسکوٹر کی ٹکر سے ایکسیڈنٹ ہوگیا، جس سے زید فوت ہوگیا۔ لہٰذا مقتول کے اولیاء کو قاتل اور قاتل کے اولیاء سے صلح علی المال کا حق ہے یا نہیں؟ اگر زید کے اولیاء کو مال لے کر صلح کرنے کا حق ہے تو اس کی آخری حد کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلح علی المال کا حق ہے، قتلِ خطا میں دیت کی مقدار معین ہے، اس سے زیادہ پر صلح کا حق نہیں۔ اگر سونا

---

(۱) (الدر المختار، کتاب الجنایات، فصل في القتل: ۶/۵۶۶، سعید)

"رجل ضرب ولده الصغير في أدب لسنة، قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: يضمن الدية وعليه الكفارة". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، فصل في القتل الذي يوجب الدية: ۳/۴۴۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الأمر بالجناية ومسائل الصبيان وما يناسبها: ۶/۴۳، رشيدية)

(۲) لم أظفر بالمأخذ

دیت میں لیا جائے تو ایک ہزار دینار سے زائد نہ ہو۔ اگر دیت مقررہ کی جنس کے علاوہ ولی جائے تو اس میں کوئی قید نہیں، مثلاً قلیل لیا جائے:

"وصح (الصلح) في العمد بأكثر من الدية والأرش أو بأقل، لعدم الربا. وفي الخطأ لا تصح؛ لأن الدية في الخطأ مقدرة، حتى لو صالح بغير مقاديرها، صح كيف ما كان بشرط المجلس لئلا يكون ديناً بدين، اهـ". درمختار۔ "(حتى لو صالح) أفاد أن الكلام فيما إذا صالح على أحد مقادير الدية، وصح مأة بعير او مائتا شاة أو مائتا حلة أو ألف دينار وعشرة الألف درهم". شامي مختصراً: ٤/٤٧٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۳ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الصلح: ٥/٦٣٣، ٦٣٥، سعيد)

باب الشہادۃ

(گواہی دینے کا بیان)

ادائے شہادت جب کہ صحیح فیصلہ کی توقع نہ ہو

سوال [۶۹۰۹]: پنجاب میں وراثت کی تقسیم کی نسبت اسلامی قانون کے ہوتے ہوئے بجائے رواج کے مطابق تقسیم ہوتی ہے، لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، بیوگان کو بجائے شرعی قانون کے ان کے حق دیئے، یہ محض گذارہ دیا جاتا ہے، اگر وہ عدالت میں دعوی کرتی ہے تو تمام جائیداد پر وہ قابض ہو جاتی ہے اور دوسرے وارث محروم ہو جاتے ہیں۔ اگر وراثت کے متعلق کوئی مقدمہ موجودہ عدالت میں پیش ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ عدالت میں شریعت مقدسہ کے خلاف فیصلہ صادر ہوگا تو ایسی حالت میں اگر کوئی شخص عدالت میں شہادت نہ دے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس بات کا یقین ہے کہ عدالت فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں کرے گی بلکہ خلاف کرے گی اور یہی شہادت پر ثمرہ مرتب نہیں ہوگا تو ایسی حالت میں شاہد کے ذمہ شہادت واجب نہیں۔ اور جب ظن غالب ہو کہ عدالت شہادت کو قبول کرکے شرعی فیصلہ کرے گی اور بغیر شہادت ادا کئے مسلم کا حق ضائع ہو جائے گا تو ایسی حالت میں مسلم کے ذمہ ادائے شہادت (بغیر مشقت کبریٰ) واجب ہے۔

قال العلامة ابن النجيم رحمه الله تعالى: "الثاني: أن يعلم أن القاضي يقبل شهادته، فإن علم أنه لا يقبلها، لا يلزمه ... الخامس: أن يكون القاضي الذي طلب

کتاب اللقطۃ

(لقطہ کا بیان)

لقطہ کی تفصیل

سوال [۱۰۰۸۱]: ضلع پنچ محل کا اجتماع گودھرا میں ۱۲/اپریل/۸۹ء کو مرکزی مسجد میں ہوا تھا۔ مسجد ابراہیم کی پہلی صف میں سے ۱۳/اپریل کو بوقت شب ایک بھروچ ضلع بھاری گاؤں کی جماعت میں سے بھائی یوسف کو ایک قیمتی رقم سونے کی ملی۔ اجتماع دو روزہ تھا، اجتماع میں دونوں روز برابر اعلان ہوتا رہا۔ یوسف صاحب نے امیر جماعت یعقوب جی بھائی کو وہ رقم دیدی، انہوں نے مولانا ابراہیم صاحب سے تذکرہ کیا۔ دارالعلوم کے مفتی اور مولانا عبدالرحیم لاجپوری کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے شہر کی مسجد میں تحریری اعلان فرمایا اور زبانی اعلان ہر مسجد میں ہوا۔ سات ۱۳/مئی کو گودھرا میں اجتماع پر تین آدمیوں کی جماعت گودھرا آئی اور لقطہ کا مطالبہ کیا۔ مشورہ میں طے ہوا کہ فتویٰ حسب ذیل باتوں کا پوچھا جائے:

۱- ایک سال دو ماہ کا عرصہ ہوگیا تو لقطہ بھاری والے بھائی کو دیدیا جائے کیونکہ ان کا تقاضا بہت ہے۔

۲- یہ رقم لقطہ گودھرا سے ملی ہے اور جس کو ملی وہ سو میل کے فاصلے پر رہتا ہے، یہ لقطہ گودھرا کے فقراء پر صرف کیا جائے یا جس کو ملی ہے اس جگہ یعنی بھاری ضلع بھروچ پر صرف کیا جائے؟

۳- اس مسئلہ کی صفائی کے وقت یعنی لقطہ دیتے وقت مولانا ابراہیم دیونوی صاحب کا وجود ضروری ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے جس میں یہ امانت دی تھی۔

۴- نظام الدین میں جماعتوں کی آمد ورفت بہت ہے اور وہاں خرچ بہت ہے، وہاں صرف کرنا کیسا ہے؟

۵- بھاری والے صاحب کی تمنا یہ ہے کہ اس رقم سے بھاری کی مسجد کی صفیں لائی جائیں تو شرعی لقطہ

نظر سے کیا ہے؟

۶... شریعت کے مطابق وہ لقطہ خرچ کر دیا گیا اور بعد میں صحیح مالک آ گیا تو اس مالک کو دینے کی ذمہ داری کس کی رہے گی؟

۷... شرعی حکم کے مطابق بھاری والے کو دیا ہوا تو اس کے پاس تحریری اقرار نامہ لکھوانا ضروری ہے۔

۸... مذکورہ مسئلہ میں اور بھی وضاحت ہو تو ضرور کریں، کیونکہ میں غریب بہت ہی پریشان ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جس کو لقطہ ملا تھا اسی کو دیا جائے (۱)۔

۲... اس کی کوئی پابندی نہیں، جس کو زیادہ حاجت مند پائے اس پر صدقہ کر دے (۲)۔

۳... مولانا ابراہیم صاحب کا موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ ان کی اجازت بھی کافی ہے (۳)۔

۴... بظاہر جماعت کے ہی کسی آدمی کی رقم ہے، پس جماعت کے ہی ضرورت مند پر صدقہ کر دینا قریب ہے۔ مرکز نظام الدین بھیج دینے پر بھی اغلب ہے کہ اصل مالک کا پتہ چل جائے، کیونکہ وہاں پر ہر طرف سے جماعتیں آتی رہتی ہیں، اس صورت میں وہ اصل مالک کے پاس پہنچ جائے تو زیادہ اچھا ہے، پھر صدقہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی (۴)۔

---

(۱) "أي فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق: أي في رفعها من الأرض: أي التقطها. وأتى بالفاء الدال على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساكها لصاحبها". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم: ۲/۹۰۹، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۲) "وإلا تصدق بها على فقير ولو على أصله وفرعه وعرسه". (الدر المختار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(۳) "الظاهر كلامهم متوناً وشروحاً أن حل الانتفاع للفقير بعد التعريف لا يتوقف على إذن القاضي" (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(۴) "و ينبغي أن يعرفها في الموضع الذي أصابها، وفي الجامع: فإن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها" (الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

اس تھیلے میں اور چیزوں کے ساتھ ایک کلو امرود بھی ہیں، ان کو کیسے محفوظ رکھیں جب کہ بچوں نے اس میں سے چند کھا بھی لئے، آیا اس کے کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جب دوسرے کا تھیلہ غلطی سے اٹھایا تو وہ اس کا ضامن بن گیا، لأنه أخذ مال غيره بغير إذنه (۱)، لہذا اگر اس شخص کو پتہ چل جائے تو اس کو تھیلا اور جو کچھ اس میں سامان ہے واپس کرے اور جو خرچ کرلیا اس کی قیمت ادا کرے، یا اگر بازار میں موجود ہو تو خرید کر کے دے، اور اگر اتنے دن تک پتہ نہیں چلا کہ غالب گمان ہو گیا کہ اب مالک تلاش نہیں کرے گا تو جو کچھ موجود ہے اس کو صدقہ کردے، اور جو موجود نہیں بلکہ خرچ کرلیا اس کی قیمت صدقہ کردے، لیکن اگر مالک نے آکر مطالبہ کیا تو دینا پڑے گا (۲)۔

"كان يفتي الصدر الشهيد: يجب على ظنه أنه لا يطلبها مالكها بعدها ...... ثم إذا مضى وقت التعريف ولم يظهر صاحبه، يتصدق به". شرح الياسي: ۲/۷۰ (۳)۔

اگر تو فقیر ہے تو بطور صدقہ خود بھی رکھ سکتا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱/۸/۸۸ھ۔

---

(۱) "وأخذ مال الغير بغير إذنه لنفسه سبب لوجوب الضمان". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أحوال اللقطة: ۸/۲۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ثم إذا عرّفها ولم يحضر صاحبها مدة التعريف، فهو بالخيار: إن شاء أمسكها إلى أن يحضر صاحبها، وإن شاء تصدق بها على الفقراء ...... وإذا تصدق بها على الفقراء، فإذا جاء صاحبها، كان له الخيار: إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان ما يصنع باللقطة: ۸/۲۳۴-۲۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) (شرح المولوي إلياس على هامش شرح النقاية، كتاب اللقيط واللقطة والأبق: ۲/۲۸۲، سعيد)

(۴) "وإن كان فقيراً فإن شاء تصدق بها على الفقراء، وإن شاء أنفقها على نفسه". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان ما يصنع باللقطة: ۸/۲۳۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۰، شركت علميه ملتان)

پرانے کپڑوں سے سوروپیہ کا نوٹ ملا، اسے کیا کیا جائے؟

سوال[۶۸۱۲]: زید نے ایک عام گزرگاہ میں تین کپڑے پرانے پڑے ہوئے پائے، ان کپڑوں میں سے ایک سوروپیہ کا نوٹ بھی ملا، زید نے راستہ سے گزرنے والے تمام لوگوں سے دریافت کیا، لیکن اس کے مالک کا پتہ نہیں چلا، آج ہفتہ عشرہ سے زیادہ ہوگیا۔ فرمائیے اس روپیہ اور کپڑے کا کیا کیا جائے، مسجد میں لگا دیا جائے، یا کسی مدرسہ میں دے دیا جائے، یا فقیروں، حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے؟

محمد اسحاق انصاری، رائے بریلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب دل یہ گواہی دے کہ اب مالک اپنے کھوئے ہوئے کپڑوں کو اور نوٹ کو تلاش نہیں کرے گا تو کسی غریب کو دے دیں، طالب علم ہو یا کوئی اور(۱)۔ مسجد میں خرچ کرنا، یا مدرسہ کی تعمیر، یا تنخواہ مدرس میں خرچ کرنا درست نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "(قوله: لينتفع الرافع): أي من رفعها من الأرض: أي التقطها، وأتى بالفاء، الدال على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق. وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

"ويعرّف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيدية)

"ويكفي في الإشهاد قوله: من سمعتموه ينشد لقطة فدلوه علي، ويعرفها في مكان أخذها، وفي المجامع مدة يغلب على ظنه عدم طلب صاحبها بعدها، هو الصحيح". (مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۵۲۵/۲، غفاريه كوئته)

(۲) لقطہ واجب التصدق ہے اور واجب التصدق اشیاء کسی کو معاوضہ میں نہیں دی جاسکتیں:

"ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح، وإلا لا". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وإلا لا): أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض". (رد المحتار، كتاب الزكوة، قبيل باب صدقة الفطر: ۳۵۶/۲، سعيد)

لقطہ میں تصرف

سوال [۶۸۱۳]: ایک شخص نے اپنی اہلیہ کے ساتھ پاکستان کا سفر کیا، بارڈر پر داخلی میں ایک تھیلہ ملا جس میں کچھ کپڑا وغیرہ تھا، بارڈر سے نکل کر شوہر کو معلوم ہوا، ابھی تک وہ دوسرا بارڈر پر نہیں ہوا تھا، اس کی تحقیق کی مگر مالک کا پتہ نہ چلا، بارڈر پر کسٹم وغیرہ بھی اس پر لگا، پھر گھر آکر اہلیہ نے کچھ کپڑے اس میں سے سلوائے۔ شوہر نے مسئلہ معلوم کیا، تو کیا ایسی صورت میں اس لقطہ کو صدقہ کیا جائے جب کہ سلائی وکسٹم وغیرہ خرچ ہوا، یا کپڑے کی اصل قیمت صدقہ کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالک کا پتہ نہ چلے اور پوری کوشش کے باوجود ناکامی رہے تو وہ کپڑا بحیثیت لقطہ صدقہ کردیا جائے (۱) اور اس پر جو کچھ سلائی اور کسٹم میں خرچ ہوا ہے، اس کو اس میں سے وضع نہ کیا جائے، یہ خرچہ مالک کو تلاش کرنے یا کپڑے کی حفاظت کرنے میں نہیں ہوا، بلکہ اپنے مقصد کے لئے ہوا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۸ھ۔

لقطہ کا خود استعمال کرنا

سوال [۶۸۱۴]: خدمتِ اقدس میں التماس یہ ہے کہ تعریف کرکے اصل مالک حقیقی کا تلاش کرنا

= "ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره، إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضاً أجزأه، وإلا فلا. وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة، كذا في معراج الدراية" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، قبيل الفصل ما يوضع في بيت المال أربعة أنواع: ۱۹۰/۱، رشيدية)

(۱) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق .... فينتفع الرافع: أي من رفعها من الأرض ..... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيدية)

(والهداية، كتاب اللقطة: ۶۱۵/۲، مكتبة شركت علمية ملتان)

بلا پر ناممکن ہے، کیونکہ عرصہ ۸/ سال سے زائد ہو چکا ہے اور گھوڑی ریوے لائن کے کنارے چرتی ہوئی ملی تھی جو کہ ایک عام راستہ ہے، نہ معلوم کس کی ہوگی۔ دوسرے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اب اس وقت اگر تعریف کرکے مالک کو تلاش کیا جائے تو امکان ہے کہ پولیس وغیرہ کسی قسم کا شر وفساد کریں اور چوری وغیرہ کا الزام لگادیں، لہٰذا اب شرعی حکم تحریر فرمایا جائے۔

اس گھوڑی کی قیمت (جو کہ فروخت ہو چکی ہے اور خریدنے والے کے پاس بھی نہیں ہے، بلکہ پتہ چلا ہے وہاں سے بھی غائب ہو چکی) کیا کیا جاوے؟ اس کی قیمت کو خیرات کرکے اس کا ثواب اصل مالک کو بخش دیا جائے، یا اگر پانے والا صاحبِ ضرورت ہو تو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد صدیق احمد عفی عنہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب غالب خیال یہ ہے کہ اصل مالک نے اب گھوڑی کی تلاش کرنا ترک کر دیا تو اس کی قیمت کو اصل مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جاوے، اگر خود فقیر ہو تو خود بھی قیمت رکھنا درست ہے۔ اصل مالک کو تلاش نہ کرنے کا گناہ ہوا، اس کے لئے استغفار کیا جاوے اور اصل مالک کو کچھ ثواب بھی پہونچا دیا جائے، اگر چہ وہ زندہ ہی ہو، ثواب زندہ کو بھی پہونچ جاتا ہے(۱)۔ اصل مالک جب بھی ملے، اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قیمت کا

---

(۱) "ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين ...... ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيدية)

"ثم تصدق، فإن جاء ربها أجازه، وله أجره: أي ثواب التصدق ... وينتفع بها لو فقيراً، وإلا: أي وإن لم يكن فقيراً: تصدق ولو على أصله وفرعه وعرسه".

قال العلامة عبد الحي اللكنوي رحمه الله تعالى تحت قوله فقيراً: "أي حال كونه فقيراً، فإن كان غنياً لا ينتفع به بل يتصدق على الفقراء؛ لحديث فإن لم يأت: أي صاحبها فليتصدق به. أخرجه الدار قطني مع حديث: فإن جاء صاحبها فادفعها إليه، وإلا فانتفع، فالأول محمول على ما إذا كان الملتقط غنياً والثاني على ما إذا كان فقيراً". (شرح الوقاية مع حاشية عمدة الرعاية، كتاب اللقطة: ۳۳۵/۲، ۳۳۶، سعيد)

مطالبہ کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ربیع الثانی/ ۶۳ھ۔

لقطہ سے تجارت کرنا

سوال[۷۸۱۵]: کسی شخص نے راستہ میں ایک ہزار روپیہ پایا، اس وقت مالک کو دینے سے انکار کردیا اور اس روپیہ سے تجارت شروع کردی جس سے بہت نفع ہوا۔ اب مالک کا روپیہ واپس کرنے کا خیال ہے۔ تو اب مع نفع کے واپس کرنا ہوگا، یا صرف ایک ہزار ہی واپس کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو ایسا کرنا جائز نہیں، یہ خیانت ہے۔ اس روپیہ سے جتنا نفع کمایا ہے اس کو غرباء پر صدقہ کردے اور اصل روپیہ مالک کو واپس دیدے(۲) اور اپنی اس غلطی اور خیانت کی اس سے معافی بھی مانگے، توبہ واستغفار

---

(۱) "إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها ثم يجعل التعريف مدةً تباعاً للسرخسي، فإنه بني الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه ... فينتفع الرافع بها لو فقيراً، وإلا تصدق بها على فقير ... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً ... (فإن جاء مالكها) بعد التصدق، خُيّر بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها، وله ثوابها". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، ۲۸۰، سعيد)

"فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها، فهو بالخيار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها؛ لأن التصدق وإن حصل بإذن الشرع لم يحصل بإذنه، فيتوقف على إجازته". (الهداية، كتاب اللقطة: ۲/ ۶۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "وإن أخذها لنفسه حرم؛ لأنها كالغصب". (الدر المختار، كتاب اللقطة: ۲۷۶/۴، سعيد)

"وأخذ مال الغير محظور؛ لأنه لنفسه سبب لوجوب الضمان". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أحوال اللقطة: ۳۰۳/۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"ومن غصب ألفاً فاشترى بها جارية، فباعها بألفين ثم اشترى بألفين جارية، فباعها بثلثة الآف —

بھی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۲/۶/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیو بند۔

لقطہ کا صدقہ کرنا

سوال[۶۸۱۶]: ۱.....زید کو ایک عرصے سے چاندی سونے کی چیز کھیت میں ملی، کھیت راستہ کے قریب ہے، تو بلا تلاش مالک خیرات کر دیا، اس لئے کہ وہ چیز بہت عرصہ پہلے کی معلوم ہو رہی تھی۔ تو اب زید پر کوئی تلاش وغیرہ ضروری تو نہیں؟

لقطہ کا خریدنے کے بعد استعمال کرنے کا حکم

۲.....زید نے ایک شخص سے ملی ہوئی چیز خریدی اور اب تک استعمال نہیں کرتا ہے تو اس کا استعمال مناسب ہے یا نامناسب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....تلاش کرنا پہلے لازم تھا، اب جب کہ صدقہ کر چکا ہے تو تلاش لازم نہیں، تاہم اگر مالک مل جائے

= درهم، فإنه يتصدق بجميع الربح، وهذا عندهما، وأصله أن الغاصب والمودع إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة وربح لايطيب له الربح عندهما" (الهداية، كتاب الغصب: ۳۷۳/۴، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۱) "أن لها ثلاثة أركان: الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لايعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق، وأصلها الندم، وهو ركنها الأعظم".

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قديمي)

(وكذا في تفسير روح المعاني، (سورة التحريم: ۸): ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور وہ مطالبہ کرے تو ضمان لازم ہوگا (۱)۔

۲۔ جس شخص کو کوئی چیز پڑی ہوئی ملی ہو اور اس نے اٹھالی تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ مالک کو تلاش کرے، جب پوری جستجو کے بعد مالک نہ ملے تو پھر صدقہ کردے۔ اگر وہ خود غریب مستحق ہو تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے (۲) اور اس سے دوسرا آدمی بھی خرید سکتا ہے، کسی پر مواخذہ اخروی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۵/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۵/۸۵ھ۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۲/۲۵/۸۵ھ۔

ڈیڑھ سال تک لقطہ کا مالک نہ آئے تو کیا کیا جائے؟

سوال[۷۱۹۹]: زید نے سفر کے دوران ریل گاڑی میں سے ایک کیمرہ کافی قیمتی پایا، اس نے ریلوے حکام کو اس کی اطلاع دی کہ وہ مختلف جگہوں پر اس کی تشہیر کریں اور جن صاحب کا وہ کیمرہ ہو وہ مجھ سے لے لیں۔ ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو گیا مگر اس کا کوئی دعویدار ظاہر نہ ہوا، اب اس کیمرہ کو کیا کیا جائے؟ اور کتنے عرصہ کے بعد اس کیمرہ پر حق ملکیت ہو سکے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ لقطہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ خود استعمال نہ کرے، حفاظت سے رکھے نقصان نہ ہونے دے، مالک کو

---

(۱) "فلو لم يشهد مع التمكن منه أو لم يعرفها، ضمن ... والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساكها لصاحبها. وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً وإمساك ثمنها، ثم إذا جاء ربها، ليس له نقض البيع لو بأمر القاضي، وإلا فلو قائمة، له إبطاله، وإن هلكت، فإن شاء ضمن البائع" (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۸/۴، ۲۷۹، سعيد)

(وكذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللقطة: ۱۱۹/۲، مكتبه دار العلوم كراچي)

(۲) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق ... فينتفع الرافع، أي من رفعها من الأرض ... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۷۹/۴، سعيد)

تلاش کرتا رہے، مناسب ہو تو اخبارات میں اعلان دے(۱)۔ پوری جد وجہد کے بعد جب تلاش کرکے تھک جائے مثلاً: سال بھر گزر جائے اور مالک کا پتہ نہ لگے اور دل یہ کہے کہ اب مالک بھی تلاش کرکے مایوس ہو گیا ہوگا، تو اس کو کسی غریب کو بطور صدقہ دیدے، اس نیت سے کہ اس کا وبال سر پر نہ رہے، اگر مالک مسلمان ہے تو اس صدقہ کا ثواب اس کو ملے(۲)۔ اس کے بعد اگر مالک آجائے اور وہ صدقہ کرنے پر راضی نہ ہو، بلکہ قیمت کا مطالبہ کرے تو قیمت کا دینا لازم ہوگا(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/ ۱/ ۸۹ھ۔

لقطۂ مسجد کا حکم

سوال[۷۸۱۸]: ایک نابالغ لڑکی کو مسجد کے صحن میں ایک نامعلوم کی تھیلی میں لپٹے ہوئے مبلغ ۳۰/ روپے دستیاب ہوئے، اسی صحن میں ایک مولوی صاحب دینی تعلیم بچوں کو دے رہے تھے، اس لڑکی نے وہ تھیلی مولوی صاحب کے حوالہ کردیا، مولوی صاحب نے مؤذن کو دیدی کہ ہر نماز کے بعد اعلان کریں۔ تقریباً چار پانچ ماہ سے زائد کا عرصہ ہوتا ہے ابھی تک اس تھیلی کا کوئی مالک نہیں آیا۔ لہٰذا اس رقم کو از روئے شریعت کیا کیا جائے، اگر خیرات کریں تو اس کا حقدار کون ہوگا؟

---

(۱) "وينبغي أن يعرفها في الموضع الذي أصابها، وفي الجامع، فإن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها". (الهداية، كتاب اللقطة: ۲/ ۵۹۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "قوله: ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق ... ينبغي الرافع: أي من رفعها من الأرض ... وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/ ۲۷۸، سعيد)

"ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/ ۲۸۹، رشيدية)

(۳) "وإذا تصدق بها على الفقراء، فإذا جاء صاحبها، كان له الخيار: إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط أو الفقير إن وجده؛ لأن التصدق كان موقوفاً على إجازته". (بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في بيان ما يصنع باللقطة: ۵/ ۳۰۸، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس قدر اعلان کردیا گیا ہے کہ اب مالک کے ملنے کی توقع نہیں رہی تو اس کو ایسے غریب کو دیدیں جو مستحق زکوۃ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

بکری کا لقطہ

سوال[۹۱۸۹]: ایک بکری کا بچہ لاوارث ملا ہے، اس کا کوئی مالک نہیں ملتا، اب اس کا کیا حکم ہے؟ اس کو کھانا یا کسی کو دینا درست ہے یا نہیں؟ کیا کوئی بکری پالنے والا یا مولوی صاحب جبراً اس سے لے سکتے ہیں؟ اس کا مسئلہ پوری طرح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ بکری کا بچہ لقطہ ہے، اس کا حکم یہ ہوگا کہ مالک کو تلاش کیا جائے(۲)، پوری تلاش کے بعد جب مالک کا پتہ نہ چلے تو کسی غریب کو بطور صدقہ دیدیا جائے، پھر وہ اس کو ذبح کرکے کھالے یا بغیر ذبح کئے ہی جس کو دے دے، اس کو لینا اور کھانا درست ہے(۳)۔ کسی مولوی غریب سے جبراً لینے کا حق نہیں، نہ بکری پرورش کرنے والے کو، نہ مولوی صاحب کو۔ اس سب کے بعد بھی اگر مالک مل جائے اور وہ طلب کرے تو اس کی قیمت کا دینا لازم

---

(۱) (راجع، ص: ۱۶۲، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) "ويجوز الالتقاط في الشاة والبقر والبعير … وينبغي أن يعرّفها في الموضع الذي أصابها، وفي المجامع، فإن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها". (الهداية، كتاب اللقطة: ۲/۶۱۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق … لينتفع الرافع: أي من رفعها من الأرض … وفي الخلاصة: له بيعها أيضاً". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

ہوگا اور صدقہ کا ثواب اس دینے والے کو مل جائے گا، اس مسئلہ کی پوری تفصیل فتاویٰ عالمگیری، کتاب اللقطۃ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بھینس کا لقطہ

سوال[۷۸۲۰]: تقریباً عرصہ دو سال ہوا ایک بھینس فرار شدہ آئی جسے زید نے اپنی نگرانی میں لے کر اسے اپنے یہاں روک دیا اور یہ خیال کیا کہ اگر اس کا مالک آجاوے گا تو ہم اس کو واپس کردیں گے، اور آنے جانے والے لوگوں سے برابر اس کا تذکرہ کرتا رہا، مگر ابھی تک کوئی اس کا مالک نہیں آیا، نہ کسی کو پتہ چل سکا، تو ازروئے شرع اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لقطہ کے اعلان کا جو شرعی طریقہ ہے، زید کو لازم ہے کہ اس کو اختیار کرے(۲)، ابھی اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۸۹ھ۔

---

(۱) "ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۹۱، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۲) "إذا رفع اللقطة يعرفها، فيقول: التقطت لقطة، أو وجدت ضالة، أو عندي شيء، فمن سمعتموه يطلب، دلوه علي، كذا في فتاوى قاضي خان ... ونوع آخر يعلم أن صاحبه يطلبه كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها" (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۲۸۹، ۲۹۰، كتاب اللقطة، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۹، سعيد)

(۳) جو لقطہ مل جائے اس کی ایک سال تک تشہیر کی جائے، اگر اس دوران اس کا مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالے کردیا جائے، ورنہ اس لقطہ کو فقراء پر صدقہ کردیا جائے، یا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت صدقہ کردی جائے:

"والصحيح أنه غير مقدرة بمدة معلومة بل هي مفوضة إلى رأي الملتقط، فيعرفها إلى أن =

يطلب على ظنه أنها لاتطلب بعد ذلك، وقدرها محمد ومالك والشافعي رحمهم الله تعالى بحول من غير فصل". (شرح الوقاية، كتاب اللقطة: ۲/۳۳۳، سعيد)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدة اتباعاً للسرخسي، فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لايطلبه، وصححه في الهداية، والمضمرات والجوهرة، وعليه الفتوى، وهو خلاف ظاهر الرواية من التقدير بالحول في القليل والكثير كما ذكر الإسبيجابي، وعليه قيل: يعرّفها كل جمعة، وقيل: كل شهر، وقيل: كل ستة أشهر بحر". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۷۸، سعيد)

"قوله: (وينتفع بها لو فقيراً، وإلا تصدق على أجنبي ولأبويه وزوجه وولده لو فقيراً): أي ينتفع الملتقط باللقطة بأن تملكها بشرط كونه فقيراً نظراً من الجانبين كما جاز الدفع إلى فقير آخر". (البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۵/۲۶۳، رشيدية)

"إن كان الملتقط محتاجاً فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذا في المحيط. وإن كان الملتقط غنياً لايصرفها إلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أو ولده أو زوجته إذا كانوا فقراء، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۹۱، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۲/۵۲۹، ۵۳۰، غفاريه كوئٹه)

"وفي القنية: لو رجي وجود المالك وجب الإيصاء، فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها". (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وفي القنية) عبارتها: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لايوجد صاحبه لايجب فيصته، وإن كان يرجو وجود المالك، وجب الإيصاء اهـ. والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها، ولم يجز تصدق الملتقط لا الإيصاء بعينها قبل التصدق بها، لكنه مفهوم بالأولى، فلذا عمم الشارح". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۰، سعيد)

"كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب اللقطة، نوع منه يعلم أن صاحبه يطلبه: ۵/۴۲۹، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹، رشيدية)

چیل سے مرغی کا بچہ گرا، اس کو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۹۶۱]: بکر نے ایک مرغی کا بچہ چیل کے پنجے سے چھڑا لیا، یا چیل نے خود اس کے آنگن میں بچہ گرادیا، بکر نے اس بچے کی پرورش کی اور پال پوس کر اس کو بڑا بنایا، اس وقت اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تلاش کرنے کے بعد بھی اگر مالک کا پتہ نہ لگے تو کسی غریب کو دیدے، خود غریب ہو تو خود بھی رکھ سکتا ہے، مالک معلوم ہونے پر اس کو دیدے، کذا فی البحر الرائق (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۸۰ھ۔

---

(۱) "قوله: (وينتفع بها لو فقيراً، وإلا تصدق على أجنبي ولأبويه وزوجته وولده لو فقيراً): أي ينتفع الملتقط باللقطة بأن تملكها بشرط كونه فقيراً نظراً من الجانبين كما جاز الدفع إلى فقير آخر". (البحر الرائق، كتاب اللقطة: ۲۶۳/۵، رشيديه)

"إن كان الملتقط محتاجاً فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذا في المحيط. وإن كان الملتقط غنياً لا يصرفها إلى نفسه، بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أو ولده أو زوجته إذا كانوا فقراء، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۹۱/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب اللقطة: ۵۲۹/۲، ۵۳۰، غفاريه كوئٹه)

"وفي القنية: لو رجي وجود المالك وجب الإيصاء، فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها" (الدر المختار).

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وفي القنية) عبارتها: وما يتصدق به الملتقط بعد التعريف وغلبة ظنه أنه لا يوجد صاحبه لا يجب إيصاؤه، وإن كان يرجو وجود المالك وجب الإيصاء، اهـ والمراد الإيصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها، ولم يجز تصدق الملتقط لا الإيصاء بعينها قبل التصدق بها، لكنه مفهوم بالأولى، فهذا مميم لشارح". (رد المحتار، كتاب اللقطة: ۲۸۰/۴، سعيد)

"كالذهب والفضة وسائر العروض وأشباهها، وفي هذا الوجه له أن يأخذها ويحفظها ويعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب اللقطة، نوع منه يعلم أن صاحبه يطلبه: ۲۹۷/۵، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۸۹/۲، رشيديه)

سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کا استعمال

سوال[۶۸۲۲]: سیلاب میں بہت سی چیزیں مویشی وغیرہ بہہ کر آتی ہیں، کیا اس کو استعمال کر سکتے ہیں جب کہ پتہ نہ ہو کہ کس کی ہے اور کہاں کی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں، لقطہ کی طرح مالک کو تلاش کر کے اس کے حوالہ کیا جائے(۱)، ہاں! اگر خود غریب مصرف صدقہ ہے تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے، لیکن اگر مالک آئے اور مطالبہ کرے تو اس کی قیمت اپنے پاس سے ادا کرنے کا حکم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خوفِ دشمن سے جو مال چھوڑ کر چلا جائے اس کا حکم

سوال[۶۸۲۳]: وہاں کے کوئی شخص دشمن کے مقابلہ میں گیا، بوجہ خوفِ دشمن مال چھوڑ کر چلا آیا، اتفاقاً دشمن بہت دور ہے اور وہاں پر کوئی نہیں، فقط وہاں کے باشندے ہیں، مال مذکور کو وہاں کے باشندے تصرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ لڑنے والے دونوں فرقے کافر ہیں۔ مال مذکور کا کیا حکم ہے؟ اس کو مالِ فیئ کہیں گے، مالِ غنیمت یا مالِ زائد؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں کے باشندوں کو اس مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں اور اس مال کو مالِ فیئ اور غنیمت نہیں کہہ

---

(۱) "ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخيّرٌ بين أن يحفظها حسبةً و بين أن يتصدق بها، فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة، يكون له ثوابها ..... و يحفظها و يعرفها حتى يوصلها إلى صاحبها".

(الفتاوى العالمكيرية، ۲/۲۸۹، كتاب اللقطة، رشيديه)

(۲) "فإن جاء مالكها بعد التصدق، يُخيّر بين إجازة فعله و لو بعد هلاكها، و له ثوابها، أو تضمينه".

(رد المحتار، كتاب اللقطة: ۴/۲۸۰، سعيد)

سکتے۔ اگر اس کو مسلمان اٹھالیں گے تو وہ ان کی ضمان میں آجائے گا اور اس کا اصل مالک کو پہونچانا ضروری ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، ۱۲/۳/۱۴۰۱ھ۔

جو شخص پاکستان چلا گیا اس کے سامان اور مکان کا حکم

سوال[۱۸۲۴]: احمد کا کمرہ یہاں ہے، جو پاکستان گئے تھے، وہیں مقیم ہوگئے، ان کے کمرہ میں کچھ سامان ہے۔ احمد صاحب کے پاس سامان سے لئے خط لکھوا تو کوئی خاص جواب نہیں دیا، لیکن وہ حیات ہیں۔ اب ان کے سامان کے لئے کیا حکم ہے؟

زید جو احمد کے دوست ہیں احمد کے کمرہ کا کرایہ دے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ایک عزیز کو اس کمرہ میں رکھ بھی دیا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو سامان وہاں موجود ہے، اس کو محفوظ رکھا جائے (۲) اور مالک سے دریافت کرلیا جائے، وہ اگر بیچ، صدقہ کرنے کو لکھے تو اس پر عمل کیا جائے۔ اگر مالک کہے تو کمرہ مالک کو دیدیا جائے یا اس سے معاملہ کرلیا جائے تاکہ وہ اس مغالطہ میں نہ رہے کہ احمد نے زید کو دے رکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

پاکستان منتقل ہونے والے کی جائیداد پر حکومت کا قبضہ

سوال[۱۸۲۵]: محمد عبدالحق از قانون حکومت ہندوستان کے باشندے ہیں۔ شخص مذکور اپنے

---

(۱) "وما یتصدق به الملتقط بعد التعریف ... ولو کان برجوع وجود المالک، وجب الإیصاء، والمراد الإیصاء بضمانها إذا ظهر صاحبها ولم یجز تصدق الملتقط". (رد المحتار: ۴/۲۸۰، کتاب اللقطة، سعید)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان "لقطہ کی تعریف" رقم الحاشیة: ۱)

جو جائیداد بھائی کی ہوگئی، شرعاً اس سے واپس لینے کا حق نہیں۔ بھائی نے جو زمین فروخت کردی اس کی واپسی کا بھی حق نہیں، کذا فی الشامی (۱)۔

۲... جھوٹ بولنا اور جھوٹا مقدمہ لڑنا کبیرہ گناہ ہے (۲) جو شخص ایسا کرے وہ امامت کے لائق نہیں، کذا فی رد المحتار (۳)۔

۳... جہالت بے شک بے دینی سے بعید ہے (۴)۔

۴... اس کے لئے کوئی کلی حکم سب کے لئے نہیں، مختلف حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "إن غلبوا على أموالنا وأحرزوها بدارهم، ملكوها الخ". (رد المحتار: ۴/۱۶۰، باب استيلاء الكفار، سعيد)

(وكذا في شرح الوقاية، كتاب الجهاد، باب استيلاء الكفار: ۲/۳۱۰، سعيد)

"إذا غلب كفار الترك على كفار الروم فسبوهم، وأخذوا أموالهم ملكوها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب الخامس في استيلاء الكفار: ۲/۲۳۴، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿واجتنبوا قول الزور﴾ (سورة الحج: ۳۰)

"عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "أربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من نفاق حتى يدعها: إذا حدث كذب". (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق: ۱/۵۶، قديمي)

(۳) "ويكره إمامة عبد ... وفاسق من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر: كشارب الخمر، والزاني، وآكل الربا، ونحو ذلك". (رد المحتار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، سعيد)

(۴) "وإن فعله فعليه غضبه، أو سخطه، أو لعنة الله، أو هو زان، أو سارق، أو شارب خمر، أو آكل ربا، لا يكون قسماً، لعدم التعارف". (رد المحتار مع الدر المختار: ۳/۷۲۴، قبيل مطلب: حروف القسم، سعيد)

مالک نے کہا کہ "باغ کا جو پھل جو لے لے وہ اسی کا ہے"

سوال[۶۸۲۶]: زید ایک پھل کے درخت کا مالک ہے، پھل آنے پر جو پھل پک کر تیار ہو گئے ہیں وہ زید اتار لیتا ہے، اور کچھ جو ابھی کچے ہیں ان کے متعلق کہتا ہے کہ جو چاہے استعمال کرے یعنی اپنی ملکیت سے خارج کر دیتا ہے۔ کیا ایسے پھل ہر کس و ناکس کو استعمال کرنا جائز ہے اور کیا یہ پھل وقف کیے جا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک نے ان کچے پھلوں کو دوسروں کیلئے مباح کر دیا لہذا دوسرے لوگ بھی لے سکتے ہیں، لیکن اپنی ملکیت سے خارج نہیں کیا، نہ کسی کو مالک بنایا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۳/۱۴۰۹ھ۔

کسی کے درخت سے گرا ہوا پھل اٹھانا

سوال[۶۸۲۷]: زید کا ایک باغیچہ ہے اور درخت ہیں، کوے نے بیٹھ کر پھل کو درخت سے نیچے گرا دیا، وہ پھل اسی درخت کے نیچے ہے، اب اگر کوئی شخص اس پھل کو اٹھا کر کھا لے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس گرانے کی وجہ سے وہ پھل زید کی ملک سے نہیں نکلا، بغیر مالک کی اجازت کے اس کا لینا اور کھانا درست نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "ألقى شيئاً وقال: من أخذه فهو له فلمن سمعه أو بلغه ذلك القول أن يأخذه ...... لأنه أخذه على وجه الهبة، وقد تمت بالقبض" (رد المحتار، كتاب اللقطة، مطلب: ألقى شيئاً وقال، الخ: ۲۸۵/۴، سعيد)

(۲) "وحاصل ما في شرحها عن الخانية وغيرها أن الثمار إذا كانت ساقطة تحت الأشجار، فلو في المصر، لا يأخذ شيئاً منها ما لم يعلم أن صاحبها أباح ذلك نصاً أو دلالةً؛ لأنه في المصر لا يكون مباحاً عادةً". (رد المحتار، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطباً، الخ: ۲۸۴/۴، سعيد)

"إذا مر في أيام الصيف بثمار ساقطة تحت الأشجار، فهذه المسئلة على وجوه: إن كان ذلك في الأمصار، لا يسعه التناول منها، إلا أن يعلم أن صاحبها قد أباح ذلك إما نصاً أو دلالة بالعادة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب اللقطة: ۲۹۰/۲، رشيدية)

تجارت ہو اور اس کے والد کی یہ حالت ہو کہ سو روپے کے لئے پریشان ہو۔ اللہ ان سے خوش ہوں گے یا ناراض؟

۷..... والد اپنے لڑکے سے کہتے ہیں کہ تم جو کمائی کرتے ہو اپنے کھانے پینے کو لے لو، باقی روپیہ ہمیں دو۔ تو کیا لڑکا نہ دے تو نافرمان اور گنہگار ہوگا؟

۸..... جو شخص جماعت اور اپنے والدین کی بات نہ مانے اس کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ابتداءً معاملہ کی گفتگو شفیق نے کی، پھر رفیق کو شریک ٹھہرایا، اس کی پختگی کے لئے فیکٹری کے مالک کے پاس بھی رفیق کو لے جاکر سامنے کرادیا اور اس نے شرکت کو منظور کرلیا، لہٰذا رفیق باقاعدہ شرکت دار ہوگا، اور سب خاندان کے کام میں لگنے کو بھی مالک پر ظاہر کرکے حدیث میں اضافہ کرنے کو کہا، اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ خاندان کے لوگ اس کام میں ہم دونوں کی اعانت کریں گے جس کی وجہ سے ان کو بھی کچھ دینا ہوگا۔ پس شرکت دار دو ہیں: شفیق اور رفیق، باقی ان کے معاون ہیں(۱)۔

۲..... شفیق کا انکار غلط ہے۔

۳..... رفیق کو قرارداد کے موافق حصہ کا حق ہے۔

---

(۱) "وشركة الصنائع والتقبل: وهي أن يشترك خياطان، أو صباغ وخياط على أن يتقبلا الأعمال، ويكون الكسب بينهما". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۲/۵۵۶، ۵۶۱، كتاب الشركة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"شركة الأعمال: هي عقد شركة على تقبل الأعمال .... فالأجيران المشتركان يعقدان الشركة على تقبل: أي التزام العمل الذي يطلبه منهما المستأجر سواء متساوياً أو متفاضلاً في ضمان العمل". (شرح المجلة: ۲/۶۳۷، ۶۳۸، (رقم المادة: ۱۳۸۵)، دار الكتب العلمية بيروت)

"الأب والابن يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما مال، فالكسب كله للأب إذا كان الابن في عيال الأب، لكونه معيناً له، ألا ترى أنه لو غرس شجرة تكون للأب. وكذا الحكم في الزوجين إذا لم يكن لهما شيء، ثم اجتمع بسعيهما أموال كثيرة، فهي للزوج، وتكون المرأة معينة له، إلا إذا كان لها كسب على حدة، فهو لها". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۲۹، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

۴… یہ تو بغیر مسئلہ دریافت کئے بھی ہر شخص جان سکتا ہے خود شفیق بھی اور والد صاحب بھی جانتے ہیں کہ کہنا نہ ماننا نافرمانی ہے(۱)۔

۵… جب دو لڑکے اپنے اپنے الگ نہیں تھے کہ نفع ونقصان اپنا اپنا الگ ہوتا، بلکہ فیکٹری کی طرف سے دونوں کا انتظام ہوا تو نفع ونقصان برابر رہے گا، رفیق کو ۱/۲ کے مطالبہ کا حق ہے، اور شفیق کو اس کا دینا ضروری ہے(۲)۔ رفیق کو قانونی مدد لینے کا بھی حق ہے، مگر بہتر اور شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں آپس ہی میں مل کر معاملہ صاف کرلیں تاکہ خاندانی محبت اور تعلق میں بھی فرق نہ آئے۔

۶… والد کا بہت بڑا حق ہے، اپنے اوپر تنگی برداشت کرکے والد کی خدمت کرنا اور ان کو راحت پہونچانا بڑی سعادت ہے(۳)، اس کے برخلاف خود عیش وراحت میں رہنا اور والد کو تنگی میں پڑا رہنے دینا بڑی

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أصبح مطيعاً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً، ومن أصبح عاصياً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فواحداً". قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكوة المصابيح، ص: ۴۲۱، كتاب الآداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، قديمي)

(۲) "الشريكان يستحقان الأجر مناصفة العمل، فإذا عمل أحدهما وحده ولم يعمل الآخر بأن مرض أو سافر أو توانى، فيقسم الربح والأجرة بينهما على الوجه الذي شرطاه" (شرح المجلة: ۲/۴۹۷، (رقم المادة: ۱۳۸۲)، دار الكتب العلمية بيروت)

"أن يشترك الخياطان أو الصباغان أو الإسكافيان على أن يتقبلا الأعمال ويعملا على أن يكون الكسب بينهم نصفين ... وكذلك اشترطا أن تكون الوضيعة بينهما أثلاثاً فلا يجوز ذلك مطلقاً" (النتف في الفتاوى، كتاب الشركة، شركة الأبدان، ص: ۳۳۵، سعيد)

(وكذا في رد المحتار: ۴/۳۲۳، كتاب الشركة، مطلب في شركة التقبل، سعيد)

(۳) "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "بينما ثلاثة نفر يتماشون أخذهم المطر، فمالوا إلى غار في الجبل، فانحطت على فم غارهم صخرة من الجبل، فأطبقت عليهم، فقال بعضهم لبعض: انظروا أعمالاً عملتموها لله صالحة فادعوا الله بها لعله يفرجها، فقال: اللهم! إنه كان لي والدان شيخان كبيران، ولي صبية صغار، كنت أرعى عليهم، فإذا رحت عليهم، فحلبت بدأت -

ہو گیا تھا تو اس میں بکر کا حق نہیں تھا، بکر نے اس میں روپیہ خرچ بھی نہیں کیا تھا، زید نے ہی اپنا ذاتی روپیہ خرچ کیا تھا۔ پھر زید اور بکر کے انتقال کے بعد اس کھیت کو مشترک مان کر دونوں کے ورثاء کے درمیان مشترک قرار دینا بھی صحیح نہیں، وہ صرف زید کے ورثاء کا ہے، مشترکہ خرچ کا قرضہ اگر زید کی اولاد پر معاہدہ کے ماتحت ڈالدیا گیا اور اس نے تسلیم کرلیا تو اس کے ذمہ ہی اس کا ادا کرنا ہے۔ اگر زید نے اپنی زندگی میں بکر کو شریک مان لیا تھا تو وہ کھیت اب دونوں کے ورثاء کا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

شرکت میں نقصان ایک شریک پر ڈالنا

سوال[۶۸۲۰]: زید نے عمر کو روپیہ دیا اور کہا کہ ہم دونوں شرکت کے ساتھ تجارت کریں گے اور جو نفع ہوگا وہ دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ کچھ دن گذرنے کے بعد زید نے عمر سے کہا کہ تم نفع کا ایک حصہ لوگے اور بقیہ نفع کے تین حصے لینا، مگر شرط یہ ہے کہ تجارت میں جو کچھ نقصان ہوگا وہ نقصان تمہارے ذمہ ہوگا۔ تو اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر روپیہ دونوں نے دیا ہے تو یہ شرکت ہے، اس میں نقصان کو صرف ایک شریک پر ڈالنا درست نہیں(۲)؛

= (وكذا في قواعد الفقه، ص: ۸۴، (رقم القاعدة: ۱۹۹)، الصدف پبلشرز، كراچي)

(۱) "يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء، والمستحقون للتركة عشرة أصناف مرتبة" (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۴۷، كتاب الفرائض، الباب الأول، رشيدية)

(۲) "وإن شرطا أن يكون الربح والوضيعة بينهما نصفين، فشرط الوضيعة نصفين فاسد، ولكن بهذا لا تبطل الشركة؛ لأن الشركة لا تبطل بالشروط الفاسدة، وإن وضعا فالوضيعة على قدر رأس مالهما" (الفتاوى التاتارخانية: ۵/۵۲۵، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، إدارة القرآن كراچي)

"الربح على ما شرطا، والوضيعة على قدر المالين" (فتح القدير، كتاب الشركة، فصل =

اگر روپیہ زید کا ہے اور محنت عمر کرے گا تو یہ مضاربت ہے(۱)، نقصان مضارب پر ڈالنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک شریک کا دوسرے شریک کے حصہ کو فروخت کرنا

سوال[۲۸۴۱]: ایک ملکیت جس میں دو آدمیوں کا حق ہے، ایک کا حق ۱۲/ آنے کا اور دوسرے کا حق چار آنے ہے، اگر یہ ملکیت فروخت کی جائے اور پہلا شخص ۱۲/ آنے کا حصہ دار دوسرے شخص چار آنے کے حقدار کو بتلائے کہ ملکیت دس ہزار روپے میں فروخت کی گئی، مگر وہ بیچی گئی ہو اسّی ہزار روپے میں، اگر لینے والا شہادت دے پہلے شخص سے مل کر کہ یہ سودا دس ہزار روپے میں طے ہوا ہے۔ اس وقت دوسرے شخص کا جو حق مارا جاتا ہے اس کے لئے پہلے شخص پر کتنی ذمہ داری ہے، نیز خریدنے والا جھوٹی شہادت دے، اس پر کتنی ذمہ

= ولاتبطل الشرط البيع: ۶/۷۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وإن شرط الوضيعة والربح نصفان، فشرط الوضيعة نصفان فاسد؛ لأن الوضيعة هلاك جزء من المال، فكان صاحب الألفين شرط ضمان في ما هلك من ماله على صاحبه، وشرط الضمان على الآخر فاسد، ولكن بهذا لا تبطل الشركة، حتى لو عملا وربحا فالربح بينهما على ما شرط، فالشركة مما لا تبطل بالشروط الفاسدة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۱۰۳، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، نوع منه في شرط الربح والوضيعة وهلاك المال، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۱) "المضاربة عقد على الشركة بمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الآخر، ولا مضاربة بدونها". (الهداية، كتاب المضاربة: ۳/۲۵۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "ويبطل الشرط كشرط الوضيعة: هي الخسران على المضارب؛ لأن الخسران جزء هالك من المال، فلايجوز أن يلزم غير رب المال، لكنه شرط زائد يوجب قطع الشركة في الربح، ولا الجهالة فيه فلايفسد المضاربة؛ لأنها لاتفسد بالشروط الفاسدة كالوكالة". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب المضاربة: ۸/۴۵۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۴۷، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه، كوئٹه)

لئے رسید وغیرہ نہ لی گئی اور نہ ہی پیسہ کسی کے سامنے دیا گیا۔ اس کارخانہ کے پیچھے میرے دیور نے خوب محنت کی اور کارخانہ کی مالیت بڑھ کر پچیس ہزار تک ہوگئی۔

کارخانہ میں پیسہ لگانے کے بعد میرے شوہر بھی حصہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ طے یہ پایا تھا کہ آفس کا کام میرے شوہر کریں گے، ٹیکنیکل کام میرے دیور کریں گے۔ جس وقت آکر انہوں نے پیسہ لگانے کی پیش کش کی تھی تو مجھ سے بڑے وعدے وعید کئے تھے، جب کارخانہ خوب ترقی کر گیا تو میرے شوہر اور میرے دیور کی نہ بننے لگی، بات بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک پہونچ گئی اور میرے دیور کے سر میں چوٹ بھی آئی تھی۔ اس کے بعد میرے شوہر علیحدہ ہوگئے، مگر چونکہ بات اس قدر بڑھ چکی تھی کہ میرے دیور نے ایک پیسہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بھائی نے کارخانہ میں پیسہ مار کے کھایا ہے، اس لئے اب میں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا، اور سر کی چوٹ پر کہا کہ دراصل یہ میرے قتل کی سازش تھی۔

اب ہمارے لئے بڑی پریشانی کی بات تھی، کیونکہ ذریعہ آمدنی کچھ نہ تھا اور افراد خانہ تیرہ ہیں۔ آخر میں نے جا کر ان کے ہاتھ پاؤں پکڑے، اس کے بعد میں نے نوکری کر لی(۱)، جب وہ ہر طرح سے انکار کر دیئے تو میں نے بہت عاجزی سے کہا کہ آپ میرے بچوں کی پڑھائی ختم ہونے تک قرض مجھ کو دے دیجئے، میں بعد میں ادا کر دوں گی۔ انہوں نے کہا: خیر اب میں خود آپ لوگوں کا پیسہ رکھنا نہیں چاہتا، تھوڑا تھوڑا کر کے ایک ایک ماہ کے وقفہ سے ادا کر دوں گا، اس طرح انہوں نے ہمیں دو تین سال تک تین سو روپیہ ماہ دیئے۔ اس کے بعد کچھ خاندانی جھگڑے ہونے تو پیسے بند کر دیئے، پھر اتنی پھر گئی تو بولنے لگے کہ اب میں اتنے نہیں دے سکتا، میری بچی کی شادی ہوئی، صرف دو سو دوں گا، ہم اس پر بھی راضی ہوگئے، مگر دو سال دینے کے بعد بولے کہ اب میں ایک سو دوں گا، ہم نے اس پر بھی صبر کر لیا۔

چار ماہ کے بعد سو روپیہ دے کر کہہ رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہیں دوں گا، میرے سے کچھ نہیں ہو سکتا، اصل رقم جو کارخانہ میں لگائی تھی تو اس کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ سب اسی میں ادا ہوگئی، یہ میری مہربانی تھی جو اب تک دیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے بتایئے کہ ان کا یہ فیصلہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

---

(۱) "نوکری کرنا: ملازمت کرنا، چاکری کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۸۷، فیروز سنز لاہور)

بلا اجازت شرکاء ایک شریک کا مشترک زمین میں کاشت کرنا

سوال [۲۸۴۴]: ۱... زید، عمر، بکر، خالد کا مشترک باغ ہے جس کی تقسیم ان چاروں کے درمیان نہ قانونی ہوئی اور نہ باہمی رضامندی سے۔ اب اگر ایک شریک اس میں کاشت کرے اور دوسرے شرکاء کو کچھ نہ دے تو ایسی صورت میں دوسرے شرکاء کا منافع طلب کرنا یا حساب کرنے کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ میں نے جو کچھ کاشت کی ہے وہ اپنے حصہ رسد کے اندر ہی کی ہے اس لئے دوسرے شرکاء کی رضامندی کی ضرورت نہیں؟

۲... اس باغ کے متعلق ایک انجن شرکاء نے خریدا تھا جو باغ کا ہوا تھا، ایک شریک نے اس کو وہاں سے ہٹا کر اپنی زمین میں لگا لیا جس سے باغ کو نقصان ہوتا ہے، کیا بقیہ شرکاء کو نقصان طلب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... بغیر دیگر شرکاء کی رضامندی کے اس کو کاشت نہیں کرنا چاہیے، تقسیم کرائے پھر اپنے حصہ میں کاشت کرے، لیکن موجودہ صورت میں جب اس نے اپنے حصہ ہی میں کاشت کی ہے اور دیگر شرکاء نے اجازت نہیں دی تو ان کو پیداوار میں سے حصہ طلب کرنے کا بھی حق نہیں (۱)۔

---

(۱) وكذا في البحر الرائق: ۵/۲۹۶، كتاب الشركة، مكتبة رشيدية كوئٹه

(۱) "والكرم والأرض إذا كان مشتركاً بين رجلين وأحدهما غائب، أو كان الأرض بين بالغ ويتيم، يرفع الأمر إلى القاضي، فإن لم يرفع الأمر إلى القاضي وزرع الأرض بحصة، طاب له". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الشركة: ۳/۶۱۹، فصل في شركة العنان، رشيدية)

"إذا زرع أحد الشركاء الأراضي المشتركة، فللآخر أن يطلب حصته من المحصولات على عادة البلدة مثل الثلث أو الربع". (شرح المجلة: ۱/۶۰۳، رقم المادة: ۱۰۷۶، مكتبة حنفية كوئٹه)

"كذلك لو زرع واحد مستقلاً أرضاً بمشتركها بالاشتراك مع آخر بلا إذنه، فللشريك بعد استرداد حصته من الأرض أن يضمنه ما يصيبه من نقصانها الذي حدث بزراعته، وليس له أن يأخذ من المزارع حصة بنسبة من الغلة". (شرح المجلة: ۱/۵۰۵، ۵۰۶، رقم المادة: ۱۰۷۹، مكتبة حنفية كوئٹه)

ج..... اس شریک کے لئے اس انجن کو باغ مشترکہ سے منتقل کر کے اپنی ذاتی انفرادی زمین میں لگانے کا حق نہیں تھا، اس نے غلطی کی، اس کی وجہ سے باغ کو جو نقصان پہونچا ہے، اس سے دیگر شرکاء کو وصول کرنا درست نہیں، جتنے روز اس نے اپنی زمین میں انجن استعمال کیا ہے، اس کا معاوضہ بھی اس سے وصول کرنے کا حق نہیں، اگرچہ اس کا استعمال کرنا غلط، حق تلفی اور ایک قسم کا غصب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۹ھ۔

مشترکہ آمدنی سے بچا کر روپیہ الگ رکھنا اور اس سے مکان خریدنا

سوال[۶۹۳۵]: بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین۔

مابعد! جناب مولانا مولوی مفتی صاحب!

السلام علیکم!

عرض کہ فدوی پانچ بھائی تھے اور ہمارے باپ ماں بھی حیات ہیں، میں سب سے بڑا بھائی ہوں اور سب میرے سے چھوٹے تھے اور ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے، اور سب بھائیوں میں میں ہی کمانے کے قابل تھا، کیونکہ دو بھائی چھوٹی عمر کے تھے، اور ان سب کو کام سکھائے گئے۔ اب ایک بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، اس وقت چار بھائی موجود ہیں اور تین بہنیں موجود ہیں۔

ایک بھائی جو کہ میرے سے چھوٹا اور دو سے بڑا ہے، اس کو درزی کا کام سکھایا گیا ہے، پہلے وہ اس قابل نہیں تھا کہ کچھ کما سکے سب اکٹھے اپنی گذر اوقات کرتے رہے، اور ان کو کام سکھاتے رہے۔ جب وہ بھائی کمانے کے قابل ہوگیا، اس وقت وہ اپنی کمائی علیحدہ جمع کرتا رہا حتی کہ اپنا خرچہ خوراک بھی ہم کو نہیں دیتا تھا اور ماں باپ اس کو ہر چیز سمجھاتے رہا کرتے تھے کہ تم کو یہ مناسب نہیں کہ تم اپنی کمائی الگ جمع کرتے رہو، تم اور ہم

---

(۱) "لو استعمل واحد مالاً أو عطل منافعه كما إذا غصب حيوانا فأمسكه ولم يستعمله بدون إذن صاحبه، كان غاصباً، فلا يلزمه ضمان منافعه" (شرح المجلة: ۱/۳۱۸، رقم المادة: ۵۹۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"منافع الغصب استوفاها أو عطلها، فإنها لا تضمن عندنا". (الدر المختار، كتاب الغصب، مطلب في ضمان منافع الغصب: ۶/۲۰۶، سعيد)

اپنا خرچ ان کو دیتے رہا کرو، مگر وہ کچھ خیال نہیں کرتا تھا۔ اس کی شادی بھی شاملات میں رہتے ہوئے کردی گئی، شادی ہونے پر اس نے کوئی خرچ اپنا اور اپنی بیوی کا نہیں دیا، عرصہ تک دونوں میاں بیوی کا خرچ دیتے ہمارے ہی شاملات میں رہتے رہے۔

جب اس کو بہت کہا گیا تو کبھی کبھی پچاس روپے دیا کرتا، اس کے بعد ایک مکان علیحدہ خرید لیا۔ جس وقت وہ علیحدہ ہونے لگا اس وقت اس کو کہا گیا کہ جب تک اور بھائی بہنوں کی شادی نہ ہو جائے اور یہ بھائی کمانے کے قابل نہ ہو جائیں، اس وقت تک تم کو علیحدہ ہونا ٹھیک نہیں، مگر وہ نہ مانا اور مکان خرید کر علیحدہ ہو گیا، اور اسی رقم سے اس نے مکان خریدا جو اس نے کما کر اکٹھا کی تھی۔ ہمارے ذمہ جو قرض بھی ہو گیا، اس میں بھی اس نے کچھ نہیں دیا۔

اس نے جو مکان خریدا وہ قابل مرمت تھا، چونکہ معماری کا کام جانتا تھا، بہت دن تک مزدوری اس میں خرچ کی اور خیال یہ تھا کہ عرصہ اس کے اندر رہے گا تو کچھ عرصہ کے بعد کرایہ پر لوں گا اور اگر فروخت کرے گا تو مزدوری وصول کر لوں گا۔ جب سے علیحدہ ہوئی ہے اس وقت سے وہ اس کوشش کررہا ہے کہ مکان فروخت کرکے پاکستان چلا جائے، اس کو ہر چند کہا گیا کہ مکان فروخت نہ کرو، مگر وہ نہیں مانتا۔ مکان فروخت کرنے کی غرض سے ایک سال سے اپنے آپ کو بچوں اور بیوی کی حالت میں تبدیل کر رکھا ہے، وہ چاہتا ہے کوشش کررہا ہے کہ مکان فروخت کردے، حالانکہ اس وقت بھی اس کے پاس چھ سو روپیہ نقد اور اتنے کے زیورات موجود ہیں۔

اس کو کہا جاتا ہے کہ اس رقم اور زیورات میں سب کا حصہ ہے، ان کو بھی دینا چاہئے، مگر وہ نہیں مانتا، حالانکہ ماں باپ بہت ضعیف ہیں اور زندگی مشکل سے بسر کرتے ہیں اور بھائی بھی ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ اپنا خرچ خود برداشت کر سکیں، یہاں تک کہ ماں باپ سے وہ کبھی ملاقات نہیں کرتا، اپنی بیع کردہ رقم اپنے سسرال والوں کے پاس رکھتا ہے۔ کیا دوسروں کو وہ رقم دینی جائز ہے، جبکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ رقم سب کی ہے اور شاملات میں رہتے ہوئے کمائی گئی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ رقم اس نے کسی سے چوری نہیں کی، بلکہ خود کمائی ہے تو یہ چوری کا مال نہیں، نیز اس کے پاس جو

رقم رکھی ہے، اس کو رکھنا درست ہے۔ اگر ماں باپ اور بھائیوں کے مال کو چوری کرکے رقم جمع کی ہے تو یہ چوری کا مال ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص کو رقم کا رکھنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۶۲۸۳]: ۱... اس رقم کے اندر ماں باپ، بھائی، بہو کا حق ہے یا نہیں؟

۲... جو مکان اس نے خریدا ہے اس کے اندر بھوجیوں کا حق ہے یا نہیں؟

۳... اس کو اس طرح علیحدہ ہونا جائز تھا جب کہ بھائیوں کی شادیاں نہیں ہوئیں اور بہو بیروزگار بھی نہیں؟

۴... اس کو قرضہ دینا جائز تھا یا نہیں جو کہ شاملات میں رہتے ہوئے ہوا؟

۵... اگر وہ مکان فروخت کرے تو جو مزدوری میری خرچ ہوئی ہے، لینا جائز ہے یا نہیں؟

۶... اگر وہ رقم ہمیں دے تو اس کو ماں باپ، بھائی بہنوں میں کس طرح تقسیم کریں؟

۷... اس شخص کے لئے کچھ سزا ہے یا نہیں، جو کہ سب بات کو جانتے ہوئے اس کی رقم رکھتا ہے؟ اور

---

(۱) اس صورت میں اس رقم کو رکھنا اعانت علی المعصیۃ کی بنیاد پر رکھنا جائز نہیں

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان، واتقوا اللہ، إن اللہ شدید العقاب﴾ (سورۃ المائدۃ: ۲)

"یأمر تعالیٰ عبادہ المؤمنین بالمعاونۃ علی فعل الخیرات وھو البر والتقوی وترک المنکرات، وینھاھم عن التناصر علی الباطل والتعاون علی المآثم والمحارم". (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲، تفسیر سورۃ المائدۃ، دار الفیحاء بیروت)

"﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآیۃ، فیعم النھي کل ما ھو من مقولۃ الظلم والمعاصي" (روح المعاني: ۶/۵۵، (سورۃ المائدۃ: ۲)، دار إحیاء التراث العربي بیروت)

"فإن ثبت کراھۃ لبسھا للتختم، ثبت کراھۃ بیعھا وصیغھا لما فیہ من الإعانۃ علی ما لا یجوز، وکل ما أدی إلی ما لا یجوز، لا یجوز". (الدر المختار: ۶/۳۶۰، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في اللبس، سعید)

۲.....اس میں بھائیوں کا حق نہیں۔

۳. علیحدہ ہونا اس کو جائز ہے، لیکن ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ دور کر کھانا، بیٹھنا، اور اپنی کمائی علیحدہ خرچ کرنا بہت بڑی بے مروتی اور انتہائی احسان فراموشی ہے جس کا نتیجہ بہت خراب ہے(۱)۔

۴..... جس طرح وہ کھانے پینے میں سب کے شریک رہا اس کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں جو قرض ہوا، اس کے ادا کرنے میں بھی سب کے ساتھ شریک رہے۔

۵..... اگر کوئی معاملہ طے کیا ہے تو اس معاملہ کے موافق مزدوری لینا درست ہے، محض دل میں رکھنا اور نیت کر لینا کافی نہیں(۲)۔

۶..... اس کی سعادت یہ ہے کہ والدین کی خدمت میں وہ رقم پیش کر دے، پھر والدین سب کو برابر دے دیں۔

۷..... اس کا جواب سب سے پہلے نمبر میں آ گیا۔

۸..... اس کو نصیحت کی جائے والدین کے حقوق بتائے جائیں(۳)، اگر نہ مانے تو اس کے لئے

---

(۱) "أنت ومالك لأبيك". بمعنى: أن أباك كان سبب وجودك ووجودك سبب وجود مالك، فصار له بذلك حق كان به أولى منك بنفسك، فإذا احتاج فله أن يأخذ منه قدر الحاجة". (فيض القدير: ۵/۹۰۰، ۳۳، (رقم الحديث: ۲۷۲۱)، مكتبه نزار مصطفى الباز)

(۲) "تنعقد الإجارة بالإيجاب والقبول كالبيع. الإيجاب والقبول في الإجارة عبارة عن الكلمات التي تستعمل لعقد الإجارة". (شرح المجلة: ۱/۲۳۳، رقم المادة: ۴۳۳، ۴۳۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والأصل أن التصرفات في الذمة لاتجب إلا بأحد الأمرين: إما بأخذ أو بشرط، فإذا عدما لم تجب، والشرط قبول العقد كالشراء والاستيجار والكفالة ونحوها". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۶)، ص: ۵۱، صدف پبلشرز)

نوٹ: لیکن سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ معاملہ طے نہیں کیا ہے، اس لئے مزدوری لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

(۳) "عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على إقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والنصح لكل مسلم". (صحيح البخاري، باب: ۱/۱۲۸، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۵۴، قديمي)

دعائے خیر کی جائے اور معاف کر دیا جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سب پریشانیوں پر بہت بڑا اجر ملے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/ شوال/ ۶۷ھ۔

ہوٹل کے ایک شریک کا اپنے دوستوں کو مشترکہ کھانا کھلانا

سوال[۷۶۸۳]: ایک ہوٹل میں زید، عمر، بکر، تینوں شریک تھے۔ زید کے ملنے والے آدمی ہوٹل آتے ہیں اور چائے کھانا وغیرہ بعض مرتبہ یا اکثر اوقات کھلانا پڑتا ہے اور زید کے دل میں خیال آتا ہے چونکہ ہوٹل میں کئی آدمی شریک ہیں، ایسا نہ ہو کہ عمرو بکر اس بات کا خیال کریں کہ زید کے آدمی چائے وغیرہ پیتے ہیں، لہذا زید نے عمرو بکر سے یہ بات کہہ دی کہ اگرچہ آپ کو خیال نہ ہو، برا نہ لگتا ہو، مگر میرے دل میں یہ بات گوارا نہیں، لہذا ہم یہ فیصلہ آپس میں کرلیں کہ تین چار سال کا تخمینہ آمدنی دیکھیں کہ ہوٹل کی آمدنی ہماری کیا ہے۔

چنانچہ حساب لگایا تو تین ہزار روپیہ کی ہمارے آمدنی ہوئی، لہذا زید چاہتا ہے کہ عمرو بکر کو یعنی دونوں کو ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار ادا کردے۔ خواہ ہوٹل میں اتنی ہی آمدنی ہو یا کم ہو یا زیادہ ہو بہرصورت دونوں کو ایک ایک ہزار روپے دیدیا کرے۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے ملنے والے آدمی چائے، کھانا تینوں کا مشترک کھاتے پیتے ہیں اور زید ان سے قیمت نہیں لیتا ہے، عمرو بکر بھی زید کے تعلق کی بناء پر اس کو برداشت کرلیتے ہیں، یہ ان کا زید پر احسان ہے، زید اگر اس احسان کے عوض بے مطالبہ ان کو کچھ رقم دیدیا کرے (ایک ہزار یا کم وبیش حسب صوابدید) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۰/ ۹۰ھ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين﴾. (سورة الأعراف: ۱۹۹)

(۲) یعنی شرکت کا معاملہ برقرار رہتے ہوئے اپنی جیب سے ایک ایک ہزار روپیہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ زید کی طرف سے احسان کا بدلہ ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿هل جزاء الإحسان إلا الإحسان﴾ (سورة الرحمن: ۶۰)

ایک شریک کا مشترکہ مکان سے نفع اٹھانا

سوال [۶۹۲۸]: مسمی عبداللہ نے ۱۹۰۱ء میں ایک مکان تعمیر کرایا جس میں وہ خود اور اس کے تین لڑکے زید، عمر، بکر رہتے ہیں۔ مکان کے اندر ایک قطعہ زمین خالی پڑی تھی جس کو عبداللہ کے بڑے لڑکے نے باجازت والد یا شرکت غیر اپنے پیسے سے تعمیر کرایا۔ مسمی عبداللہ نے اپنی حیات میں ہی مکان کو تین حصوں میں تقسیم کردیا، لیکن زید کو کچھ حصہ زیادہ بوجہ زیادہ بال بچے دار ہونے کے، اس کو تینوں نے بخوشی منظور کرلیا۔ بوقت تقسیم زید کے علاوہ عمر اور بکر بھی تھے جن کی عمر تقریباً بیس اور پچیس سال کے درمیان تھی۔

عرصہ تقریباً چالیس سال کا ہوا ہے کہ عمر اور بکر نے بغرض کسب معاش اپنے آبائی مکان کو بالکل چھوڑ کر دوسرے ضلع میں سکونت اختیار کرلی۔ تین دہائی گذرنے کے بعد عمر و بکر اب مکان میں مساوی حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء سے لے ۱۹۶۵ء تک بھی دونوں نے مکان سے کوئی تعلق نہیں رکھا، نہ کبھی مرمت کرائی اور نہ کسی قسم کی مالی یا غیر مالی امداد کی۔ چونکہ زید ہی اس میں رہتا رہا ہے، اس لئے تمام ذمہ داری مکان کی اسی پر رہی۔ بوجہ پرانا ہونے کے جب مکان کے حصے گرتے رہے تو ہمیشہ زید نے ان کو مکمل اپنے پیسے سے تعمیر کرایا۔

زید نے کہا کہ اگر تم حصہ کا مطالبہ کرتے ہو تو ۲۵ برس میں جو رقم تعمیر میں خرچ ہوئی اس کا نصف حصہ دو، تب تم حصہ دار بن سکتے ہو۔ لیکن عمر و بکر بلا ادائیگی حصہ چاہتے ہیں، اس میں عند الشرع کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عبداللہ نے وہ مکان تینوں لڑکوں کو ہبہ کردیا اس طرح کہ ہر ایک کا حصہ جداگانہ ممتاز کرکے ایک کو قبضہ کرادیا، اور انہوں نے قبضہ اٹھالیا تو ہبہ تام اور نافذ ہوگیا (۱) اور تینوں کی ملکیت اپنے اپنے حصہ پر ثابت ہوگئی۔ پھر اگر

(۱) "تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل، لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۴۶۲، رقم المادة: ۸۳۷، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وهي أي الهبة تمليك عين بلا عوض، وتصح بإيجاب وقبول، وتتم بالقبض الكامل". (مجمع الأنهر: ۳/۴۹۲، كتاب الهبة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وركنها الإيجاب والقبول، وحكمها ثبوت الملك للموهوب له غير لازم، وتتم الهبة

ان کے حصہ کی جگہ خالی کردے (۱)۔ جس بات پر راضی ہو کر تصفیہ کریں بہتر ہے، مقدمہ عدالت میں لے جانے سے بہت نقصان ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۵ھ۔

کارخانہ میں بیس فیصد نقصان برداشت کرنے کی شرط لگانا

سوال [۶۸۳۰]: ایک کارخانہ دار نے اپنے کارخانہ کے لئے ایک شخص سے روپیہ لیا ہے جس نے آمدنی میں تقسیم کے حساب کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرلیا کہ اگر نقصان ہوتو اپنے لگائے ہوئے روپیہ میں بیس فیصد سے زیادہ کو برداشت نہیں کروں گا، حالانکہ نقصان اصل مال کا شرکت قیمت کے حساب سے برداشت کرنا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ کارخانہ مذکورہ کی آمدنی اس غلط معاملہ کی وجہ سے حلال ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقصان کی اس تحدید کی بناء پر کارخانہ کی کل آمدنی کو حرام نہیں کہا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك، له أن ينقض بناءه". (الفتاوى الكاملية، ص: ۵۰، كتاب الشركة، مكتبه حقانيه پشاور)

"وإذا بنى أحد الشركاء في الملك المشترك القابل القسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الآخر فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۲۷، رقم المادة: ۱۱۷۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية ۱/۸۸، كتاب الشركة، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۲۹۸، كتاب القسمة، سعيد)

(۲) شریک کا کارخانہ دار کے ساتھ بیس فیصد نقصان قبول کرنے پر معاہدہ کرنا شرعاً فاسد ہے اور شرکت کا معاملہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط ہی لغو ہو جاتی ہے، اس لئے مذکورہ معاملہ درست ہے: =

مکانِ مشترک کے پرانے کواڑوں کو اپنے کام میں لانا

سوال[۲۸۰۰]: مشترکہ مکان کے کوئی حصہ دار نے مکان کے پرانے اور شکستہ کواڑوں کو نکلوا کر اپنے پاس سے نئے کواڑ لگوادیئے تو ان کواڑوں کو جو قیمت میں نئے سے کم ہے وہ دیگر حصہ دار سے کہے بغیر اپنے خرچ میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نئے کواڑ اپنے پاس سے لگا کر پرانے اور شکستہ کواڑوں کو اپنے کام لاتا ہے تو درست ہے جبکہ شرکاء کو اس پر اعتراض نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= "إن شرطا أن يكون الربح والوضيعة بينهما نصفين، فشرط الوضيعة بصفة فاسد، ولكن بهذا لاتبطل الشركة؛ لأن الشركة لاتبطل بالشروط الفاسدة. وإن وضعا فالوضيعة، على قدر رأس مالهما".

(الفتاوى التاتارخانية، الفصل الرابع في العنان: ٥/٤٥٥، إدارة القرآن كراتشي)

"وإن شرط الوضيعة والربح نصفين، فشرط الوضيعة نصفان فاسد؛ لأن الوضيعة هلاك جزء من المال، فكان صاحب الألفين شرط ضمان مماهلك من ماله على صاحبه، وشرط الضمان على الآخر فاسد، ولكن بهذا لاتبطل الشركة، حتى لو عملا وربحا بينهما على ماشرطا، فالشركة ممالاتبطل بالشروط الفاسدة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ٢/١٠٢، كتاب الشركة، الفصل الرابع في العنان، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) شریک سے پوچھے بغیر نئے کواڑ لگوانا تبرع ہے اور پرانے کواڑ شریک کی اجازت سے لے جانا مشترک چیز میں تصرف ہے جو کہ شریک کی اجازت سے جائز ہے:

"إذا رمّ الشريك الملك المشترك بدون إذن من شريكه أو من الحاكم، كان متبرعاً".

(شرح المجلة: ١/٩٩٩، (رقم المادة: ١٣١١)، مكتبه حنفيه كوئته)

"كل من الشركاء في الشركة أجنبي في حصة سائرهم، فليس أحدهم وكيلاً عن الآخر، ولايجوز له من ثم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه". (شرح المجلة: ١/٦٠٠، (رقم المادة: =

مشترکہ زمین پر کسی حصہ دار کا مکان تعمیر کرنا

سوال [۱۹۳۱]: ایک بنگلہ میں کچھ حصہ داران تھے، ان میں سے ایک زید کے اوپر گورنمنٹ کا کچھ قرضہ باقی تھا، قرض ادا نہ کرنے پر زید کا حصہ گورنمنٹ کی طرف سے نیلام کردیا گیا، اس حصہ کو بکر نے خرید لیا، دوسرے حصہ داران کا حصہ بدستور قائم رہا۔ بکر نے کچھ حصہ داران کا حصہ بھی خرید لیا، دو حصہ داران نے اپنا حصہ فروخت کرنے سے انکار کردیا۔ بنگلہ کا جب نیلام خریدا گیا تو بنگلہ بالکل منہدم تھی، بکر نے خود اس کو تعمیر کیا۔ اس کے بعد اس کو گورنمنٹ نے کرایہ پر لے لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد گورنمنٹ نے ۱۸/ ہزار روپے کی رقم دے کر بنگلہ خریدنا چاہا، مگر بکر نے انکار کردیا ہے، بکر نے اپنی زوجہ کے مہر میں بنگلہ کو لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بکر کا انتقال ہوگیا، زوجہ بکر نے بھی ۱۸/ ہزار کی قیمت لینے سے انکار کردیا اور مقدمہ گورنمنٹ پر دائر کردیا، ۲۰/ برس تک مقدمہ چلتا رہا، اس دوران میں خرچ مقدمہ سب بکر کی زوجہ نے ادا کیا۔ اب ایک حصہ دار نے خفیہ عدالت میں دعویٰ دائر کردیا کہ ہمارا بھی حصہ ہے، مگر عدالت نے یہ کہہ کر باطل کردیا کہ دعویٰ میعاد مدت کے بعد کیا گیا ہے، دوسرے حصہ دار حقیقی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہوگیا، ان کے اہل وعیال حیات ہیں۔

اب زوجہ بکر مقدمہ جیت گئی اور گورنمنٹ نے ۱۸/ ہزار سے بڑھ کر ۵۴/ ہزار کی رقم بطور قیمت ادا کردی۔ ایک تیسرے حصہ دار کو ان کا معاوضہ الگ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور کچھ کاشتکاروں کا حصہ ان کے ہاتھ میں دیا، پھر زوجہ بکر کو ان کا حصہ دیا۔ سوال یہ ہے

- ۱۰۷۵)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنه". (شرح المجلة: ۱/۱۰، رقم المادة: ۹۶، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"کل واحد من الشریکین أو الشرکاء شرکة ملک أجنبی فی حصة الآخر، حتی لایجوز له التصرف فیه إلا بإذن الآخر کغیر الشریک، لعدم تضمنها الوکالة". (مجمع الأنهر، کتاب الشرکة: ۲/۵۴۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی ردالمحتار: ۴/۳۰۰، سعید)

۱..... عدالت سے جن دو حصہ داروں کا حق باطل ہو گیا تھا اپنے حصہ کی رقم میں سے معاوضہ دے۔

۲.....اگر ان کا حصہ دینا فرض ہے تو ۱۸/ ہزار میں سے دے یا جو مقدمہ لڑ کر ۳۵/ ہزار رقم لی ہے، اسی میں سے دے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکر نے جب از سر نو بلڈنگ تعمیر کی اور وہاں دو حصہ داروں کا بھی حصہ تھا جنہوں نے فروخت نہیں کیا تھا، تو گیا بکر نے ان دونوں سے کہا تھا کہ میں تعمیر کر رہا ہوں، تم لوگ اس جگہ کو تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کرو تاکہ اس پر میری تعمیر ہو، اور تم کو اختیار ہے کہ تم اپنی تعمیر جدا گانہ کر دو یا بلا تعمیر رہنے دو، یا فروخت کر دو یا ہبہ کر دو، یا وقف کر دو۔ اگر تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ نہیں کیا تو میرے ہاتھ فروخت کر دو تاکہ پوری زمین پر میری تعمیر رہے۔ اگر فروخت نہیں کرتے تو تعمیر میں جتنی رقم خرچ ہوئی ہے، اپنے حصہ کی نسبت سے اس میں شریک رہو، یعنی اتنی رقم تمہارے ذمہ ہوگی تاکہ تم تعمیر میں بھی حصہ دار رہو۔

اگر رقم میں بھی شرکت نہیں کرتے تو اپنے حصہ کی زمین مجھے کرایہ پر دیدو تاکہ تعمیر کل میری رہے اور تمہارے حصہ کے بقدر زمین کا کرایہ میں تم کو ادا کرتا رہوں، اگر کرایہ پر بھی نہیں دیتے تو اپنے حصہ پر تعمیر کرنے کی مجھے اجازت دے دو، جب تم چاہو گے میں اپنی تعمیر ہٹا کر تمہارے حصہ کی زمین خالی کر دوں گا۔ ان پانچ صورتوں میں سے اگر کوئی صورت پیش آئی ہو تو اس کے موافق معاملہ رہے گا۔

اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں بلکہ بکر نے خود ہی اس پر اپنی تعمیر کر لی تو اتنی مدت کا کرایہ ان کے حصہ کی زمین کا لازم ہوگا(۱) مدت طویل ہونے کی وجہ سے ان کا حصہ باطل اور ختم ہوگا نہیں(۲)۔ پھر جب گورنمنٹ نے اس کی قیمت ادا کر دی تو وہ قیمت محض زمین کی نہیں بلکہ بلڈنگ کی ہے جس میں کسی دوسرے کی کوئی رقم خرچ نہیں ہوئی، لہٰذا بلڈنگ تعمیر ہونے سے لے کر اس کے فروخت ہونے کے وقت تک جتنا کرایہ ان دونوں کے حصہ کی زمین کا دو تجربہ کار متدین آدمی تجویز کریں وہ ادا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) جب بکر نے دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر مشترک زمین پر اپنے لئے مکان بنایا تو یہ مکان بکر کا ہو گیا، لیکن یہ غصب ہے =

ــہ اور غصب میں منافع مضمون نہیں ہیں، اس لئے دوسرے شرکاء گذشتہ مدت کی اجرت کے مستحق نہیں ہیں، البتہ شرکاء کو مکان اور زمین تقسیم کرنے کا حق حاصل ہے، اگر بھائی نے دوسرے شرکاء کی اجازت سے مکان بنایا ہے تو شرکاء گذشتہ مدت کی اجرت کے مستحق ہیں، جو بطور قرض کے خرچ ہوگا۔

"منافع الغصب غير مضمونة استوفاها أو عطلها، فإنها غير مضمونة عندنا، إلا أن يكون المغصوب وقفاً أو مال يتيم أو معداً للاستغلال". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱۴۳/۲، كتاب الغصب، مصر)

"منافع الغصب غير مضمونة استوفاها أو عطلها، فإنها غير مضمونة عندنا، إلا أن تكون المغصوب وقفاً أو مال يتيم أو معداً للاستغلال بأن بناه لذلك أو اشتراه لذلك". (الدر المختار، كتاب الغصب، ۲۰۶/۶، سعيد)

"سئل فيما إذا بنى قصر أحد الإخوة في دار مشتركة بينه وبين إخوته بدون إذنهم، فهل يكون البناء ملكاً له؟ الجواب: نعم، إذا بنى في الأرض المشتركة بغير إذن الشريك له أن ينقض بناءه". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الشركة: ۱۰۰/۱، مكتبة ميمنية مصر)

"إذا بنى أحد الشركاء لنفسه في الملك المشترك القابل للقسمة بدون إذن الآخرين، ثم طلب الآخرون القسمة، تقسم، فإن خرج ذلك البناء في نصيب بانيه فبها، وإن خرج في نصيب الآخر، فله أن يكلف بانيه هدمه ورفعه". (شرح المجلة، ص: ۶۷۲، رقم المادة: ۱۱۷۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى الكاملية، ص: ۱۰۵، كتاب الشركة)

"عمر دار زوجته بماله بإذنها، فالعمارة لها، والنفقة دين عليها لصحة أمرها، ولو أمرها لنفسه بلا إذنها فالعمارة له، ويكون غاصباً للعرصة، فيؤمر بالتفريغ بطلب ذلك، ولها بلا إذنها، فالعمارة لها، وهو متطوع". (الدر المختار). "كل من بنى في دار غيره بأمره فالبناء لآمره، ولو لنفسه بلا أمره فهو له، وله رفعه". (رد المحتار: ۷۴۷/۶، مسائل شتى، سعيد)

(۲) "ويقضى بالمال المسروق، لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم". (الدر المختار: ۲۱/۴، باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها، سعيد)

"الحق لا يسقط بتقادم الزمان". (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۱۰۶، ص: ۷۷، صدف پبلشرز)

"لا يسقط الحق بتقادم الزمان". (شرح المجلة، ص: ۹۵۹، رقم المادة: ۱۶۷۴، مكتبه حنفيه كوئٹه)

کاشت میں ایک بھائی کا نام درج ہے، کام سب کا مشترک ہے

سوال [۶۹۰۲]: ۱... ایک کھیت جو باپ دادا کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور کاغذات پر تھا، کاشت نہیں تھی اور ہم لوگ مشترک تھے، تینوں بھائی تھے اور اسی زمانہ میں ایک بھائی کے نام سے کاشت لکھ دی گئی اور ہم لوگ برابر (کاشت) زراعت کرتے چلے آئے اور علیحدہ ہو جانے کے بعد بھی کھیتی مشترک رہی، اب ہم تینوں میں نام کی بنا پر اختلاف پڑا ہوا ہے، تو شرعاً تینوں بھائیوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟

۲... ہم لوگ تینوں بھائی جب ایک میں تھے تو زمیندار سے کھیت لگان پر لے لیا اور کھیتی کرنے لگے تو ایک بھائی کے نام سے کاشت لکھ دی گئی، مگر علیحدہ ہو جانے کے بعد ہم لوگ مشترک طور پر برابر کھیتی کرتے رہے۔ نام کی بنا پر اختلاف ہے، تو شرعاً تینوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب مدلل مع حوالہ کتب عنایت ہو۔

(مولوی) انوار حسین صاحب، مدرسہ احیاء العلوم، مبارکپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زراعتی معاملہ مشترک ہے اور اس پر عمل درآمد ہے اور کاغذ میں صرف ایک بھائی کا نام درج ہونے کے باوجود تینوں بھائی مشترک کاشت کرتے چلے آئے تو اختلاف اور دعویٰ کی کوئی وجہ نہیں، یہ تینوں شریک ہیں (۱)۔ دعویٰ کا تعلق اندراج محض کاغذی ہے، کچھ مؤثر نہیں، جیسے کہ زبانی صورت میں طے شدہ معاملہ کا اعتبار ہوتا ہے، ایسا ہی یہاں پر بھی ہوگا، یہ اندراج زبانی سے زیادہ نہیں۔

---

(۱) "شركة الأعمال هي عقد شركة على تقبل الأعمال، كما إذا اتفق خياطان أو صباغ على تقبل الأعمال، فلا يلزم اتحاد محلهما ومكانهما". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/ ۶۳۲، رقم المادة: ۱۳۸۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"فالصحيحة أن يشترك اثنان على أن يتقبلا. وفي الهداية: وأما شركة الصنائع وتسمى شركة التقبل، فالخياطان والصباغان يشتركان على أن يتقبلا الأعمال، ويكون الكسب بينهما، فيجوز ذلك. وما تقبله كل واحد منهما من العمل يلزمه ويلزم شريكه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الشركة، الشركة بالأعمال، إدارة القرآن، كراچی)

۲...تینوں بھائیوں کا حق ہے، صرف ایک کا نہیں۔ ہزل کی بحث کتب اصول میں مفصل موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد۔

دو بھائیوں نے یکجا محنت سے جو جائیداد کمائی تو وہ باپ کی ملک ہے

سوال [۶۸۳۴]: ایک شخص کے دو لڑکے ہیں، بڑا لڑکا برسرِ روزگار ہے، چھوٹا لڑکا جائیداد کی دیکھ بھال کرتا ہے، کبھی کبھی بڑے لڑکے نے بھی محنت کی ہے، اب یہ دونوں الگ الگ ہو رہے ہیں، تو جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد کی جس جائیداد پر ان دونوں بھائیوں نے محنت کی ہے وہ ان کی ملک نہیں ہوئی، بلکہ ان کے والد ہی کی ہے، اس کو از خود تقسیم کر لینے کا حق نہیں۔

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناً له، ألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب". انتهى. كلام الشامي:

"قلت: فما كان المال للأب كان كله بالأولى". شامي: ۴/ ۳۲۵ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "الهزل في اللغة: اللعب، وفي الاصطلاح: هو أن يراد بالشيء مالم يوضع له ولا صح له اللفظ استعارة. والهازل يتكلم بصيغة العقد مثلاً باختياره ورضاه، لكن لا يختار ثبوت الحكم ولا يرضاه، والاختيار هو القصد إلى الشيء وإرادته والرضا هو إيثاره واستحسانه". (رد المحتار: ۴/ ۲۰۵، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل، سعيد)

(۲) (رد المحتار: ۴/ ۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

"إذا عمل رجل في صنعة هو وابنه الذي في عياله، فجميع الكسب لذلك الرجل، وولده يعد معيناً له. وكذا إذا أعانه ولده الذي في عياله عند غرسه شجرة، فتلك الشجرة للأب لا يشاركه ولده =

زمین ودوکان وگھوڑی میں شرکت کی ایک صورت

سوال[۶۸۴۴]: زید، عمر، بکر، خالد حقیقی بھائی ہیں، سرکار نے دو مربع زمین عمر کو عطا کی جس کیلئے ایک راس گھوڑی عمدہ رکھنی شرط ہے، بروئے قانون انگریزی عمر کا خلف اکبر زمین کا مالک ہوگیا، تقدیر سے عمر فوت ہوگیا، عمر کے لڑکے کے نام زمین منتقل ہوگئی، کچھ مدت بعد عمر کا لڑکا بھی فوت ہوگیا، عمر لاولد ہوگیا، اب بروئے قانون انگریزی اسی خاندان میں جو عمر میں سب سے بڑا ہوگا اس کے نام زمین داخل خارج ہوگی، قانوناً زید جو سب سے بڑا ہے وارث تصور ہوا، لیکن زید وخالد نے منتظم صاحب کی عدالت میں درخواست دی کہ ہم (زید وخالد) راضی ہیں کہ ہر دو مربع مع گھوڑی بکر کے نام ہو۔

درخواست منظور ہوگئی، ہر دو مربع بکر کے نام داخل وخارج ہوگئی، بکر نے کئی جگہ تبادلہ بسبب ناقص ہونے زمین کے کرایا اور کئی جگہ نمبر شکافی کی، اب تیسری جگہ بکر آباد ہے، کچھ عرصہ بعد خالد بھی فوت ہوگیا، بکر نے بڑی نیک نیتی سے کام کرکے بائیس ۲۲ ہزار کی زمین مربعات اس جگہ آمدنی سے خریدی، جو زید اور بکر کے نام نصف نصف کرائی گئی، اب زید بکر کو کہتا ہے کہ ایک مربع مجھ کو دو، کیا زید بکر سے از روئے قانون اسلامی ایک مربع لے سکتا ہے یا نہیں۔

= لیها". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/ ۷۴۳، (رقم المادة: ۱۳۹۸)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"إذا كان الولد في عيال أبيه ومعيناً له، يكون جميع ماتحصل من الكسب لأبيه. وما اشتراه ودفع ثمنه من مال أبيه إن كان شراءه لأبيه بإذنه، لا يكون له الاختصاص بدون وجه شرعي، بل هو خاص بالأب، فإن كان شراءه لنفسه ودفع ثمنه من مال أبيه بلا إذنه، يكون خاصاً به، وبدل الثمن مضمون للأب". (الفتاوى الكاملية، ص: ۱۰۵، كتاب الشركة، رشيديه)

"أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال، فاجتمع لهما من الكسب أموال، فالكل للأب؛ لأن الابن إذا كان في عياله، فهو معين له، ألا ترى أنه لو غرس شجرة فهي للأب". (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۱/ ۹۱، كتاب الشركة، ميمنيه مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۳۲۹، كتاب الشركة، الباب الرابع في شركة الوجوه وشركة الأعمال، رشيديه)

دیگر زید بکر نے دکان پارچہ کھولی جس میں ابتداء میں دکان کا سرمایہ دو سو روپیہ بکر نے دیا اور تین سو روپیہ زید نے دیا، جس کو عرصہ چار سال کا ہو گیا ہے، دکان بفضلہ بڑی نفع میں ہے دکان کا کام زید کا لڑکا کرتا ہے بکر نے روپیہ بحیثیت اشتراک دیا تو اب دکان سے تو زید جواب دیتا ہے کچھ نہیں دیتا اور مروت سے حصہ مانگتا ہے۔ بینوا و توجروا بالسنۃ والکتاب و اجروا یوم الحساب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب تفصیل سے تحریر کیجئے اس کے بعد جواب مکمل ہوگا۔

۱... سرکار نے دوسری زمین جو عمر کو عطا کی ہے وہ بطور تملیک ہے یا بطور عاریت یعنی کیا عمر اس کو فروخت کر سکتا ہے یا دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ جو تصرفات مالک اپنی زمین میں کر سکتا ہے عمر کو ان تصرفات کی اجازت ہے یا نہیں؟

۲... محمود شاہ بھی سرکار نے دی ہے یا عمر نے خود خریدی ہے، اگر سرکار نے دی ہے تو بطور تملیک یا بطور عاریت۔

۳... عمر نے انتقال کے بعد کون کون وارث چھوڑے، عصبی و غیر عصبی ذکر و مونث مفصل تحریر کیجئے۔

۴... عمر کے لڑکے نے اپنے انتقال کے بعد کون کون وارث چھوڑے تفصیل سے تحریر کریں۔

۵... زید و خالد نے جو عمر کے نام زمین کرائی تو ہبہ کی ہے یا محض کاغذی کارروائی ہے یا دونوں نے عمر کو مالک بنایا ہے اگر وہ اس زمین کو فروخت کر دے تو بھی ان دونوں کو کچھ مزاحمت کا حق نہیں، یا مالک نہیں بنایا بلکہ محض نام بنایا ہے۔

۶... بکر نے کہا جلد تو والد صاحب آپ ہی نے زمین سے ہٹایا اس کا کیا مطلب ہے۔

۷... خالد نے کون کون وارث چھوڑے؟

۸... پاکستانی جائداد کی زمین جو خریدی گئی ہے وہ زید و بکر کے نام نصف نصف ہوئی تو کیا بکر نے وہ نصف زمین زید کو ہبہ کی اور ہبہ پر زید کا قبضہ کرا دیا، یا زید نے محض اس کی بلا کسی کاغذ میں نام درج کرایا ہے؟

۹... ان تمام باتوں کا تفصیل سے جواب تحریر کیجئے تب جواب مکمل ہوگا۔ نیز اگر زید اور بکر معاہ

میں شرکت بھی ٹھہرا ہے تو شرط کے موافق دونوں نفع ونقصان میں شریک ہوں گے۔ فقط والسلام۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مدرس مظاہر علوم سہارنپور ۱۲/۳/۱۳۵۲ھ

جوابات تنقیح:

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارنا الباطل باطلاً۔

۱... عمر کو جو زمین سرکار نے عطا کی ہے عمر اس کو بلا مخالفت کسی کے فروخت کرسکتا ہے لیکن کوئی حصہ اس کا فروخت نہیں کرسکتا بلکہ کل رقبہ مع گھوڑی ومکان مسکونہ بغیر مخالفت احدے فروخت کرسکتا ہے۔

۲... گھوڑی عمر نے خود خریدی تھی اب بکر اس کا قانوناً وارث ہے۔

۳... عمر کے انتقال کے بعد اس کے ورثہ زمین تقسیم نہیں کرسکتے، کیونکہ حکام وقت کے قانون میں فقط خلف اکبر ہی وارث ہوتا ہے۔

۴... جواب ۳ ہے۔

۵... زید خالد نے بکر کو کارکن نہیں بنایا بلکہ بکر کو موافق قانون حکام وقت مالک تسلیم کرلیا گیا ہے۔

۶... بکر نے کچھ جگہ تبادلہ جو کیا اس سے کسی کی حق تلفی مطلوب نہ تھی بلکہ پہلی زمین ناقص تھی اس کے عوض عمدہ زمین جو قانوناً جائز ہے لی۔

۷... کا جواب ۳ ہے۔

۸... جو زمین خریدی گئی ہے اس میں زید نصف حصہ کا قابض ومالک ہے۔ اور بکر نصف حصہ کا روپیہ بکر نے دیا مگر زید چونکہ بکر کا بڑا بھائی ہے اس لئے بکر زید کو نصف حصہ کا مالک تسلیم کرتا ہے۔ جواب (دیگر) زید کی بکر میں شرکت ہے چونکہ زید کاروکان کا کام کرتا ہے وہ اپنے کام کا معاوضہ لے سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعد بیانات مذکورہ بالا شرعاً مربع کا مالک بکر ہو یا زید یا مشترک

المستفتی: محمد اسمٰعیل آ ذکار پھالیہ چک ۳ ضلع گجرات، پنجاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر کے انتقال کے بعد اگر اس کا وارث صرف اس کا بیٹا تھا اور کوئی دوسرا وارث شرعی مستحق نہیں تھا تو عمر

کے کل ترکہ کا مالک اس کا بھتیجا ہو گیا (۱)، اور اگر کوئی اور بھی وارث شرعی مستحق تھا تو موافق شرع اپنے حصہ کا مالک ہوا تھا۔ پھر اگر اس کے انتقال کے بعد اس کا کوئی وارث شرعی نہ تھا صلبی نہ غیر صلبی نہ دختری نہ پسری نہ مذکر نہ مؤنث۔ غرض زید، بکر، خالد کے کوئی وارث نہ تھا تو بھتیجے اس کے کل ترکہ کے برابر وارث ہوں گے (۲)۔ قانون سرکاری کا اس میں کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

پھر زید وخالد نے چونکہ بکر کو اپنا حصہ ہبہ کر دیا ہے یعنی بکر کو اپنے حصہ کا مالک بنا دیا ہے کہ وہ بیع وغیرہ جو تصرفات چاہے کرے (۳)، زید وخالد کو کوئی سروکار نہیں اور بکر کا اس پر پورا پورا قبضہ بھی کرا دیا، تو بکر کل زمین

---

(۱) اس لئے کہ بھتیجا عصبہ میں سے ہے، عصبہ ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ کا مستحق ہے: "العصبة من يأخذ جميع المال عند تفرده، وما أبقته الفرائض عند وجود من له الفرض المقدر". (تبيين الحقائق: ۷/۴۵۵، كتاب الفرائض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار: ۶/۷۷۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، سعيد)

(۲) "وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة، يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم، لكل واحد سهم". (الفتاوى العالمكيرية: ۶/۴۵۱، كتاب الفرائض، باب العصبات، رشيدية)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار: ۲/۵۹۴، كتاب الفرائض، فصل في العصبات، مكتبه حقانيه پشاور)

(۳) "يملك الموهوب له الموهوب بالقبض. فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۴۷۳، (رقم المادة: ۸۶۱)، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة، حنفيه كوئته)

(وكذا في الدر المختار: ۵/۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۴/۳۷۴، كتاب الهبة، الباب الأول، رشيدية)

"كل واحد من الشركاء، يصبح بعد القسمة مالكاً لحصته مالاً مستقلاً، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر، ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيفما شاء". (شرح المجلة لسليم رستم: ۱/۶۳۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، كتاب الشركة، الفصل الثامن في أحكام القسمة، مكتبه حنفيه كوئته)

تھوڑی کا مالک ہوگیا۔ اور زید وخالد کا اس میں کوئی حصہ نہ رہا۔ اس کے بعد جب بکر نے ۴۴ ہزار کی زمین خریدی تو اس میں چونکہ زید کو نصف کا شریک بنایا ہے یعنی نصف حصہ زید کو ہبہ کر دیا اور تقسیم کر کے اس پر زید کا قبضہ کرادیا تو زید اس نصف حصہ کا مالک ہوگیا(۱)۔ لہٰذا زید اس بائیس ۲۲ ہزار کا نصف طلب کرسکتا ہے اور بکر کو نہیں طلب کرسکتا، اگر زید کو بکر اس نصف کا مالک نہ بناتا تو زید کو اس کے مطالبہ کا کوئی بھی حق نہ تھا(۲)۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ شرعی قانون کے ذریعہ سے اگر بکر کل زمین کا مالک ہوگیا تھا تو زید ۴۴ ہزار والی زمین میں نصف کا شریک ہے کیونکہ بکر نے وہ نصف زید کو ہبہ کر کے قبضہ کرادیا ہے(۳)، لیکن اگر بکر کل زمین کا شرعاً مالک نہیں ہوا تو جتنی کا مالک ہوا ہے اس میں نصف کا شریک ہے بکر کے مالک ہونے نہ ہونے کی تفصیل اوپر بیان ہوچکی۔ مگر جس قدر دیانت دار اور ہوشیار زید کا لڑکا ہے، اگر ایسا ہی کوئی دوسرا شخص دوکان پر ملازم رکھا جاتا ہے اور وہ بھی اتنا ہی کام کرتا جتنا کہ زید کے لڑکے نے کیا ہے تو اس کو جس قدر اجرت دی جاتی ہے اسی قدر

---

(۱) راجع، ص: ۲۰۸، رقم الحاشیة: ۳

(۲) "لیس لأحد أن یأخذ مال غیرہ بلا سبب شرعي، وإن أخذه ولو علی ظن أنه ملکه، وجب علیه ردّه". (شرح المجلة لسلیم رستم: ۱/۲۲، (رقم المادة: ۹۷)، المقالة الثانیة في بیان القواعد الفقهیة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدر المختار ۶/۲۰۰، کتاب الغصب، سعید)

(۳) "یملک الموهوب له الموهوب بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۴۶۲، (رقم المادة: ۸۶۱)، کتاب الهبة، الباب الثالث في أحکام الهبة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(وکذا في الدر المختار ۵/۶۹۰، کتاب الهبة، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة: ۴/۳۷۴، کتاب الهبة، الباب الأول، رشیدیه)

"کل واحد من الشرکاء یصبح بعد القسمة مالکاً لحصته بالاستقلال، ولا یبقی لأحدهم علاقة في حصة الآخر، ولکل واحد منهم أن یتصرف في حصته کیفما شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز: ۱/۶۳۳، (رقم المادة: ۱۱۶۲)، کتاب الشرکة، الفصل الثامن في أحکام القسمة، مکتبه حنفیه کوئٹه)

اجرت زید کے لڑکے کو دینی ہوگی۔ اور دکان میں حسب موافق شرط زید اور خالد دونوں شریک ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۷/۵۶ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۳/۱۳۵۶ھ۔

صحیح: بندہ عبدالرحمن غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/۳/۵۶ھ۔

مچھلی کے شکار میں شرکت

سوال [۵۹۸۳]: اگر صاحب تالاب مچھلی شکار کرنے کے لئے اہل محلہ وغیرہ کے لوگوں کو بلائے یا خود بخود لوگ آجائیں، اور اس بات پر مچھلی پکڑتے ہیں یا پکڑواتے ہیں کہ نصف تالاب والے کا اور نصف پکڑنے والے کا۔ ان صورتوں میں شکار کرنا یا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مچھلی تالاب والے کی مملوک نہیں، بلکہ جو پکڑے اسی کی ملک ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تالاب والے کو کوئی حق نہیں، اس کا اپنے لئے نصف مچھلی مقرر کرنا خلافِ شرع وناجائز ہے: "لا تصح احتطاب واحتشاش واصطياد واستقاء وسائر مباحات لتضمنها". تنوير الأبصار: ۳/ ۳۲۹(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) چونکہ شرکت زید اور بکر کے درمیان ہے، زید کے لڑکے کا اس صورت میں حق نہیں ہے، البتہ اپنے عمل و کام کی اجرت مستحق ہے:

"فإن وقعت على عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل إذا كان العمل مما لا يصلح أوله إلا بآخره، وإن كان يصلح أوله دون آخره فتجب الأجرة بمقدار ما عمل". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۲۸، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في الدر المختار: ۶/ ۶۹، كتاب الإجارة، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة: ۱/ ۲۳۹، كتاب الإجارة، الباب الأول، حنفية كوئٹہ)

(۲) (رد المحتار: ۴/ ۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کسی کے تالاب میں مچھلیاں ازخود آجائیں، اس کی سعی وکوشش کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اور نہ ہی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کی کوئی تدبیر کی ہو، اس لئے کہ اس صورت میں مچھلیاں تالاب والے کی نہیں۔

لیکن اگر تالاب کے مالک نے مچھلیوں کے نشوونما کے لئے ان کو پکڑ کر تالاب میں ڈال دیا ہو، یا مچھلیاں تالاب میں ازخود آئی ہوں، لیکن اس نے واپس نہ جانے کی تدبیر کی ہو تو اس صورت میں مچھلیاں اگرچہ تالاب والے کی مملوک ہیں لیکن سوال میں مذکور طریقہ سے مچھلیاں پکڑنا شریعت کی رو سے اس لئے ناجائز ہے کہ یہ قفیز الطحان کے قبیل سے ہے جو کہ ناجائز ہے۔

- "ولا تصح شركة في احتطاب واصطياد واستقاء، وكذا في أخذ كل مباح كالاحتشاش واجتناء الثمار". (تبيين الحقائق: ۴/ ۲۵۳، كتاب الشركة فصل في الشركة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/ ۲۹۶، كتاب الشركة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۵۶۳، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية: ۵/ ۴۳۰، الشركة بالأعمال، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۶/ ۱۹۱، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"والحاصل أنه إذا دخل السمك في الحظيرة، فإما أن يعدها لذلك أو لا، ففي الأول يملكه، وليس لأحد أخذه. ثم إن أمكن أخذه بلاحيلة، جاز بيعه؛ لأنه مملوك مقدور التسليم، وإلا لم يجز؛ لعدم القدرة على التسليم. وفي الثاني: لا يملكه، فلا يجوز بيعه لعدم الملك، إلا أن يسد الحظيرة إذا دخل، فحينئذ يملكه. ثم إن أمكن أخذه بلاحيلة، جاز بيعه، وإلا فلا. وإن لم يعدها لذلك لكنه أخذه وأرسله فيها، ملكه". (رد المحتار: ۵/ ۶۱، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في البيع الفاسد، سعيد)

"ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه: أي بنصف الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه، أو ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه، فسدت في الكل؛ لأنه استأجر بجزء من عمله، والأصل في ذلك نهيه -صلى الله عليه وسلم- عن قفيز الطحان". (الدر المختار: ۶/ ۵۶، ۵۷، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

مچھلی کے شکار میں شرکت

سوال[۱۵۳۶]: چند کشتی والے شریک ہو کر مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور ہر ایک کشتی میں دو آدمی ہوتے ہیں اور کسی کشتی والا مچھلی پاتا ہے اور کوئی نہیں پاتا ہے۔ اور تقسیم کرتے وقت تمام کشتی چلانے والے مچھلی شکار کرنے والے اپنے تعداد کے مطابق حصہ کر کے لیتا ہے برابر۔ اس طرح سے شکار کر کے مچھلی تمام شرکاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس پر سب کا راضی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرکت درست نہیں(۱)، جس کشتی والے نے جو مچھلی شکار کی ہے وہ اسی کی ہے، دوسرے کشتی والے اس میں حصہ دار نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۸/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولا تصح الشركة في الاحتطاب والاصطياد والاستقاء، وكذا في أخذ كل مباح كالاحتشاش واجتناء الثمار من الجبال". (تبيين الحقائق: ۴/۲۵۲، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا تجوز الشركة فيما لا تجوز الوكالة فيه كالاحتطاب والاحتشاش والاصطياد والاستقاء، وما جمعه كل واحد فله، وإن أعانه الآخر فله أجر مثله". (مجمع الأنهر: ۲/۵۴۳، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"لا تصح الشركة في احتطاب واحتشاش واصطياد، وسائر مباحات، وما حصله أحدهما فله، وما حصلاه معاً فلهما". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴/۳۲۵، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، سعيد)

"ولا تصح شركة في الاحتطاب والاصطياد والاستقاء". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۳۲، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيديه)

"وما لا تصح فيه الوكالة لا تصح فيه الشركة، ومثل ذلك شركة الاصطياد والاحتطاب من مباح". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۲/۷۳۴، رقم المادة: ۱۳۸۵، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشركة، الفصل الأول، جنس آخر: ۴/۱۰۳، امجد اكيڈمی لاہور)

مسلم اور غیر مسلم کا مائک و گراموفون مشترک خریدنا

سوال [۶۸۴۷]: اگر کوئی مسلمان اور غیر مسلم دونوں مل کر مشترکہ لاؤڈ اسپیکر مع گراموفون (۱) خریدیں تاکہ کرایہ پر چلا کر آمدنی حاصل کریں اور مسلمان اپنے جلسوں میں کرایہ پر چلا کر آمدنی حاصل کریں، اور غیر مسلم ناٹک شادی وغیرہ میں چلا کر وصول کریں (۲) اور فورے لیں، پھر دونوں صورتوں کی کمائی کو تقسیم کر لیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر مالک صرف مسلمان ہوں اور یہ اشیاء ہندو کو کرایہ پر دیدیں تو یہ کیسا ہے؟ مدلل مفصل تسلی بخش جواب ممنون فرماویں، احسان عظیم ہوگا۔ فقط والسلام۔

نذیر احمد، متعلم جامعہ اسلامیہ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح مل کر یہ دونوں چیزیں مشترک خریدنا درست نہیں (۳)، اگر محض کرایہ کے گراموفون غیر مسلم کو

---

(۱) "گراموفون (Gramophone): باجہ جس پر ریکارڈ کی آوازیں بحال ہوتی ہیں" (English to English & Urdu Dictionary, Page No. 364, Feroz Sons, Lahore Pakistan)

"ایک آلہ جس کے ریکارڈ سے آواز نکلتی ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۸۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ناٹک: روپ، ڈرامہ، نقل، کھیل، بہروپ، پاکھنڈ"۔ (نور اللغات: ۴/۱۲۰۵، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور)

(۳) لہو ولعب اور فحش مجلسوں میں استعمال ہونے کی بناء پر اعانت اور اعتبار علی المعصیۃ ہے اس لئے دونوں ناجائز ہیں:

"وبيع الأمرد ممن يعصي، وإجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر، أو يتخذها كنيسة أو بيت نار وأمثالها، فكله مكروه تحريماً إن يعلم به البائع والأجر من دون تصريح به باللسان، فإنه إن لم يعلم كان معذوراً، وإن علم وصرح كان داخلاً في الإعانة المحرمة". (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسألة الإعانة على الحرام: ۲/۴۵۳، مكتبه دار العلوم كراچی)

"ولا يجوز الاستئجار على الغناء والنوح، وكذا سائر الملاهي؛ لأنه استئجار على المعصية، والمعصية لا تستحق بالعقد". (الهداية: ۳/۳۰۳، كتاب الإجارات، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في رد المحتار: ۶/۵۵، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، سعيد)

دے کر لاؤڈ اسپیکر خود مسلمان رکھ لے اگرچہ کچھ نقد بھی دینا پڑے تو بہتر ہے، پھر لاؤڈ اسپیکر جائز جلسوں اور تقریروں میں لے کر اس کا کرایہ وصول کرلیا جائے تو یہ آمدنی درست ہوگی، اگر دونوں چیزیں مشترک رہیں اور مسلمان صرف جائز جلسوں میں اسپیکر کی آمدنی لیا کرے تب بھی درست ہے۔ اگر آمدنی مشترک ہی ہے تو پھر غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر زائد آمدنی جائز مقامات پر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ہو اور کم آمدنی ناجائز ہو تو بھی مسلمان کے لئے نصف آمدنی بحصہ رسد اس آمدنی کا لینا درست ہے (۱)، گراموفون کی آمدنی درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۴/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) لیکن ناجائز آمدنی کی بقدر صدقہ کرنا لازم ہے اور گراموفون بنفسہٖ آلۂ معصیت نہیں، البتہ اگر ناجائز کاموں میں استعمال کیا جائے تو اس کی آمدنی ناجائز ہوگی:

"ان المراد ليس هو نفس الحرام؛ لأنه ملكه بالخلط، وإنما الحرام التصرف فيه قبل أداء بدله، ففي البزازية قبيل كتاب الزكوة: ما يأخذه من المال ظلماً ويخلطه بماله أو بمال مظلوم آخر يصير ملكاً له، وينقطع حق الأول، فلا يكون أخذه عندنا حراماً محضاً، نعم لا يباح الانتفاع به قبل أداء البدل".

(رد المحتار: ۲/۲۹۲، كتاب الزكوة، باب السائمة، سعيد)

سوال: "ہمارے اکثر حضرات - اتعلیم یافتہ طبقے کے - یہ کہتے ہیں کہ گراموفون میں اگر صرف قرآن شریف کے ریکارڈ بجائے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اس لئے مختلف دلیلیں پیش کرتے ہیں ...... استفتاء یہ ہے کہ گراموفون کا خریدنا، اس کا بجانا، خود سننا، دوسروں کو سنانا درست ہے یا نہیں؟ الخ"۔

الجواب: "احکام کبھی شی کی ذات پر نظر کرکے مرتب ہوتے ہیں اور کبھی عوارض پر نظر کرکے، اور ان دونوں کے احکام کبھی باہم مختلف بھی ہوجاتے ہیں، پس اگر اس آلہ من حیث الآلیۃ ذات پر نظر کی جاوے تو حقیقت اس کی بلا شک، چنانچہ ضرب یا قرع یا غمز سے جس کا اثر ہوا میں کوئی خاص صوت ہے، بلکہ یہ حکایت ہے اصوات کی، جیسے گنبد میں صدائے آواز بازگشت پیدا ہوجاتی ہے، اس کو کوئی باجہ نہیں کہتا۔ پس وہ حکم میں تابع ہوگی صوت محکی عنہ کے، اگر صوت معازف ومزامیر کی ہے اس کے حکم میں ہے، اور اگر وہ مشروع ہے یہ بھی مشروع، اگر وہ غیر مشروع ہے یہ بھی غیر مشروع ہے، یہ تفصیل ہے حکم کی اس کی حقیقت پر نظر کرنے کے اعتبار سے ...... الخ"۔ (امداد الفتاوی، کتاب الحظر والاباحۃ، باب: متعلق امور لہو ولعب وتصاویر کے احکام، عنوان: استفسار حکم سماع قرآن از گراموفون ۴/۲۲۵، ۲۲۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

نیلام در نیلام

سوال [۷۹۰۸]: ایک جنگل کے نیلام کا اعلان ہوا، ایک جماعت اس کی خریداری کے لئے تیار ہوئی اور آپس میں معاہدہ کرلیا کہ اس کو مشترکہ طور پر خرید لیا جاوے کسی ایک کے نام اور سب شریک رہیں، اس کے بعد آپس میں اس کی بولی بولی جاوے، جو شخص جتنے نفع پر اس کا خریدار ہو وہ اس کا مستحق ہے، اگر ختم ہو جاوے گا، اسی طرح سے اور باقی شرکاء کریں گے، مثلاً نیلام کو زید نے سو روپے میں لیا جس میں دس شریک ہیں، اب عمر نے اس جنگل کی قیمت ڈیڑھ سو روپے تجویز کی کہ اتنے میں میں خریدار ہوں، اس سے زیادہ میں نہیں، تیسرے شریک نے اس کی قیمت دو سو روپے تجویز کی کہ میں اتنے کا خریدار ہوں زیادہ کا نہیں، اسی طریقہ سے سلسلہ وار ہر شخص بولی بولنے کا یا انکار کرے گا۔

اس معاہدہ کے موافق کہ جو شخص جتنی قیمت تک خریدار ہوگا وہ اسی منافع کا شریک ہوگا، جو اس وقت ہیں، اگر دوسرے شرکاء اس کے منافع میں اضافہ کریں تو یہ شخص اس سے زیادہ منافع میں شریک نہیں۔ یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بعد ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں سے دو شخص شریک ہو کر مشترکہ طور سے خریدار ہوتے ہیں، اور دو بھی آپس میں بولی طے کرتے ہیں کہ ہم پھر آپس میں معاملہ طے کریں گے، اب دونوں میں جو نفع ہو تو اس میں تو ان آٹھوں سے کوئی شریک نہیں ہوگا یا نہیں؟

منشی محمد شفیع، متعلم مدرسہ [illegible]۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب خریدنے میں برابر کے شریک ہیں تو نفع میں بھی برابر ہی کے شریک رہیں گے (۱)، کچھ قیمت

---

(۱) "الأموال المشتركة شركة الملك تقسم حاصلاتها بين أصحابها على قدر حصصهم، فإذا شرط لأحد الشريكين حصة في الحيوان المشترك شيئاً زائداً على حصته من لبن ذلك الحيوان أو نتاجه لا يصح". (شرح المجلة: ۱/۶۰۰، رقم المادة: ۱۰۷۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"والربح في شركة الملك على قدر المال". (شرح المجلة: ۲/۷۴۷، رقم المادة: ۱۳۶۸، مكتبه حنفيه كوئٹه)

زیادہ تجویز کرنے سے نفع کی زیادتی ناجائز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شریک دوسرے شرکاء کے حصے بھی خرید لے تو ان کے حصوں کا نفع بھی یہی لے گا، جو حکم مجموعی شرکاء کا ہے وہی دو شریکوں کا ہے۔

اور جس شریک کا حصہ جتنے میں خریدے گا اسی حساب سے نفع دے گا، اور خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ بیع قطعی ہو کر معاملہ طے ہو جائے، صرف بولی بولنا کافی نہیں۔ اور مجموعہ میں شریک ہیں، اس لئے جو خریدے گا وہ اپنے حصہ کے علاوہ دوسروں کے حصہ کو خریدے۔ مجموعہ کو خریدنا جس میں اپنا حصہ بھی داخل ہے، ناجائز ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= "وهذا صحيح في شركة العقد لا في شركة الملك؛ لأن الربح فيها على قدر الملك، فلو شرطا الشراء بينهما مناصفة، يكون الربح كالملك". (رد المحتار: ۴/۳۱۶، كتاب الشركة، مطلب: اشتركا على أن ما اشتريا من تجارة فهو بيننا، سعيد)

"شركة الملك، وركنها اجتماع النصيبين، وحكمها وقوع الزيادة على الشركة بقدر الملك". (الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۰۱، كتاب الشركة، الباب الأول، رشيدية)

عدم جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیع میں بائع ومشتری کا متعدد ہونا ضروری ہے، ایک آدمی بائع ومشتری ایک ہی حالت میں نہیں بن سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیع پر کوئی نہ کوئی فائدہ کا مرتب ہونا ضروری ہے جبکہ اپنے ہی مال کو خریدنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

"إن البيع لا يكون إلا بين اثنين، وأيضاً لا يجوز أن يكون الرجل الواحد بائعاً ومشترياً إلا في مكان واحد، وهو أن يشتري مال ابنه من نفسه". (النتف في الفتاوى، ص: ۲۷۵، كتاب الولاء، سعيد)

"هو (أي البيع) مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله على وجه مفيد مخصوص، وخرج بمفيد ما لا يفيد، فلا يصح بيع درهم بدرهم استويا وزناً وصفةً، ولا مقايضة أحد الشريكين حصة داره بحصة الآخر". (الدر المختار: ۴/۵۰۳-۵۰۴، كتاب البيوع، سعيد)

(۱) "الشريك مخير إن شاء باع حصته من شريكه، وإن شاء باعها من أجنبي بدون الشريك". (شرح المجلة: ۱/۹۰۸، رقم المادة: ۱۰۸۸، مكتبه حنفيه كوئته)

مضارب کے لئے تنخواہ

سوال[۶۸۴۹]: ۱....زید نے عمر سے مضاربت کا معاملہ کیا، یعنی: رقم زید کی ہے جس سے عمر تجارت کرتا ہے، گویا زید کا مال ہے اور محنت عمر کی ہے اور نفع میں دونوں نصف نصف ہیں۔ اب عمر کہتا ہے کہ نفع کے علاوہ بھی بطورِ تنخواہ کے دوکان سے کچھ رقم ملنی چاہیے، چنانچہ زید نے دوکان سے سو روپیہ ماہوار بطورِ تنخواہ بھی طے کر دیا۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ مضارب کو نفع کے حصہ کے علاوہ اس تجارت سے ماہانہ تنخواہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

شرکت و انعام

سوال[۶۸۵۰]: ۲.... خالد اور بکر نے ایک ایک ہزار روپیہ ڈال کر دونوں نے دو ہزار سے تجارت شروع کی، اور معاملہ طے ہوا کہ خالد تجارت میں کوئی کام نہیں کرے گا، بلکہ تمام کام صرف بکر ہی کرے گا۔ اس لئے بکر کہتا ہے کہ نفع کے تین حصے کئے جائیں: ایک حصہ خالد کا اور دو حصے میرے: ایک نصف مال کی وجہ سے اور دوسرا میری محنت کی وجہ سے، جبکہ خالد کوئی کام نہیں کرتا۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.... یہ مضارب کے لئے تنخواہ تجویز ہونا درست نہیں(۱)۔

---

(۱) "لا أجر للشريک في العمل بالمشترک". (ردالمحتار: ۴/۳۲۶، کتاب الشرکة، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجع القياس، سعيد)

"لو كان طعام بين رجلين فقال: أحدهما لصاحبه: احمله إلى المرجع كذا، ولک في نصيبي من الأجر كذا. أو قال: اطحنه ولک في نصيبي كذا من الأجر، جاز ذلک في قول زفر ومحمد بن صاحب. ولا يجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى". (النتف في الفتاوى، ص: ۳۴۹، كتاب الإجارة، إجارة الشريک شريكه، سعيد)

"لأن الأجير ملک النصف في الحال بالتعجيل، فصار الطعام مشتركاً بينهما، فلا يستحق الأجر؛ لأنه لا يعمل شيئاً لشريكه إلا وقد وقع بعضه لنفسه" (ردالمحتار ۶/۵۸، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، سعيد)

۲. یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۸ھ۔

ایک شریک کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم نہ کرنا

سوال [۱۸۵۱]: زید وبکر وعمر نے مشورہ کیا کہ کپڑے کا کاروبار کیا جائے اور زبانی گفتگو سے طے پایا کہ بکر کا پورا سرمایہ ہوگا اور زید وعمرو وبکر تینوں تجارت دار ہوں گے، زید چار آنے کا، عمر چار آنے کا اور بکر چھ آنے کا نفع کے حصہ دار ہوں گے۔ زید وعمرو دکان کی دیکھ بھال کریں گے اور دوکان کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کام ہوگا سب کریں گے۔ اور بکر نے نو ہزار روپے عمر کے حوالے کئے، پھر تین ہزار روپے مزید دیئے کل ۱۲/ ہزار روپے عمرو دیئے گئے۔

زید نے ایک دوکان لی اور اس میں تمام عمر کا مال دیا جو کہ زید کا حقیقی بھائی ہے تو بکر نے اس بات پر اعتراض کیا کہ کیوں لگا ہمارا روپیہ عمر ہی کا تھا، زید نے بکر کو زبانی طور سے مطمئن کردیا، اور دوکان کی پوری پوری

(۱) "إذا تساوى الشريكان في رأس المال وشرطا من الربح حصة زائدة لأحدهما كالثلثين مثلاً، وشرط أيضاً عمل الاثنين، فالشركة صحيحة والشرط معتبر. أما إذا شرط عمل أحدهما وحده فينظر: العمل إن كان مشروطاً على الشريك الذي شرطت له زيادة الربح، فالشركة صحيحة والشرط معتبر، ويصير ذلك الشريك مستحقاً ربح رأس ماله بماله والزيادة بعمله". (شرح المجلة لسليم رستم باز اللبناني: ۲/۵۸۶، رقم المادة: ۱۳۷۱، مكتبه حنفيه كوئٹه)

"وتصح مع التساوي في المال دون الربح وعكسه، وهو أن يتساويا في الربح دون المال، ومعناه أن يشترط الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملاً". (تبيين الحقائق: ۴/۲۲۳، ۲۲۵، كتاب الشركة، دار الكتب العلمية بيروت)

"وتصح في نوع من التجارات أو في عمومها، وببعض مال كل منهما، وبكله، ومع التفاضل في رأس المال والربح، ومع التساوي فيهما، وفي حصصهما دون الأخر عندهما، ومع زيادة الربح للعامل عند عمل أحدهما". (مجمع الأنهر: ۲/۵۵۳، كتاب الشركة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار: ۴/۳۱۲، كتاب الشركة، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۴/۲۲۴، ۲۲۵، كتاب الشركة، دار الكتب العلمية بيروت)

آمدنی عمرو اور زید لیتے رہے، اس طرح بکر کو اپنی رقم ڈوب جانے کا خدشہ ہوا تو بکر نے ایک مسودہ بنایا جس کو زید وعمرو نے تسلیم نہیں کیا، بلکہ ان دونوں نے ایک ایک مسودہ تیار کیا جو بکر کے لئے قابلِ تسلیم نہیں تھا، چونکہ اس میں بکر کے روپیہ کا تذکرہ بھی نہیں تھا، بکر کے اصرار پر بادلِ ناخواستہ اس نے بتایا کہ بکر کے روپیہ کو یوں ہی ڈبونے اب بکر نے قطعی طور پر محسوس کر لیا کہ زید وعمرو دونوں اس کو دھوکہ دے رہے ہیں، کیونکہ روپے ملنے کی کوئی صورت نہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب سارا سرمایہ بکر کا تھا اور زید وعمرو محنت کے ذمہ دار تھے، ان کا سرمایہ بالکل نہ تھا، بکر کے اصرار کے باوجود کاروبار ختم کرنے اور دوکان بند کرنے کو تیار نہیں ہیں اور نہ ہی دوکان چھوڑنے کو تیار ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲. بکر جس کا سرمایہ پورا کا پورا ہے، وہ زید وعمرو کو دکان سے الگ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اختلافی صورت میں جب رفعِ نزاع کے لئے مسئلہ دریافت کیا جائے تو سوال پر فریقین کے دستخط ضروری ہیں، تب ہی رفعِ نزاع ہو سکتا ہے، ورنہ دوسرا فریق یہ کہہ دے گا کہ شرعی حکم سر آنکھوں پر مگر سوال صحیح نہیں کیا گیا، بلکہ واقعہ بدل کر دیا گیا، تاہم جو صورت اس سوال میں درج ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ مضاربت کا کر لیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت، تجارت ونفع میں شرکت، مگر یہاں تجارت نہیں ہے اس لئے اس کو مضاربت (صحیحہ) قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس کی تشکیل یہ ہوگی کہ کل روپیہ کا مالک بکر ہے، اس نے زید وعمرو کو روپیہ دیا جس سے انہوں نے جو سامان بھی خریدا وہ سب بکر کا ہے، مشینیں بھی، فرنیچر وغیرہ بھی، دوکان کا کرایہ دار بھی بکر ہے اگرچہ رسید کرایہ داری عمرو کے نام ہے، بعد میں مزید سامان جو کہ فروخت کیا گیا وہ بھی بکر کا ہے، زید وعمرو کی اس میں کوئی شرکت نہیں، وہ موجودہ سامان میں سے کسی چیز کے حقدار نہیں، اتنی مدت میں مشینوں کے ذریعہ جتنی بھی روپیہ کی کمائی ہوئی ہے، اس کے کسی جزء کے بھی معاوضہ کے طور سے حقدار نہیں، وہ سب روپیہ بکر کا ہے، وہ سب بکر کو ادا کریں۔

اور اہلِ بصیرت حضرات سے طے کرائیں کہ اتنی مدت میں جو زید وعمرو نے کام کیا ہے، اگر ان کو اجرت

میں رکھا جاتا تو وہ کتنی اجرت کے مستحق ہوتے، جتنی اجرت ان کی ہوتی اتنی اجرت کے وہ حقدار ہیں، بشرطیکہ معاملہ مذکورہ میں مقرر کردہ شرح ۴/۹۰۔ سے زیادہ نہ ہو(۱)، اگر اس سے زیادہ ہو تو اسی چار چھوٹی مقدار کے حقدار ہوں گے۔ یہ بھی اس وقت ہے جبکہ زید وعمرو دونوں نے کام کیا ہو، ورنہ اگر ایک کا نام معاہدہ میں فرضی ہوا اور کام صرف ایک نے کیا ہے تو صرف کام کرنے والا حسب تشریح بالا اجرت کا مستحق ہوگا۔ جس وقت سے بکر نے دوکان ختم کرنے کو کہہ دیا ہے اس کے بعد دوکان چالو رکھنے اور کام کرنے کا حق زید کو نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم ۱/صفر/۸۹ھ۔

خیانت کرکے مضارب نے مکان خریدا، اب وہ مکان کس کا ہوگا؟

سوال[۹۸۵۴]: خالد اپنا روپیہ دے کر بکر سے بطور کمیشن کاروبار چمڑے و چربی کا کراتا ہے، حسب ضرورت کیف ما اتفق برابر دیئے جاتا ہے، پھر چالان روانگی مال خالد و بکر کا لین دین حساب بھی باہم سمجھ لیا کرتے ہیں۔ یہ کاروبار تقریباً تین، چار سال سے جاری ہے۔ چار، پانچ ماہ ہورہے ہیں بکر نے جعلی خریداری

---

(۱) "ویملک المضارب في المطلقة البیع ...... والإجارة استیجار، فلو استأجر أرضاً بیضاء لیزرعها أو یغرسها، جاز. قال الرحمتي: کان هذا في عرفهم أنه من صنیع التجارة، وفي عرفنا لیس منه".
(التقریرات الرافعي، کتاب المضاربة: ۵/۲۳۲، سعید)

"(قوله: فلو استأجر أرضاً) ..... کان هذا في عرفهم أنه من صنیع التجارة، وفي عرفنا لیس هو من صنیعهم، فینبغي أن لا یملکه". (تکملة رد المحتار، مطلب: حیلة جواز المضاربة في العروض: ۸/۲۸۹، سعید)

(۲) "فإذا فسدت المضاربة فالربح کله له، والمضارب بمنزلة أجیر، له أجر المثل". (شرح المجلة: ۲/۶۵۱، رقم المادة: ۱۴۲۶، مکتبه حنفیه کوئٹه)

"وإن فسدت فأجیر، فله أجر مثله ربح أو لم یربح، ولا یزاد علی ما شرط له عند أبي یوسف رحمه الله تعالیٰ". (ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب المضاربة: ۳/۴۴۲، مکتبه غفاریه)

(وکذا في الدر المختار: ۵/۶۴۶، کتاب المضاربة، سعید)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۵/۴۱۵، کتاب المضاربة، دار الکتب العلمیة بیروت)

کی ہے یعنی غلط کر کے حصوں سے زائد رقم لے کر ایک مکان خرید کر ولد کے نام رجسٹری کرایا، جس کا کرایہ بھی چھ سو روپیہ ماہوار مل رہا ہے۔

جب خالد کو بکر کی اس بات کا علم ہوا تو خالد نے بکر کے والد کو لکھا جس پر انہوں نے بکر کو بے حد ملامت کی اور کہا کہ خالد یا تو حساب کر کے لکھیں، ان کا کس قدر کمیشن تھا، یا بتائیے اور بکر سے کاروبار بالکل علیحدہ کر دیں، موجودہ مال اپنے قبضہ میں لے لیجئے، باقی رقم میں اپنی استطاعت کے مطابق ماہ بماہ آپ کو ادا کرتا رہوں گا، خاطر جمع رکھیں۔ لیکن خالد نے تا یا کسی مصالح کے پیش نظر بدستور چالو کاروبار جاری رکھا ہے۔

اب خالد کا تقاضا ہو رہا ہے کہ مکان میرے نام منتقل کر دیا جائے، میرے پیسہ سے خریدا گیا ہے اور کرایہ کا بھی میں ہی حقدار ہوں، تا وقتیکہ جب تک میرا بقایا نہ ختم کر دیتے ہیں، اور والد بھی ماہ بماہ دے رہے ہیں، بقدر حیثیت ان شاء اللہ بقیہ بھی ادا ہو جائے گا، بہرحال ادائیگی ہو رہی ہے۔ اب کیا جائے تقاضا شدید کیوں بار بار ہو رہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

۱- اپنے نام خالد وہ مکان شرعاً منتقل کرا سکتا ہے یا نہیں؟

۲- خالد کرایہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

۳- ہمارے دہلی میں بعض موقعوں پر بوقت ضرورت اسامیوں کو مال حاصل کرنے کے لئے پیشگی رقم دی ہوتی ہے، بعض بعض پیسے نہیں ہوتے ہیں، ڈوب جاتا ہے، ٹرخا دیتے ہیں۔ یہ خسارہ کون برداشت کرے گا، رب المال یا کمیشن دار؟

۴- جس وقت نقصان ہو جاتا ہے تو نقصان کس طرف عائد ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- خیانت اور بددیانتی معلوم کرنے کے باوجود خالد نے کاروبار بدستور جاری رکھا، اور اس کو فسخ نہیں کیا، اور بکر کے والد کی بات پر اعتماد کر کے باقی رقم کو ماہ بماہ (استطاعت کے موافق) لیتے رہنے پر رضامندی دیدی، اب مکان کو اپنے نام منتقل کرنے کا حق نہیں رہا، اگر ماہ بماہ ادا کرنے کا وعدہ پورا نہ ہو تو پھر پوری رقم یکمشت وصول کرنے کا حق ہوگا، خواہ نقد کی شکل میں خواہ مکان وغیرہ کی شکل میں، جس طرح بھی ہو سکے کر لے

خیانت کرکے اور غلط جعلی خریدار نکال کر رقم بچائی اور اس سے مکان اپنے واسطے نام خرید لیا، وہ مکان خالد کی ملک نہیں ہوا۔

۲... جب وہ مکان خالد کی ملک نہیں ہوا تو اس کے کرایہ کا مستحق بھی خالد نہیں(۱)، البتہ اپنی بقایا رقم کے عوض میں کرایہ کو محسوب کرنے کا معاملہ اگر ہو جائے تو یہ درست ہے۔

۳... یہ مضاربت کی شکل ہے، مضاربت میں جس قدر نفع ہوا اس میں رب المال اور مضارب (کمیشن دار) دونوں شریک ہوتے ہیں، مثلاً: ایک روپیہ نفع ہو تو چار آنے کمیشن دار کو ملے گا اور بارہ آنے مضارب کو، یا کسی اور نسبت سے یہ شرکت تجویز ہو جائے (۲)، اگر نقصان ہو تو اول وہ نفع میں سے نکالا جائے گا،

---

(۱) اس لئے کہ مکان بکر کی ملک ہے:

"إذا تجاوز المضارب حد مأذونيته وخالف الشرط، كان غاصباً، وفي هذا الحال يعود الربح والخسارة في تجارته له وعليه، وإذا استهلك المضارب تجاوز بلد وسلعة أو وقت أو شخص عينه المالك، فإن عمل ضمن، وكان الشراء له". (شرح المجلة: ۴/۳۴۵، (رقم المادة: ۱۴۲۲)، مكتبه حنفيه كوئته)

"وإن قيدت ببلد أو سلعة أو وقت أو معامل معين، فليس له أن يتجاوز، كما في الشركة، فإن تجاوز ضمن؛ لأنه صار غاصباً بالمخالفة، وكان المشتري له، والربح له أي للمضارب". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۹، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئته)

"وإذا خالف المضارب، كان غاصباً ضامناً للمال". (المبسوط للسرخسي: ۲۱/۱۰۸، كتاب الرهن، باب جناية الرهن في المختصر، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/۵۳۸، كتاب المضاربة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار: ۵/۶۵۱، كتاب المضاربة، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۳/۴۴۹، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئته)

(۲) "تصح المضاربة حتى يكون الربح مشاعاً بينهما بأن يكون أثلاثاً أو نصفاً". (مجمع الأنهر: ۳/۴۴۲، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئته)

"وكون الربح بينهما مشاعاً، فتفسد إن شرط لأحدهما عشر دراهم مثلاً". (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب المضاربة: ۳/۴۴۲، مكتبه غفاريه كوئته)

اگر نفع نہ ہو یا نفع سے زائد نقصان ہو جائے تو یہ ذمہ داری رب المال کے ذمہ ہوتی ہے۔ کمیشن دار پر اس کا تاوان نہیں پڑتا(۱)۔

۳.....اس کا جواب بھی وہی ہے جو نمبر ۳ کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۱ھ۔

ایک شریک کا تنخواہ لینا

سوال[۶۸۵۳]: ۱.....زید، عمرو، بکر، خالد چاروں نے مل کر ایک کپڑے کی دوکان ڈالی، ان چاروں نے ایک پانچویں شخص محمود کو چلانے کے لئے دی اور یہ محمود اس دوکان میں شریک نہیں، صرف چلانے کے عوض میں اس کو نفع کا نصف حصہ ملے گا، باقی نصف شرکاء میں تقسیم ہو جائے گا۔ اب اس کے بعد محمود کو نفع کا نصف حصہ کم پڑتا ہے، اس لئے اس نے شرکاء سے کہا کہ ہر مہینہ تنخواہ مقرر کرو نصف حصہ پر، تو شرکاء نے جواب دیا کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے محمود نے کہا کہ ہر مہینہ مجھے بعنوان ہدیہ سو روپے دیا کرو۔ تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ محمود کا یہ تاویل کر کے سو روپے لینا اور شرکاء کو بھی اس طرح دینا بھی جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ صورت مضاربت کی ہے؟

= "لاتصح المضاربة إلا إذا كان الربح بينهما مشاعاً". (تبيين الحقائق: ۵/۵۱۸، كتاب المضاربة، دارالكتب العلمية بيروت)

"وما هلك من مال المضاربة فمن الربح، فإن زاد الهالك على الربح، لم يضمن المضارب". (كنز الدقائق، ص: ۳۲۲، كتاب المضاربة، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۵/۵۱۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۴۶، كتاب المضاربة، سعيد)

(۱) "وما هلك من مال المضاربة، صرف الربح أولاً دون رأس المال؛ لأنه تابع، ورأس المال أصل ... ... فإن زاد الهالك على الربح، لايضمن المضارب لكونه أميناً، سواء كان عمله أولا". (مجمع الأنهر: ۳/۴۵۸، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، مكتبه غفاريه، كوئته)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۵/۶۵۶، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، سعيد)

دوکان کے لئے اس سے کپڑا خرید کر کام شروع کیا تو مضاربت صحیح ہے، لیکن وہ نفع میں شریک رہے گا، تنخواہ کا مستحق نہیں ہے(۱)۔ مزید روپیہ کا نام ہدیہ رکھنے سے ہدیہ نہیں ہوگا، ہدیہ کا اس طرح جبریہ مطالبہ نہیں ہوا کرتا ہے(۲)، لہٰذا یہ تنخواہ ہی ہے جو کہ ناجائز ہے۔ نفع ہونے کی صورت میں مضارب خود ہی شریک بن جاتا ہے(۳) اور مضاربت خود اس کا بھی کام ہوتا ہے، وہ اپنے (کل یا جز) کا مزید تنخواہ لینے کا کوئی معنی نہیں(۴)۔

۲… اس صورت میں بھی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

۳… اس صورت میں بھی تنخواہ لینا جائز نہیں، کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۵/۹۰ھ۔

= (وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ٥/٦٤٦، سعيد)

(١) "لا أجر للشريك في العمل بالمشترك". (رد المحتار: ٤/٣٢٩، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: يرجع القياس، سعيد)

"لو كان طعام بين رجلين فقال أحدهما لصاحبه: احمله إلى الموضع كذا، ولك في نصيبي من الأجر كذا. أو قال: اطحنه ولك في نصيبي كذا من الأجر، جاز ذلك في قول زفر ومحمد بن صاحب، ولا يجوز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى". (النتف في الفتاوى، ص: ٣٢٩، إجارة الشريك لشريكه، سعيد)

(٢) "لا جبر على الصلات إلا في مسائل". (الأشباه والنظائر: ٢/٣٣٣، (رقم المادة: ١٥٨٦)، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الهبة، إدارة القرآن كراچي)

(٣) "والمضارب أمين، وبالتصرف وكيل، وبالربح شريك". (البحر الرائق: ٧/٤٤٢، كتاب المضاربة، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع رد المحتار: ٥/٦٤٦، كتاب المضاربة، سعيد)

"وإذا ربح، كان شريكاً له: أي في الربح؛ لأنه حصل بالمال والعمل المشترك فيه". (شرح المجلة: ٤/٢٩٢، (رقم المادة: ١٤٠٣)، الفصل الثالث في أحكام المضاربة، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(٤) (راجع رقم الحاشية: ١)

کیا مضارب نفع میں شریک ہے، نقصان میں نہیں؟

سوال[۶۸۵۴]: زید اور بکر کی شرکت تجارت میں اس شرط کے ساتھ ہوئی ہے کہ زید کی رقم اور بکر کی محنت۔ معاہدہ یہ طے ہوا ہے کہ نفع و نقصان میں نصف نصف ہوگا اگر بکر نے اصل رقم میں یعنی راس المال کی زکوٰۃ مالک یعنی زید کی رقم میں سے اس کے سامنے نکالی، مگر یہ صاف ظاہر نہیں کیا کہ یہ رقم نفع میں کی ہے یا صرف اصل مالک کے نفع کے حصہ کی ہے جو کہ مالک یعنی زید کا نفع بھی اس میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر ادا نہیں ہوئی تو ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاملہ فاسد ہے، مضاربت میں کام کرنے والا (مضارب) صرف نفع میں شریک رہتا ہے، نقصان میں شریک نہیں رہتا(۱)۔ اب جو کچھ زکوٰۃ کے نام سے پیسے دیئے ہیں، اس سے اصل مالک (رب المال) زید

---

(۱) مضارب پر نقصان میں شرکت کی شرط لگانا مفسد عقد نہیں ہے، بلکہ ایسی شرط خود ہی باطل ہو جاتی ہے، اور مضاربت درست ہو جاتی ہے:

"ويبطل الشرط كشرط الوضيعة: أي الخسران على المضارب؛ لأن الخسران جزء هالك من المال، فلايجوز أن يلزم غير رب المال، لكنه شرط زائد لا يوجب قطع الشركة في الربح ولا الجهالة فيه، فلايفسد المضاربة؛ لأنها لاتفسد بالشروط الفاسدة كالوكالة". (مجمع الأنهر: ٣/٤٤٣، كتاب المضاربة، مكتبة غفاريه كوئٹه)

"كل شرط يوجب جهالةً في الربح، أو يقطع الشركة فيه، يفسدها، وإلا بطل الشرط وصح العقد". (الدر المختار). "(قوله: بطل الشرط) كشرط الخسران على المضارب". (رد المحتار: ٥/٦٤٨، كتاب المضاربة، سعيد)

"وكل شرط يوجب جهالة الربح يفسدها، وإلا، يبطل الشرط كشرط الوضيعة على المضارب ...... وشرط الوضيعة شرط زائد لايوجب قطع الشركة في الربح ولا الجهالة فيه، فلايكون مفسداً. وتكون الوضيعة -وهو الخسران- على رب المال؛ لأنه هلاك جزء من المال بالهلاك يلزم صاحب المال دون غيره، والمضارب أمين فيه، فلايلزمه بالشرط، فصار الأصل فيه أن كل شرط يوجب جهالة في الربح أو قطع الشركة فيه مفسد، وما لا فلا". (تبيين الحقائق: ٥/٥٢١، كتاب المضاربة، =

کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، البتہ اگر زید نے اجازت دی ہو تو درست ہے(۱)۔ عمرو تجارت میں شریک نہیں، بلکہ اجرِ مثل کا مستحق ہے، نفع سب زید کا ہے، اور جو پیسے بلا اجازت خرچ کئے ہیں ان کا ضمان لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۸/۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۹/۸/۱۴۰۰ھ۔

جانوروں کی مضاربت میں شرکت

سوال [۹۸۵۵]: ۱... مضاربت کے عقد میں رقم دینے والا اس شرط پر رقم دے کہ جانوروں کی تجارت کرو، خریدنا، چارہ تمہارے ذمہ ہے، تو جانوروں کا چارہ کس پر صحیح ہے یا نہیں؟ مدلل حوالے سے جواب مطلوب ہے۔

۲... مضاربت کی رقم دینے والا دو شخصوں سے کہے کہ ایک تم میں سے مال خریدے اور دوسرا اس کو چرائے، یہ تعیین یعنی خریدنے والے کی اور چرانے والے کی تعیین کرکے دوسری شرائط مضاربت کی تصحیح کرکے کہے، تو یہ اختیار مضارب کو ہے یا نہیں؟

۳... جانور مثلاً سو تھے، ایک شخص ان سب کی قیمت لگا دے، فی جانور ۵/ روپیہ، کل قیمت پانچ سو روپیہ ہوئی، اب دوسرے شخص کو بیچے کہ آدھے یعنی ڈھائی سو روپیہ کے عوض میں آدھے جانور تمہارے ہو گئے

= دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح المجلة: ۲/ ۷۵۷، رقم المادة: ۱۳۶۸، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۱) "ولو زكّى مال الآخر بلا إذنه: أي أحدهما، لأنه ليس من جنس التجارة، فلا يكون وكيلاً عنه في أدائها إلا بإذن له". (البحر الرائق: ۵/ ۳۰۸، كتاب الشركة، فصل في الشركة الفاسدة، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/ ۳۳۶، كتاب الشركة، الباب السادس في المتفرقات، رشيديه)

(۲) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة: ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار: ۶/ ۲۰۰، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح، سعيد)

میرے اجاؤ تم چراؤ، اس منافع کو جب حصہ تقسیم کریں گے مشترک ہے، تقسیم کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

۲... اگر اپنے حصے کے جانوروں کو چرائی دے تو اس وقت جائز ہے یا نہیں اور عقد کے وقت جانوروں کی تقسیم ضروری ہے یا نہیں؟ فقط۔

۱۷/ ربیع الثانی/ ۶۳ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جانور خرید کر ان کی تجارت کرو، اور ان کے فروخت ہونے تک ان کو چرانے کی ضرورت پیش آئے تو خود چرا کر لاؤ تو یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے اور صحیح ہے(۱)۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں کے لئے گھاس اپنی قیمت سے خریدو، میں قیمت نہیں دوں گا اور وہ قیمت مالِ مضاربت میں محسوب نہ کرے تو یہ شرط ناجائز ہے(۲)۔

۲... اس طرح نفع کی تقسیم جائز ہے(۳)، لیکن خرچ جو کچھ ہوگا وہ رب المال کا ہی ہوگا، اس کو عامل

---

(۱) "على المضارب في المضاربة المقيدة أن يتقيد بشرط رب المال وتقييده مهما كان". (شرح المجلة: ۴/ ۲۵۴، رقم المادة: ۱۴۲۲، مكتبه حنفيه كوئته)

"الأصل أن رب المال متى شرط على المضارب شرطاً في المضاربة، إن كان شرطاً لرب المال فيه فائدة، يصح، ويجب على المضارب مراعاته والوفاء به، وإذا لم يف به، صار مخالفاً وعاملاً بغير أمره. وإن كان شرطاً لا فائدة فيه لرب المال، فإنه لا يصح، ويجعل كالمسكوت عنه". (الفتاوى العالمكيرية: ۴/ ۲۹۲، كتاب المضاربة، الباب السادس فيما يشترط على المضارب من الشرط، رشيديه)

(۲) "ويبطل الشرط كشرط الوضيعة على المضارب". (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۳۴، كتاب المضاربة، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "وإن باع المتاع مرابحة حسب ما أنفق على المتاع من الحملان وأجرة السمسار والقصار والصباغ والطراز ومما اعتيد ضمه ويقول البائع: قام علي بكذا وكذا، يضم إلى رأس مال ما يوجب زيادة فيه حقيقة أو حكماً، أو اعتاده التجار كأجرة السمسار". (رد المحتار: ۵/ ۶۵۸، كتاب المضاربة، باب المضارب يضارب، فصل في المتفرقات، سعيد)

ہونے پر صرف نفس مال میں بھی شرکت برقرار رہے، اور نفع بھی نصفا نصف ہو، تو یہ شرکت کی صورت جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆
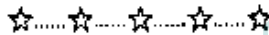
(۱) "والحيلة أن يبيع نصف البقرة من هذا الرجل ونصف الدجاجة ونصف البذر بثمن معلوم، حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة بينهما، ليكون الحادث منهما على الشركة". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۶/۲۰۳، كتاب الشركة، الفصل السادس في الشركة بالأعمال، مكتبة غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۳۵، كتاب الشركة، الباب الخامس في الشركة الفاسدة، رشيديه)

کتاب الوقف

باب مایتعلق بنفس الوقف

(نفسِ وقف کا بیان)

تمام جائیداد وقف کر دینا

سوال[۱۸۵۶]: ایک شخص نے آج سے پانچ سال قبل اپنی تقریباً ساری زرعی زمین اوقاف کمیٹی ہانڈی پورہ کے نام وقف کی، مذکورہ شخص کا ہفتہ بھر پہلے انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا:

(الف) یہ وقف نامہ جائز ہے؟ اور کیا اس کے ورثاء اس کی موت کے بعد وقف پر کوئی اعتراض کر سکتے ہیں؟ حالانکہ متوفی لاولد اور لاوارث ہے اور اس کے ماں باپ اور کوئی بھائی زندہ نہیں، البتہ چچازاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بھائی اور کچھ ماموں زاد بھائی موجود ہیں؟

(ب) مذکورہ اوقاف کمیٹی اس جائیداد کی آمدنی کن مصارف میں صرف کر سکتی ہے؟

(ج) کیا یہ مذکورہ اوقاف کمیٹی مذکورہ جائیداد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس زمین کا تبادلہ یا بیع کرنے کی مجاز ہے؟

(د) کیا کوئی شخص اپنی زندگی میں ورثہ کے ہوتے ہوئے اپنی ساری جائیداد وقف کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) مالک نے اوقاف کمیٹی کو متولی بنا کر اپنی زرعی زمین وقف کر کے متولی کے قبضہ میں دیدی جس کو پانچ سال گزر چکے ہیں اور اوقاف کمیٹی اس کی آمدنی کو واقف کے منشاء کے مطابق مصارفِ خیر میں صرف کر رہی ہے تو یہ وقف نامہ صحیح اور درست ہے، متوفی کے ورثہ میں سے کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور اس میں

وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)۔

(ب) جب وہاں کھیتی موجود ہے اور پانچ سال سے وہ کھیتی خود صرف کر رہی ہے جس کی اطلاع خود واقف کو بھی ہے تو اب اس میں کیا چیز تحقیق طلب ہے۔

(ج) اس وقف کو تجارتی مال نہ بنایا جائے، واقف کھیتی کو اس کے بیچ کرنے کا حق نہیں ہے (۲)۔

(د) اگر ورثہ کو نقصان پہنچانا اور محروم کرنا مقصود نہ ہو اور وہ حاجتمند بھی نہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے انہیں سب کچھ دے رکھا ہو تو وقف کر سکتے ہیں، مگر مناسب یہ ہے کہ ان سے مشورہ کر کے وقف کرے تاکہ ان کو حق تلفی کی بدگمانی نہ ہو اور موت واقف کے بعد خود وہ وارث دعوائے وراثت نہ کریں۔ بہتر یہ ہے کہ وقف نامہ پر خود ان کے بھی دستخط کرا دیے جائیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالى عنه: "تصدق بأصلها، لا تباع ولا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "عن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: مرضت عام الفتح حتى أشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! -صلى الله تعالى عليه وسلم- إن لي مالاً كثيراً وليس يرثني إلا ابنة لي، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: "لا". قلت: فالشطر؟ قال: "لا". قلت: فالثلث؟ قال: "الثلث، والثلث كثير، إنك أن تترك ورثتك أغنياء خير من أن تتركهم عالة يتكففون الناس".

(سنن ابن ماجة، باب الوصية بالثلث، ص: ۱۹۴، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الأول، ص: ۲۶۵، قديمي)

۲۔ ... شرط مذکور کی وجہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، کذا فی الہندیۃ: ۲/۳۷۵(۱)۔

۳۔ اگر ان سب کے فائدہ اٹھانے کے لئے محتاج ہونے کی شرط نہیں کی تو سب کو نفع حاصل کرنا درست ہے، اگر محتاج ہونے کی شرط کی ہے تو مالدار کو نفع حاصل کرنا درست نہیں، محتاج کو درست ہے(۲)۔

۴۔ واقف کو حق ہے کہ اپنی جائیداد تمام اولاد پر وقف کرے یا بعض پر بیٹا اور اقرباء پر۔ جس پر وقف کیا ہے اس کو اس سے حصہ ملے گا، جس پر وقف نہیں کیا اسے اس جائیداد موقوفہ سے حصہ نہیں ملے گا اور اولاد و اقرباء کہ جن پر جائیداد کو وقف کیا ہے سب کو ختم ہو جانے پر جائیداد موقوفہ کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی:

قال العلامة الكاساني رحمه الله تعالى: "وإن سمى جهة تنقطع، يكون بعدها للفقراء وإن لم يسمهم ..... لأن قصد الواقف أن يكون آخره للفقراء وإن لم يسمهم

"وجاز جعل غلة الوقف أو الولاية لنفسه عند الثاني، وعليه الفتوى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۴، سعيد)

(۱) "رجل قال: أرضي صدقة موقوفة على نفسي، يجوز هذا الوقف على المختار، كذا في خزانة المفتين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۲/۳۷۱، رشيدية)

"وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه، أو جعل الولاية إليه، صح، أما الأول: وهو ما إذا جعل غلة الوقف لنفسه، فالمذكور هنا قول أبي يوسف رحمهم الله تعالى ... فإذا شرط البعض أو الكل لنفسه، فقد شرط ما صنعه لله تعالى لنفسه، وهو جائز". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"وحاصله أن المعتمد صحة الوقف على النفس واشتراط أن تكون الغلة له". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۹، رشيدية)

(۲) "ولو قال: على الفقراء من ولده، ولم يزد على ذلك، يدخل من كان فقيراً وقت حدوث الغلة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث، الفصل الثاني: ۲/۳۷۳، رشيدية)

... فكان تسمية هذا الشرط ثابتاً دلالةً". كذا في البدائع (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۲/ جمادی الاولیٰ/ ۵۵ھ۔

واقف کو شرائط وقف میں تغیر وتبدل کا اختیار

سوال [۶۶۵۸]: واقف وقف کرنے کے بعد موقوف چیز میں شرائط کا اضافہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے وقف کرتے وقت اگر شروط میں اضافہ کا اختیار باقی رکھا ہے تو اختیار حاصل ہوگا ورنہ نہیں:

"وفي الإسعاف: لا يجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد اهـ. وفيه: لو شرط في وقفه أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته، أو ينقص من وظيفة من يرى نقصانه، أو يدخل معهم من يرى إدخاله، أو يخرج من يرى إخراجه، جاز. ثم إذا فعل ذلك، ليس له أن يغيره؛ لأن شرطه وقع على فعل يراه، فإذا رآه وأمضاه فقد انتهى ما رآه". شامی: ۳/۴۳۱ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الوقف والصدقة، فصل شرائط جواز الوقف: ۵/۳۲۸، رشیدیہ)

"رجل قال: وقفت أرضي هذه على ولدي وولد ولدي أبداً، وآخره للمساكين، فمات ولده، قال أبو القاسم رحمه الله تعالى: تصرف الغلة إلى الفقراء". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳/۳۲۰، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا يجوز الرجوع عن الشروط: ۴/۴۵۹، سعید)

"أن الواقف إذا جعل لنفسه التبديل والتغيير والإخراج والإدخال والزيادة والنقصان، ثم فسر التبديل باستبدال الوقف، هل يكون صحيحاً؟ وهل تكون له ولاية الاستبدال؟ والشيخ الإمام الوالد سقى الله عهده ... أفتى بصحة ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۳، رشیدیہ)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"لو اشترط في الوقف أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته، أو ينقص من وظيفة من يرى نقصانه، =

ایک وقف نامہ کی تنقیح

سوال [۶۹۵۹]: وقف نامہ جناب حاجی کلن صاحب مرحوم کئی مرتبہ سامنے آیا، غور کیا، ایک دفعہ جواب جناب مفتی نظام الدین صاحب نے لکھا، پھر جواب اس فقیر نے لکھا، پھر آیا تو جواب جناب مفتی احمد علی سعید صاحب نے لکھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ دیکھنے سے جو نقشہ ذہن میں مرتسم ہوا ہے، جواب لکھتے وقت کہیں وہی اثر انداز نہ ہو، اس لئے ہر مرتبہ جداگانہ طبیعت سے جواب لکھا جاتا کہ گذشتہ تصور سے فارغ ہو کر از سرِ نو غور کیا جائے۔

یہ بھی ذہن نشین کر لیا جائے کہ جناب حاجی کلن صاحب مرحوم اور ان کے نسبی اور غیر نسبی ورثہ کسی سے ہماری واقفیت نہیں، نہ اندرونی حالات کا علم ہے، اگر واقفیت ہو بھی تب بھی کسی تعلق اور واقفیت کی بنا پر غلط فتویٰ دے کر اپنے دین کو برباد کرنا ہمارے لئے کسی طرح درست نہیں۔ جو کچھ پہلے لکھا گیا وہ بھی دیانۃً وحسبۃً للہ لکھا گیا اور اب بھی جو کچھ لکھا جا رہا ہے نہ کسی کی حمایت مطلوب ہے، نہ مخالفت، نہ اپنی ضد کی بات، نہ دوسروں پر رد۔ سمجھنے اور لکھنے میں غلطی کا امکان ہر وقت ہے اور ہر ایک سے ہے، اپنے بیان کے فتوے کے جس جزء میں لغزش اور کوتاہی ہوا اور اپنے پہلے ہوا اس کو تسلیم کیا، اب بھی جس غلطی کا علم ہو جائے اس کو تسلیم کرنے کے لئے سینہ کھلا ہوا ہے، کوئی اصرار نہیں، وما أبرئ نفسی۔

یہاں کے فتوے میں "وقف علی الاولاد" کے لفظ کو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں کیا اور اس کے بعض قرائن بتائے گئے ہیں، دوسرے بعض حضرات نے اس کو حقیقی معنی پر حمل کیا، مگر "وارثانِ شرعی" اور "حصہ شرعی" کو حقیقت شرعیہ پر محمول نہیں کیا، انہوں نے بھی کچھ قرائن بیان کئے ہیں، وہ حضرات ممکن ہے کہ ذاتی واقفیت کی بنا پر واقف کے ذہن اور منشاء کو بھی سمجھتے ہوں، جیسا کہ تحریر سے اندازہ ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک قرائن قوی بلکہ صحیح ہوں، لیکن بار بار وقف نامہ اور تنقید نامہ میں غور کرنے کے باوجود دارالعلوم کے فتوے کا حتمی طور پر غلط ہونا واضح نہیں ہوا، ورنہ رجوع کر لینے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

"ومن قال الوقف، وأن يدخل معهم من يرى إدخاله، وأن يخرج من يرى إخراجه، جاز" (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۰۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(وكذا في أحكام الأوقاف للخصاف، ص: ۳۲، دار الكتب العلمية بيروت)

تحدید نامہ کے ایک ایک جزء پر تنقید کرنا قاطع نزاع نہیں اور کچھ مفید بھی نظر نہیں آتا کہ یہ مستقل باب جدل ہے، اس لئے ہمارے خیال میں رفع نزاع کی بہتر صورت یہ ہے کہ اس وقف سے تعلق رکھنے والے سب متفق ہو کر تین مخصوص کو ثالث اور حَکَم تجویز کرلیں جو اہلِ فہم و دیانت ہونے کے ساتھ ساتھ مسائل فقہ و فرائض پر بھی گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہوں، وہ جس جانب کے قرائن کو قوی دیکھ کر فیصلہ فرمادیں گے، امید ہے کہ وہ عند اللہ بری ہوں گے اور اس پر عمل کرنا معصیت نہ ہوگا۔

حق تعالیٰ صحیح بات دل میں ڈالے، کسی کا حق تلف نہ ہو، آپس کا نزاع ختم ہو، مقدمات میں مال ضائع ہونے سے محفوظ رہے، آمین۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دار العلوم دیوبند، سید احمد علی سعید، ۱۰/۲/۹۱ھ۔

غیر مملوک زمین کو وقف کرنا

سوال [۶۸۹۰]: ۱...... اگر کوئی شخص ایسی زمین یا چیز مسجد میں وقف کردے جس کا وہ مالک نہ ہو اور نہ وہ چیز اس کی زر خرید ہے، ورنہ وہ حاصل کیا ہے۔ اب اس صورت میں اس کا وقف کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۲...... زید کی زمین کل ۲۰/۳ سل، ۹/۳ کڑی ہے(۱) اور زید مسجد میں ۲۰/۹۲ سل زمین وقف کرتا ہے۔ تو کیا زائد زمین موصوفہ مسجد میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... اپنی ملک کو وقف کرنے کا اختیار ہے، جس زمین کا خود مالک نہیں اس کے وقف کرنے کا اختیار نہیں، لہٰذا اس زمین (۲۰/۳ سل) کا وقف صحیح ہوگا، زائد کا صحیح نہیں: "ومن شرائطہ الملك وقت الوقف، حتی لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها، لا یكون وقفاً". مجمع الأنهر: ۱/۷۳۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) "کڑی: جریب کا بیسواں یا چالیسواں حصہ"۔ (فیروز اللغات، مادہ: ک-ڑ، ص: ۱۰۰۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۷۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

غیر مملوک زمین کو وقف کرنا

سوال [۷۰۸۲]: ایک عورت نے کچھ زمین عرصہ سے زمیندار سے لگان پر بنیال آبادی لی، اپنی حیات میں اس عورت نے اپنی دختر کے نام یہ زمین ہبہ ایک روپیہ کے کاغذ پر کردی اور وہ لڑکی برابر لگان اپنے شوہر کے ذریعہ زمیندار کو کچھ عرصہ تک ادا کرتی رہی، اب جب کہ اسی عورت کی لڑکی کا انتقال ہو گیا تو کچھ لوگوں کے بہکانے سے اس عورت نے مسجد کے نام وقف کر دیا۔

کیا ایسی زمین جو کہ ایک دفعہ کسی کے نام ہبہ ہو چکی ہو مسجد کے نام وقف ہو سکتی ہے، ایسی چیز مسجد کے واسطے کہاں تک جائز یا ناجائز ہے؟ وہ زمین قریب ۲۵ یا ۲۶/ سال سے ہبہ ہوئی ہے جس کا لگان اب تک اس عورت کا داماد برابر دیتا چلا آرہا ہے، مسجد کے متولیان نے ابھی تک کوئی لگان اس کا ادا نہیں کیا حالانکہ اس کو چودہ سال گزر چکے، اب متولیان مسجد اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا التماس ہے کہ جیسا شرع شریف کا حکم ہو، مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف صحیح ہونے کے لئے شی موقوف کا ملک واقف ہونا ضروری ہے، اگر وہ عورت اس زمین کی مالکہ نہیں تو اس کا وقف کرنا بھی صحیح نہیں ہے(۱)، اسی طرح اپنی لڑکی کے نام جو اس نے ہبہ کی ہے تو وہ ہبہ بھی صحیح

= "الخامس من شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً، فوقفها، ثم اشتراها من مالكها و دفع الثمن إليه، أو صالح على مال دفعه إليه، لا تكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(۱) "الخامس من شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً فوقفها، ثم اشتراها من مالكها، ودفع الثمن إليه، أو صالح على مال دفعه إليه، لاتكون وقفاً؛ لأنه إنما ملكها بعد أن وقفها"

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۳/۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۵۰۸/۲، غفاريه كوئٹه)

نہیں ہوا۔ اگر وہ عورت اس زمین کی مالک ہے تو شرعاً ہبہ صحیح ہے، لیکن اگر ہبہ کرکے لڑکی کا قبضہ زمین پر کرا چکی ہے(۱) تو لڑکی کے مرنے کے بعد باقاعدہ اس میں میراث جاری ہوگی اور ان میں سے جس قدر حصہ اس عورت کو ملے گا، صرف اسی حصہ کو وقف مسجد کر سکتی ہے، دوسرے کے حصہ کو وقف نہیں کر سکتی (۲)۔ حصہ موقوفہ پر -جس کا وقف صحیح ہو- متولی کو قبضہ کرنے کا حق ہے، غیر موقوفہ پر (جس کا وقف صحیح نہ ہو) قبضہ کرنے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۸/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شعبان/ ۵۸ھ۔

دوسرے کی ملک کو وقف کرنا

سوال[۶۹۶۲]: زید نے چند درختان اپنے زمیندار کی اراضی میں نصب کر دیا تھا اور زید ہی کا ہر طرح کا تصرف تھا، مگر زید کے نام کسی قسم کا کوئی اندراج کاغذات دیہی میں نہیں تھا، پھر کچھ عرصہ دنوں کے تحت اپنے نصب کردہ درختان بکر سے مناسب قیمت لے کر فروخت کر دیا۔ اسی درمیان میں سرکاری حکم کے بموجب پٹواری کو ہدایت ہوئی کہ متفرق درختان کا اندراج مع ملکیت کے کیا جاوے، اس موقع پر بکر نے کاغذات دیہی میں درخت کا اندراج اپنے نام کرا لیا، جس پر زید کو کوئی عذر نہیں تھا اور نہ گاؤں کے لوگوں ہی کو کوئی اعتراض پیدا ہوا۔

بکر کے انتقال کے بعد جب اس کا لڑکا قابض ونیز میں آیا تو کچھ لوگوں کو ضد پیدا ہوئی اور اس کے تحت

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الفصل الأول: أحكام الأملاك، ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئته)

(۲) "ولو أن رجلين بينهما أرض فوقف أحدهما نصيبه، جاز في قول أبي يوسف رحمه الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني، فصل في وقف المشاع: ۲/۳۶۵، رشيديه)

(وكذا في الخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۵/۲۹۸، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة، رقم المادة: ۹۶: ۱/۶۱، دار الكتب العلمية بيروت)

ایک پارٹی یہ کہ اس اراضی کو گرام سماج (۱) کی ملکیت بنائی جاتی، چونکہ اس کے اردگرد یا اندر اب قبرستان بھی ہے، لوگ باغ مذکور کو بھی قبرستان بنانا چاہتے ہیں۔ اور کسی کا کہنا ہے کہ باغ مذکور پر عمر کا تصرف شرعاً ناجائز ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک اس کے وقف ہونے کا شرعی ثبوت نہ ہو، اور نہ وارث ہونے کی حیثیت سے عمر کا اس پر قبضہ درست ہوا، اصل مالک کے قبضہ سے بلا وجہ شرعی کوئی چیز نکالنا ظلم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۷ھ۔

زمین وقف کر کے دوسرے شخص کو اس کی تملیک کرنا

سوال [۷۱۹۳]: اب سے دس سال پہلے جناب ابوالقاسم صاحب نے پورہ خیر کے مضافات میں کالا تاج میں پانچ کٹھے (۳) زمین مکان کی غرض سے خریدی تھی، تو فوتشن پانے کی بنیاد بھی شروع ہوئی تھی۔ تقریباً دو سال گزرنے کے بعد ان کے پاس حافظ ادریس اور چند علمائے کرام اس غرض سے تشریف لے گئے کہ یہاں میں کوئی مدرسہ نہیں ہے اور ہم سب مدرسہ کی خاطر جگہ کی تلاش میں ہیں۔ جناب ابوالقاسم صاحب سخاوت اور فراخدلی میں اپنی مثال آپ ہیں اور سب حضرات ان کی سخاوت سے واقف ہیں۔

بہر حال ابوالقاسم صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی پانچ کٹھے زمین جو کالا تاج میں ہے مدرسہ کے لئے فی سبیل اللہ وقف کرتا ہوں، لیکن اس کی تمام تعمیرات وغیرہ کا انتظام آپ حضرات کے ذمہ ہے۔ اور حافظ

---

(۱) "گرام: گاؤں، موضع، بستی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۸، فیروز سنز، لاہور)

"سماج: جماعت، سوسائٹی، انجمن، مجلس"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "ومن شرائطه الملك وقت الوقف، حتى لو غصب أرضاً ثم وقفها ثم ملكها، لا يكون وقفاً"

(مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۲، رشيديه)

(۳) "کٹھا: جریب کا بیسواں حصہ، چار ہاتھ، بیگہ کا بیسواں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۰۹، فیروز سنز، لاہور)

ادریس صاحب ہی اس مدرسہ کے اہتمام کی باگ ڈور سنبھالیں گے۔ گو بعد میں آپس سے کچھ چہ میگوئیاں بھی ہوئیں کہ کاتریچ کی زمین مدرسہ کے لئے مناسب نہیں رہے گی، کیونکہ یہ شہر کافی دوری پر ہے اور آس پاس میں آبادی بھی نہیں ہے، بالکل جنگل میں ہے، بعض حضرات نے شوق مدرسہ کے لئے اس زمین کا انتخاب فرمایا تھا۔

اچانک ابوقلندر صاحب کی ملاقات ان کے ایک دوست شیخ وکیل الدین سے ہوئی، ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ شیخ وکیل الدین صاحب! میں نے ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کے لئے اپنی کاتریچ والی زمین پانچ کٹھے وقف کر دی تو فوراً فرمایا کہ یہ تو بہت اچھا نیک کام کیا، یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، ایسی بات ہے تو اس نیک کام میں میں بھی حصہ لینا چاہتا ہوں، لیکن ابوقلندر صاحب نے فرمایا کہ آپ بجائے پانچ کٹھے زمین برائے مدرسہ وقف کرنے کے دس کٹھے زمین وقف فرما دیجئے، کیونکہ میں نے جو پانچ کٹھے زمین کاتریچ میں وقف کی ہے، وہ آپ اپنے مصرف میں لے لیں، مقصد یہ تھا کہ دو مقامات کے بجائے ایک جگہ ہو جائے گی اور مدرسہ کی تعمیرات کے لئے دشواری ہوگی، تو جناب ابوقلندر صاحب کے کہنے پر شیخ وکیل الدین نے قبول کیا تھا کہ میں دس کٹھے زمین شیوا پور والی وقف کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب گفتگو زبانی ہوئی تھی۔

وکیل الدین صاحب وقف کرنے کے بعد لکھا پڑھی کاغذی کاروائی کرنے میں تاخیر فرما رہے ہیں۔ شیخ وکیل الدین صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ستر سال کی ہو چکی ہے۔ خدانخواستہ ان کی اجل آ جائے یا کوئی اور بات پیش آ جائے تو ان کے بعد ان کے ورثہ حضرات سے ہمیں ذرہ برابر بھی امید نہیں ہے کہ وہ اپنے بزرگ شیخ وکیل الدین صاحب کی وقف کردہ دس کٹھے زمین کو عربی مدرسہ کی خاطر عنایت فرمائیں گے، کیونکہ عقائد کے اعتبار سے وہ حضرات مختلف ہیں، بدعتی ہیں، ہمارے سخت مخالف ہیں، وہ اکثریت میں ہیں، کسی بھی صورت میں شیوا پور میں مدرسہ کا اجراء نہیں کرنے دیں گے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ابوقلندر صاحب نے کاتریچ والی زمین کا وعدہ کیا ہے کہ وکیل الدین کو دوں گا، اب اگر کاغذی کاروائی نہ ہوئی تو یہ پانچ کٹھے زمین جناب ابوقلندر صاحب کی وقف کردہ بھی بغیر فائدہ اٹھائے ہوئے ان کے قبضہ میں چلی جائے گی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ جناب حافظ ادریس صاحب اور دیگر علماء حضرات بذریعہ جناب شیخ کے بزبانی

تاکہ اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اب مدرسہ کی زمین کی انہیں ضرورت نہیں رہی، کیونکہ اسٹیشن والی مسجد کی جگہ میں حافظ ادریس صاحب پچھلے برس پڑھا رہے تھے، اب امامت اسٹیشن والی مسجد میں کر رہے ہیں۔

پھر اب اصل اشکال یہ ہے کہ جناب ابوقلندر صاحب جو بیع کنندہ زمین کا ترجیح والی وکیل الدین صاحب کی رضامندی سے واپس لے کر جس کی قیمت اس وقت پندرہ ہزار سے پچیس یا تیس ہزار روپے ہے، جب کہ خریدتے وقت اب سے دو سال قبل سات ہزار روپے کی تھی، لیکن ابوقلندر صاحب وقف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس زمین پر جو انہوں نے وقف کی تھی مدرسہ اور تعمیر کرا دیں، یعنی جو موجودہ رقم زمین کی ہے اس رقم سے اوپر کے حصہ میں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے نچلے حصہ میں اپنا کاروبار کرنا چاہتے ہیں اور اوپر کا حصہ مدرسہ کا رہے گا اور اس کی قیمت مدرسہ پر خرچ کرنے کے سبب نیچے والا زمین کا حصہ ہمیشہ کے لئے موقوف عن ابوقلندر کا ذاتی ہو جائے گا یا نہیں؟

دوسری بات: جناب ابوقلندر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ اس وقف کردہ زمین کو خرید کر اس کا تمام سرمایہ کسی مدرسہ کو دے دیں اور اپنا کاروبار اس وقف کردہ زمین میں جاری کر دیں، اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھی بچ جائیں اور لوگوں کی نظروں میں بھی بحال رہیں، حقیر و ذلیل ہونے سے محفوظ رہیں اور شریعت کی نگاہ سے بھی نہ گریں۔ کیا یہ ممکن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کر کے اپنی ملکیت ختم کر کے اللہ کی ملکیت میں دے دی جائے اپنے قبضہ مالکانہ ہٹا کر اس کو متولی کو دے دیا جائے تو اس کی بیع درست نہیں اور وہ زمین مملوک بننے کے قابل نہیں رہی (۱)۔ یہ بھی درست نہیں کہ

---

(۱) "أو عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ..... الخ: ۲/۳۵۰، رشيدية)

"(قوله: لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء ..... (وأما امتناع التمليك، فلما بينا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيدية)

نیچے کے حصہ میں اس کو دوبارہ کیا جائے اور اوپر کے حصہ میں مدرسہ بنادیا جائے(۱)، البتہ اوپر کے حصہ میں مدرسہ بنا کر نیچے کے حصہ کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے(۲) اور وہ کرایہ مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۹۶ھ۔

وقفِ مشترک

سوال [۶۸۶۴]: ایک زمین جو کہ مدرسہ مدینہ منورہ اور چند مسلمانوں کے اوپر ہے میں مشترک ہے اور کچھ گوں مشکلات کی وجہ سے مدرسہ مدینہ منورہ کو اس کا حصہ پہنچنا مشکل ہے اور نہ ہی صورت مدرسہ مدینہ

---

(۱) "قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناً، تسقط حرمته، وهذا لا یجوز. والفناء تبع للمسجد، فیکون حکمه حکم المسجد. کذا فی محیط السرخسی". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ: ۲/۴۶۲، رشیدیه)

"قیم المسجد إذا أراد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه، لایجوز. اهـ". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها وما یتصل به من صرف غلة الأوقاف علی وجوه أخر: ۵/۸۹۰، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول فیما یصیر به مسجداً وفی أحکامه وأحکام ما فیه: ۲/۴۵۵، رشیدیه)

(۲) "ولو کانت الأرض متصلة ببیوت المصر، یرغب الناس فی استئجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخیل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف: ۲/۴۱۷، رشیدیه)

"وإذا أراد أن یبنی فیها بیوتاً یستغلها بالإجارة، فهذه المسألة فی الأصل علی وجهین: إن کانت أرض الوقف متصلة ببیوت المصر، یرغب فی استئجار بیوتها، وتکون غلة ذلک فوق غلة الأرض والنخیل، کان له ذلک". (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الوقف، تصرف القیم فی الأوقاف: ۵/۷۳۵، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف: ۳/۳۱۳، رشیدیه)

منورہ کے متولی نے یہ کہہ دیا ہے کہ کل جائیداد اپنے حصہ میں لگائی جائے، تمام جائیداد کی آمدنی پہنچنے والے میں صرف کی جائے، کیونکہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر ایک مسجد کی ولی شی اس مسجد میں کام آنہیں ہوسکتی ورضائع ہوتی ہو تو دوسری مسجد میں اس کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔ تو حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱... کیا ایسا ہوسکتا ہے؟

۲... اگر ایسا ہوسکتا ہے تو یہ دائمی ہوگا، یا جب حصہ کا پہنچانا ممکن ہو پہنچانا ہوگا؟

۳... اگر پہنچانا ضروری ہوگا تو صرف آئندہ یا گذشتہ وصول شدہ و خرچ شدہ بھی واپس کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہاء کا کلیہ ہے "شرط الواقف كنص الشارع إلا ما استثنى"(۱)۔ جب واقف نے ایک موقوف علیہ مثل مدرسہ مدینہ منورہ کی تصریح کردی تو اب اس کو خود بھی تبدیل کرنے کا حق باقی نہیں رہا۔ وہاں کے متولی کا یہ کہنا کہ "کل جائیداد اپنے مصرف میں لگائی جائے" بے سود اور قابل التفات ہے۔ فقہاء نے ایک مسجد کی شی دوسری مسجد میں منتقل کرنے میں یہ قید لگائی ہے کہ لوگوں کو اس مسجد کی حاجت باقی نہیں رہی، خواہ اس لئے کہ وہاں آبادی ختم ہوگئی، لوگ اجڑ کر دوسری جگہ چلے گئے، اس لئے اب وہاں کوئی نماز پڑھنے والا نہیں رہا، یا یہ مسجد پرانی ہو کر ٹوٹ گئی اور دوسری مسجد تعمیر ہوگئی، لوگ اس دوسری نئی مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہیں، یہاں کوئی نہیں آتا(۲)۔

مدرسہ مدینہ منورہ بھی باقی ہے، وہاں اس سے منتفع ہونے والے بھی موجود ہیں، لہٰذا اس کے حصہ کو دوسرے ادارے کی طرف منتقل کرنے کا حق نہیں، رہا یہ کہ مدرسہ مدینہ منورہ میں اس کا پہنچانا تو یہ ناممکن نہیں، بلکہ ممکن ہے، ممالک غیر میں روپیہ منتقل کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جن کو تجار اختیار کرتے ہیں اور اپنے بینک کی

---

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعید)

"شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة ..... الخ".

(قواعد الفقه ص: ۸۵، الصدف پبلشرز)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفوائد: ۱۰۹/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب ..... ولا ينتفع العامة، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى مسجد آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع العامة، ويحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في انقاض المسجد ونحوه: ۳۶۰/۴، سعید)

سوچتا ہیں جن کے ذریعہ یہ کام بسہولت ہوسکتا ہے۔ ہندوستانی ادارہ امین ہے، وہ امانت پہنچانے کی پوری کوشش کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مشترکہ جائیداد میں سے کوئی شریک اپنا حصہ وقف کرسکتا ہے؟

سوال[۶۸۹۵]: اگر ہم میں سے کوئی بھائی اپنا حصہ کسی مذہبی ادارے کے نام وقف کرنا چاہیں تو وقف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ وقف کوئی توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مشترک جائیداد میں سے جس کا دل چاہے اپنا حصہ فروخت کردے یا وقف کردے، کسی شریک کو اعتراض کا حق نہیں(۲)۔ وقف تام اور لازم ہوجانے کے بعد اس کو توڑا نہیں جاسکتا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالک، فله أن یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة الخ: ۴/۳۴۳، سعید)

"علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة: ۴/۴۴۵، سعید)

(وکذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "وفی الذخیرة: ذکر الخصاف فی وقفه تفریعاً علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ فقال: إذا کانت الأرض بین رجلین، وقف أحدهما نصیبه منها، وهو النصف، له أن یقاسم شریکه، فیفرز حصة الوقف؛ لأن ولایة الوقف إلیه". (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۵/۵۹۹، إدارة القرآن کراچی)

"ولو أن رجلین بینهما أرض، فوقف أحدهما نصیبه، جاز فی قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ".

(الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی فیما یجوز وقفه، فصل فی وقف المشاع: ۲/۳۶۴، رشیدیه)

"لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص". (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال والملک الخ: ۴/۵۰۲، سعید)

"کل یتصرف فی ملکه کیف شاء". (شرح المجلة لسلیم رستم باز، الفصل الاول فی بعض قواعد فی أحکام الأملاک: ۱/۶۵۴، (رقم المادة: ۱۱۹۲)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۳) "فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن". (الدرالمختار). "(قوله: لا یملک) أی –

شریکِ وقف کی علیحدگی ہونے پر اس کی رقم کی واپسی

سوال[۶۸۹۲]: خالد، ولید، عمرو وغیرہ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے اپنے باہمی اتفاق سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی کہ جس کے بقاء اور قیام کی غرض سے باہمی مشورہ پر مناسب قوانین تجویز کئے ہیں۔ اور منجملہ قوانین مجوزہ کے ایک قانون یہ بھی ہے کہ: کوئی شریک بدونِ عذرِ معقول کے درمیان سال میں خارج نہیں ہوسکے گا اور اگر زبردستی خارج ہونا چاہتا ہے تو اس کی جمع کردہ رقم واپس نہیں دی جائے گی، ہاں! اگر عذرِ معقول ہے تو خارج ہوسکتا ہے تو اس کا حساب صاف کرکے مع رقم جمع کردہ کے اس کو رخصت کی جاتی ہے۔

نیز وعدہ لیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق انجمن سے نکل جائے گا تو اس کی جمع کردہ رقم کسی مناسب جگہ پر وقف کردی جائے گی۔ تو شرکاء میں سے ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق نکلنا چاہتا ہے اور پاس شدہ قانون کے مطابق اپنی رقم کے وقف ہونے پر راضی نہیں ہوتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ محض وقف کرا دینے کے وعدہ سے اس کی رقم موقوف ہوگئی اور مطالبہ کا حق باقی نہیں، یا عند الوقف اس کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور بدون اس کی اجازت کے وقف نہیں ہوسکتا؟ نہایت اطمینان بخش فیصلہ عنایت فرمائیں۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شروع میں مالک نے یہ رقم اپنی ملکیت سے خارج کرکے دے دی تھی تو اب واپس لینے کا حق دار نہیں(۱)۔ اگر بطورِ امانت تھی تو اس رقم کی واپسی ضروری ہے(۲)، اس کا وقف بہرحال ناجائز ہے، اولاً اس لئے

= لایکون مملوکاً لصاحبہ، ولا یملک: أی لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۰۴، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(۱) "وعن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عن أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: إذا جعل أرضہ وقفاً علی المسجد وسلّم، جاز، ولایکون لہ أن یرجع". (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشیدیہ)

(۲) "وأما حکمہا فوجوب الحفظ علی المودع، وصیرورۃ المال أمانۃ فی یدہ، ووجوب أدائہ عند =

کو اس رقم میں وقف کی صلاحیت نہیں، کیونکہ وقف اصالۃً غیر منقول کا ہوتا ہے اور منقول کا وقف صحیح نہیں۔

"إلا ما استثنی منها (أی من شرائط الوقف) أن یکون المحل عقاراً أو داراً، فلا یصح وقف المنقول (إلا فی الکراع والسلاح) کذا فی النهایة، اهـ". عالمگیری: ۲/ ۹۹۰(۱)۔

ثانیاً اس لئے کہ شروع شرکت کے وقت جو کچھ طے ہوتی ہے وہ وعدے کے درجہ میں ہے اور وعدہ کو وقف سے وقف نہیں ہوتا (۲)۔

ثالثاً اس لئے کہ اگر شروع شرکت کے وقت کے الفاظ کو وعدہ نہ تسلیم کیا جائے، بلکہ وقف ہی مانا جائے تب بھی یہ وقف منجز نہیں، بلکہ وقف کی تعلیق ہے اور وقف معلق صحیح نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منجز ہونا ضروری ہے:

"ومنها أن یکون منجزاً غیر معلق، فلو قال: إن قدم ولدی فداری صدقة موقوفة علی المساکین، فجاء ولده، لایصیر وقفاً، کذا فی فتح القدیر، اهـ". عالمگیری، ص: ۹۵۹(۳)۔

نیز اس میں موقوف علیہ کی تعیین نہیں، واقف رضامند نہیں۔ غرض یہ وقف کسی طرح صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۹/۳/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۹/ ربیع الآخر/ ۵۸ھ۔

= طلب مالکه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الودیعة، الباب الأول: ۴/ ۳۳۸، رشیدیه)

"یلزم رد الودیعة إلی صاحبها إذا طلبها". (شرح المجلة، الکتاب السادس فی الأمانات، الفصل الثانی فی أحکام الودیعة وضمانها: ۱/ ۴۴۰، (رقم المادة: ۷۹۴)، مکتبه حنفیه کوئٹه)

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول فی تعریفه ورکنه الخ: ۲/ ۳۵۴، رشیدیه)

(۲) "وقال محمد رحمه الله تعالی: لایزول حتی یجعل للوقف ولیاً ویسلم إلیه، وعلیه الفتوی، وبقول محمد یفتی، کذا فی الخلاصة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۱، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، جواز الوقف وشرائط صحته: ۵/ ۶۹۹، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الأول فی المقدمة: ۴/ ۴۰۲، رشیدیه)

(۳) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/ ۳۵۵، رشیدیه)

"وأن یکون منجزاً غیر معلق، فإنه مما لایصح تعلیقه بالشرط، فلو قال: إن قدم ولدی، فداری =

تعلیمِ دین کے لئے وقف عمدہ ہے

سوال[۶۸۰۷]: زید ایک زمین وقف کرنا چاہتا ہے، گاؤں میں ایک مدرسہ قائم ہے جس میں اسلامی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ ایک اسکول بھی ہے جو کہ سرکار سے رجسٹرڈ ہے اور اس میں خاص تعلیم انگریزی وسرکاری ہوتی ہے اور اسکول کے متعلق سرکار مطالبہ کررہی ہے کہ کوئی شخص رقبہ دیدے اور اسے اسکول کے لئے رجسٹرڈ کردیا جائے، اس لئے واقف زید تشویش میں ہے کہ مدرسہ کے مقابل اسکول میں وقف کرنا کیسا ہے؟ اور کس میں دینا افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف نیک کام کے لئے کرنا بڑی عبادت اور موجب اجر وثواب ہے، لہٰذا دینی تعلیم کے لئے وقف کردے تاکہ صدقۂ جاریہ رہے اور بعد میں بھی ثواب ملتا رہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". رواه مسلم". مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۲(۱)۔

= صدقة موقوفة على المساكين، فهو رد له، لاتصير وقفاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۳۲، قديمي)

"وأول وقف خيري عرف في الإسلام، هو وقف النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لسبع حوائط (بساتين) بالمدينة . وقبض النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لتلك الحوائط السبعة، فتصدق بها أي وقفها، ثم تلاه وقف عمر رضي الله تعالى عنه، ثم تتابعت بعد ذلك أوقاف الصحابة". (الإسعاف في أحكام الأوقاف، لبرهان الدين بن إبراهيم بن أبي بكر الطرابلسي، ص: ۹، بحواله: وقف کے احکام شرعیہ، مولانا مجاهد الإسلام قاسمي، ص: ۹)

"رجل جاء إلى فقيه وقال: إني أريد أن أصرف مالي إلى خير، عتق العبيد أفضل أم اتخاذ الرباط للعامة؟ قال بعضهم: الرباط أفضل. وقال الفقيه أبو الليث: إن جعل للرباط مستغلاً يصرف إلى =

فإن شئت فراجع تحت قوله "(صدقة جارية)" "كالوقف"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۴/۹۲ھ۔

وقف کے لئے قبضہ شرط نہیں

سوال [۸۶۶۹]: کسی نے مدرسہ وغیرہ میں کتاب یا اور کوئی چیز وقف کی مگر مدرسہ میں اب تک داخل نہیں کی، تو پھر وقف کو رد کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جیسے ہی اس نے کتاب وغیرہ کو وقف کیا تب ہی وہ وقف ہوگئی اگرچہ مہتمم کا قبضہ نہ کرایا ہو، اب اس کو واپس لینے کا اختیار نہیں، یہی راجح ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

عمارة الرباط، فالرباط أفضل، وإن لم يحتج إلا رباطاً فالإعتاق أفضل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۰، رشيدية)

"وجه قول العامة الاقتداء برسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم والخلفاء الراشدين وعامة الصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين، فإنه روي أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وقف، ووقف سيدنا أبو بكر، وسيدنا عمر، وسيدنا عثمان، وسيدنا علي وغيرهم رضي الله تعالى عنهم، وأكثر الصحابة وقفوا". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة: ۸/۳۹۲-۳۹۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وسببه إرادة محبوب النفس في الدنيا ببر الأحباب وفي الآخرة بالثواب يعني بالنية". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۹، سعيد)

(۱) (مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الأول: ۱/۴۵۳، (رقم الحديث: ۲۰۳)، رشيدية)

(۲) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالى يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۸، سعيد)

اب دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ بیان سے شرعاً یہ وقف میت کی عبارت سے منعقد ہوا یا ورثین کی عبارت سے؟ اور ورثین میت کا وکیل ہوں یا نہیں ہوں، فتح القدیر کی عبارت: "قوله: إن مات فاجيزوها وقفاً، قوله: يجوز؛ لأنه تعيين الوكيل لا تعيق توقف نفسه، الخ"(۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ ورثین وکیل بالوقف ہے، اگر وکیل بالوقف ہیں جیسا کہ صاحب فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو ان ورثین کو سابق تفصیل کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

وقف کے وقت مدرسہ ایک خالص دینی قومی مدرسہ تھا جس میں فقط درس نظامی عربی، فارسی اور اردو کا دینی حیثیت سے درس دیا جاتا تھا، اس کے اخراجات چندہ اور اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے، اس حالت میں بہت سال گزرے، اس کے بعد کمیٹی کے لوگوں میں یہ گفتگو شروع ہوئی کہ مدرسہ میں سرکاری نصاب شروع کیا جائے اور سرکاری امداد لی جائے۔ گفتگو ہوتے ہوئے جب یہ پالیسی کمیٹی تو تمام مدرسین نے جو بانیان مدرسہ تھے، جن کی ترغیب و کوشش سے یہ بنیاد مدرسہ میں وقف ہوئی، مع جمیع طلباء مدرسہ سے الگ ہوگئے، یہاں تک کہ مدرسہ معطل ہوگیا اور دو تین سال تک مدرسہ کا گھر مقفل رہا۔ اس کے بعد ایک کمرہ میں پرائمری اسکول کھولا گیا، پھر اس کے بہت دن بعد دوسرے کمرے میں مدرسہ کا نام دے کر ایک مولوی صاحب نے ایک طالب علم کو دینی کتب سرکاری نصاب کے ساتھ پڑھانا شروع کیا، جو ترقی کرتے ہوئے سرکاری امداد کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، بنگلہ اس حد تک داخل ہوگیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کے تغیرِ نصاب اور امداد حکومت کے فیصلہ پر تمام مدرسین مع جمیع طلباء مدرسہ سے چلے جانے کے بعد تقریباً تین سال تک مقفل، معطل ہو جانے کی وجہ سے یہ موقوفہ جائیداد اور تفصیل واقف مذکور کے مذہب میں منتقل ہوگا یا نہیں؟

محمد فضل الرحمن، دار العلوم باسکنڈی، ضلع کچھاڑ، آسام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحتِ وقف کے لئے اس کا منجز ہونا شرط ہے، وقف معلق الی بعد الموت صحیح نہیں، البتہ وصیت میں ہوگا جس کی تنفیذ ثلث ترکہ سے ہوگی۔

---

(۱) (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۲۰۸/۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"وشرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً لا معلقاً، إلا بكائن، ولا مضافاً، اهـ".

درمختار۔ "(قوله: ولا مضافاً) يعني إلى ما بعد الموت، فقد نقل في البحر أن محمداً نص في السير الكبير أنه إذا أضيف إلى ما بعد الموت يكون باطلاً عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، اهـ. نعم سيأتي في الشرح أنه يكون وصية لازمة من الثلث بالموت، لا قبله". ردالمحتار: ۳/۳۶۰ (۱)۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عبارتِ میت سے وقف نہیں ہوا، بلکہ یہ وصیت ہے، ورثاء اس کے وصی ہیں، ان کے ذمہ یک ثلث ترکہ سے اس کا پورا کرنا لازم ہے، اگر انہوں نے وقف کردیا ہے تو خود ان کے وقف کرنے سے وقف ہوا۔

وصیتِ میت کے وقت مدرسہ کا جو نصب العین اور نصاب تھا اور اسی کے پیشِ نظر یعنی دینی و مذہبی تعلیم کی خاطر وقف کرنے کی وصیت کی تھی وہ ختم ہوگیا، بلکہ مدرسہ ہی معطل و منقل ہوگیا تو پھر اس (زمین) جائیداد موقوفہ کو اس مدرسہ کے نصب العین اور نصاب کے موافق دوسرے قریب ترین مدرسہ کی طرف منتقل کرنا شرعاً درست اور منشائے میت کے عین موافق ہے (۲)، اور وصی نے جو شرط لگائی ہے وہ شرعاً معتبر ہے: "شرط الواقف

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

"وفي الخلاصة: ذكر محمد رحمه الله تعالى في السير الكبير أن الوقف إذا أضيف إلى ما بعد الموت، فهو باطل أيضاً عند أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه، وهو الصحيح، لكن أصحابنا أجازوا بقوبهما". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، جواز الوقف و شرائط صحته: ۵/۶۹۳، إدارة القرآن كراچي)

"وكذا لو أوصى بأن يوقف، يجوز من الثلث في قولهم". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۶، رشيديه)

(۲) "وحكي أنه وقع مثله في زمن سيد الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۷۹، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف =

کنص الشارع"(۱)۔ لہٰذا اس زمین کی آمدنی کو دینی مکتب وغیرہ کسی بھی جگہ صرف کرنا درست نہیں، مدرسہ کی عمارت یا کسی کمرے کو اپنے اسکول کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔"یصرف وقفها لأقرب مجانس لها بإذن القاضي". شامی: ۳/۳۷۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

وقف معلق یا منجز

سوال [۱۸۷۰]: فی الحال آپ کے فتاویٰ محمودیہ کا ص: ۲۹۳، ۳۸۹، مذکور طور پر سامنے ہے، بندہ کو صحیح جواب اصل مسئلہ سے مطلع فرمائیں۔ بندہ کی رائے کے مطابق حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب کی رائے بھی آئی ہے۔

چھ آدمیوں کی زمین توسیع مسجد کے لئے لی گئی ہے، جن میں سے دو آدمیوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر مسجد کی توسیع ہوا اور ہماری زمین لگ سکے تو اجازت ہے، لیکن اگر مسجد نہ بنی تو مدرسہ وغیرہ کے لئے ہم نہ دیں گے تو جھگڑا ختم کرنے کی غرض سے اس جگہ کے بجائے دوسری جگہ مسجد بنانے کی تجویز ہے۔ تو مذکورہ دونوں آدمیوں کی زمین واپس کرنا ہوگی یا وہ زمین وقف ہو چکی ہے؟ بینوا توجروا۔

= التي يستغني عنها وما يتصل به من صرف غلة الأوقاف إلى وجوه أخر. (رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۰، رشيدية)

(۱) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

"رباط يستغني عنه وله غلة، فإن كان بقربه رباط، صرفت الغلة إلى ذلك الرباط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر: ۲/۴۶۸، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وشرطه (أي شرط الوقف) شرط سائر التبرعات، وأن يكون منجزاً لا معلقاً اھ" درمختار مختصراً. "(قوله: لا معلقاً) كقوله: إذا جاء غد أو إذا جاء رأس الشهر، أو إذا كلمت فلاناً فأرضي هذه صدقة موقوفة، أو إن شئت أو أحببت، يكون الوقف باطلاً؛ لأن الوقف لا يحتمل التعليق بالخطر". ردالمحتار (۱)۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ زمین اس شرط پر مسجد کے لئے لی گئی ہے، مالکان زمین نے دینے سے قبل یہ کہہ دیا تھا کہ "اگر مسجد کی توسیع ہو اور ہماری زمین لگ سکے تو اجازت ہے، لیکن اگر زمین پر مسجد نہ بنی تو مدرسہ وغیرہ کے لئے ہم نہیں دیں گے" اس سے وہ زمین وقف نہیں ہوئی، کیونکہ یہ معلق ہے، منجز نہیں (۲)۔ جھگڑا ختم کرنے کے لئے اگر دوسری جگہ مسجد بنانے کی تجویز ہے تو یہ زمین واپس کردینا ضروری ہے اور جب حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب کی رائے بھی وہی ہے جو آپ کی ہے تو یہ بات انشاء اللہ قوی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۱۴۰۲ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، سعيد)

(۲) "وشرطه ... وأن يكون منجزاً غير معلق، فإنه مما لا يصح تعليقه بالشرط ... وذكر في جامع الفصولين: الوقف فيما لا يصح تعليقه بالشرط ... وفي البزازية: وتعليق الوقف بالشرط باطل. وفي الخانية: ولو قال: إذا جاء غد فأرضي صدقة موقوفة، أو قال: إذا ملكت هذه الأرض فهي صدقة موقوفة، لا يجوز؛ لأنه تعليق، والوقف لا يحتمل التعليق بالخطر؛ لأنه لا يحلف به، فلا يصح تعليقه كما لا يصح تعليق الهبة" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، ۳۱۴، رشيدية)

"أما شرطه فهو ... وأن يكون منجزاً غير معلق، فلو قال: إن قدم ولدي فداري صدقة موقوفة على المساكين، فجاء ولده، لا يصير وقفاً" (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

"أما شرائطه ... ومنها أن يكون منجزاً غير معلق، فلو قال: إن قدم ولدي فداري صدقة موقوفة على المساكين فجاء ولده، لا يصير وقفاً، كذا في فتح القدير" (الفتاوى العالمگيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۵، رشيدية)

وقف علی اللہ میں سے کچھ حصہ حق الخدمت کے لئے مقرر کرنا

سوال [۶۸۰]: ایک شخص نے ایک ریاست سے کافی زمین معافی لگان پر حاصل کی، اس کے بعد اس پر ایک کوٹھی تعمیر کی، بقیہ زمین کوٹھی کے چاروں طرف افتادہ پڑی رہی، اس کوٹھی وزمین کو گھیرنے کے لئے چہار دیواری بنادی، وقتاً فوقتاً ملازمین نے اس زمین پر کچھ پودے بھی لگائے، رہی دور کافی زمین افتادہ پڑی رہی۔ کوٹھی والی زمین اور پڑی زمین کا ریاست کا لگان دیا جاتا رہا۔ پھر اس شخص نے یہ کل زمین وکوٹھی ایک عورت کو دیدی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس عورت نے یہ سب زمین اور کوٹھی کو وقف علی اللہ کردیا اور کچھ حصہ آمدنی بطور حق الخدمت اپنی اولاد اور [illegible] کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دینا تحریر کردیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ وقف علی اللہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیا اس لئے ہوتا ہے؟ زمین کا لگان حسب سابق اب بھی ریاست کو دیا جاتا ہے جس سے واضح ہے کہ زمین تو ملک ریاست ہے۔ دوسرے آمدنی کا کچھ حصہ وقف نامہ کی رو سے بطور حق الخدمت اولاد و[illegible] کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہے۔ وقف علی اللہ میں اس طرح کی شرط شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب تو مکان سے بھی لگان لیا جاتا ہے، اگر اس کے لگان کی بھی یہی صورت ہے تو یہ وقف کرنا بھی درست ہے۔ اور وقف میں اگر کچھ حصہ مقرر کرکے بطور حق الخدمت اولاد و[illegible] کے لئے تحریر کردیا جائے تو اس سے وقف میں خلل نہیں آتا، اور کل بقیہ رقم مصارف خیر میں جن کو واقف نے متعین کیا ہو صرف کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) "رجل قال: أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي، كانت الغلة لولد صلبه، يستوي فيه الذكر والأنثى، وإذا جاز هذا الوقف فما دام يوجد واحد من ولد الصلب، كانت الغلة له لا غير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده ونسله: ۲/۳۶۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳/۳۰۹، رشيديه)

بھی مسلمانوں کے لئے قاضی مقرر کئے ہیں، بعض جگہ رعایا نے اپنے معاملاتِ خاصہ: نکاح وغیرہ کے لئے خود بھی قاضی کو مقرر کیا ہے۔ پس اگر کسی جگہ قاضی کے لئے کچھ شرائط ہوں اور کسی نے اس کے لئے وقف کیا ہو تو وہ قاضی اس وقف کا مستحق ہوگا اور اس کے انتقال کے بعد حسبِ شرائطِ واقف جو اہل ہو وہ قاضی مستحقِ وقف ہوگا (۱)، لیکن اگر واقف نے کسی مخصوص خاندان کے لئے کوئی وقف کیا ہے تو اس خاندان کے افراد مستحق ہوں گے۔

اور اگر کچھ شرائط مقرر کی ہیں، مثلاً: یہ کہ جو شخص اس خاندان کا ہو اور فلاں فلاں صفت کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق ہے تو ان شروط کی رعایت لازم ہے اور جو شخص ان صفات سے خالی ہوگا وہ مستحق نہ ہوگا (۲)۔ اسی طرح خاندان کی تخصیص نہیں کی، بلکہ کام کی تخصیص کی ہے تو محض خاندانی ہونے کی وجہ سے استحقاق نہیں ہوگا، بلکہ اس کام کی وجہ سے استحقاق ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= بیان من یصلح للقضاء: ۵/۳۳۸، رشیدیہ)

(وكذا في رد المحتار، كتاب القضاء: ۵/۳۵۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الأول: ۳/۳۰۷، رشيدية)

(۱) "وقف ضيعة على أولاده الفقهاء وأولاد أولاده إن كانوا فقهاء، ثم مات أحدهم عن ابن صغير تفقه بعد سنين، لا يوقف نصيبه، ولا يستحق قبل حصول تلك الصفة، كذا في القنية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني في الوقف على نفسه وأولاده الخ: ۲/۳۷۳، رشيدية)

(۲) "ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على أصاغر ولدي، كان الوقف على الصغار خاصةً، ويعتبر في الاستحقاق من كان صغيراً عند الوقف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: ۲/۳۷۲، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳/۳۲۵، رشيدية)

(۳) "ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على ولدي الذين يسكنون البصرة، فالغلة لساكني البصرة دون غيرهم، ويعتبر ساكنوا البصرة يوم وجود الغلة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الثاني: ۲/۳۷۲، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يقف أرضه على ....، فصل في الوقف على الأولاد والأقرباء والجيران: ۳/۳۲۳، رشيدية)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۵/جمادی الاولیٰ/۶۹ھ۔

وقف میں تو جو شرط واقف نے لگائی ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا (۱)، لیکن عہدۂ قضاء میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس میں جو اہل ہو اور جس کو وقت کے ارباب حل وعقد تجویز کریں وہ قاضی ہوسکتا ہے۔ آج کل ہندوستان میں حکومت اسلامی نہیں، صرف وہ لوگ قاضی کہلاتے ہیں جو نکاح خوانی وغیرہ کراتے ہیں، یا کسی قاضی کی اولاد میں ہیں، محض نکاح خوانی یا کسی قاضی کی اولاد میں ہونے سے قاضی نہیں بن جاتا۔ ایسے لوگوں کو اہل شہر جب چاہیں بدل سکتے ہیں، نہ وہ سرکاری قاضی ہیں اور نہ ان کے احکام قضاۃ کے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ سعید احمد، ۱۲/جمادی الاولیٰ/۶۹ھ۔

وقف زمین میں اکھاڑہ

سوال [۶۸۴۳]: ایک خانقاہ ہے اور اس میں تھوڑی سی زمین میں پہلوانوں کے کشتی وغیرہ کرنے کے لئے مقرر ہے، پہلے متولی جو تھے انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ مال وقف اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں، لہذا ان پرانے متولیوں کو کسی وجہ سے علیحدہ کردیا گیا اور دوسرے متولیوں کو تجویز کیا گیا اور ان متولیوں نے جو اس زمین میں کشتی وغیرہ کرتے ہیں وہ خلاف شرع کرتے ہیں یعنی ستر کھول کر، ان کو منع کیا تو وہ منع نہیں ہوئے۔ تو حاصل سوال کا یہ ہے کہ اگر ان پہلوانوں کو تسا ور رکھنے کے واسطے دو تین مہینے کے واسطے اجازت دیدی جائے تو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کیونکہ عدم اجازت سے فساد کا زیادہ اندیشہ ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی زمین کو جو اہل اللہ کے ذکر وشغل کے لئے وقف کی گئی ہے، اکھاڑہ بنانا غرض واقف کے خلاف

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

ہے، بغیر اس کے ناجائز ہے(۱)۔ اور ستر کھول کر کشتی کرنا تو کہیں بھی جائز نہیں(۲)۔ واللہ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۲۸/ذی قعدہ/۵۳ھ۔

وقف مرض الموت میں نہیں ہے تو وقف ہے

سوال[۶۸۶۷]: ہمارے یہاں کسی شخص کا لڑکا بہت ہی فرمانبردار تھا باپ اس کے گھر والدین سے تنگ رہتا تھا، اس نے اپنا تمام گھر مسجد کو وقف کردیا اور تمام جائداد روپے میں مسجد کو دیدیا اور کہا: جب تک زندہ ہوں، میرا پیسہ خرچ کروں گا اور جب روپیہ ختم ہوجائے تو بستی والے ہمارے خرچ کے ذمہ دار ہیں، تجہیز و تکفین سے جو رقم بچ جائے، وہ مسجد میں لگادی جائے۔ پھر وہ مکان بیچنے اور مسجد میں وقف کرنے کے دو ڈھائی برس بعد مر گیا، تجہیز

---

(۱) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين الخ: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۲) "عن عبد الرحمن بن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه عن أبيه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا ينظر الرجل إلى عورة الرجل، ولا المرأة إلى عورة المرأة". (الصحيح لمسلم، باب تحريم النظر إلى العورات: ۱/۱۵۴، قديمي)

قال الإمام النووي في شرح هذا الحديث: "وأما أحكام الباب، ففيه تحريم نظر الرجل إلى عورة الرجل والمرأة إلى عورة المرأة، وهذا لا خلاف فيه. وكذلك نظر الرجل إلى عورة المرأة والمرأة إلى عورة الرجل حرام بالإجماع". (الكامل للنووي على الصحيح لمسلم، باب تحريم النظر إلى العورات: ۱/۱۵۴، قديمي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۶/۳۶۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في النظر: ۴/۱۹۹، غفاريه كوئٹه)

وتکفین سے فراغت کے بعد پانچ سو روپیہ بچا اب کس کو لڑکا کہتا ہے کہ میں کل کا وارث ہوں جب کہ مرحوم نے آدھا مکان مسجد کو وقف کر دیا اور آدھا مکان مسجد کو بیع دیا، لہٰذا جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ وقف مرض الموت میں نہیں کیا گیا، اس سے پہلے کیا ہے اور اسی پر مسجد کا قبضہ کرا دیا ہے تو وقف صحیح ہوگیا (۱) اور نصف بصورت بیع اور نصف بصورت وقف ہو کر کل مکان مسجد کا ہوگیا، کسی وارث کا اس میں کوئی حق نہیں رہا (۲)۔ تجہیز وتکفین کے بعد جو روپیہ بچا، اگر وہ مرحوم کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہے تب تو وہ بصورت وصیت مسجد کو دے دیا جائے، اگر وہ ایک تہائی ترکہ سے زیادہ ہے تو ایک تہائی ترکہ کے بقدر مسجد میں دے دیا جائے، بقیہ ورثاء کا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/۵/۹۵ھ۔

---

(۱) "ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً عند الثاني". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۵-۳۵۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۳۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيدية)

(۲) "وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب ولا يورث". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيدية)

(۳) "وإذا وقف الرجل أرضه في مرضه على الفقراء والمساكين، فالوقف جائز من الثلث، كما لو أوصى بأن يوقف أرضه بعد وفاته، فإنه يعتبر من الثلث". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الخامس عشر في وقف المريض: ۵/۸۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب العاشر في وقف المريض: ۲/۴۵۳-۴۵۴، رشيدية)

غیر آباد مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کا تبادلہ

سوال [۲۸۰۵]: ایک شخص نے اپنی اراضی جو کہ ایک ویران مقام پر واقع ہے، اس میں شخص اس خیال سے کہ باغ میں رہنے والوں کو نماز مسجد کا ثواب ملے۔ تقریباً ایک بسوہ زمین اراضی مذکور کے وسط میں مسجد کے نام سے وقف کردی ہے، حالانکہ نہ وہاں کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی راستہ ہے جو باغ میں ہو کر جاتا ہو جس سے کہ راہ چلنے والے آکر نماز پڑھیں۔

اب اگر وہ اپنی اراضی فروخت کرنا چاہے اور خریدنے والا کوئی غیر مسلم ہو، اس حالت میں جب کہ اس مسجد کا کوئی نشان بھی باقی نہیں ہے، کیا اراضی کے ساتھ ایک بسوہ زمین کا جو مسجد کے نام سے وقف تھی اس کو فروخت کرنا درست ہے، کیا اس کی گنجائش ہے کہ اس ایک بسوہ (۱) زمین کی قیمت کسی آباد مسجد میں لگادی جائے، یا اتنی ہی اراضی یا اس کی قیمت سے اراضی کسی مسجد کے لئے خرید دیوے؟ کیونکہ یہ ایک بسوہ وقف شدہ اراضی باغ کے بالکل بیچ میں ہے، اس لئے کسی کو بیچ کرنے کی صورت میں اس کے بچانے کی کوئی صورت بھی نہیں ہے اور کسی غیر مسلم سے یہ امید بھی نہیں کہ وہ اس اراضی کو دینی ضرورت کے لئے استعمال کرے گا اور مسجد کا احترام برقرار رکھے گا، ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بارے میں شریعت کا جو فیصلہ ہو اس سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف تام ولازم ہونے کے بعد اس کی بیع جائز نہیں: "فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یملّک" الخ "أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یملک): أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه" الخ". شامی: ۳/ ۴۰۷ (۲)۔

---

(۱) "بسوہ بیگھہ کا بیسواں حصہ"۔ (فیروز اللغات، مادہ، ب س و، ص: ۲۳۵، فیروز سنز، لاہور)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"وقوله: (لا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء کما نقله فی فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضی الله تعالیٰ عنه: "تصدق بأصلها، لا تباع ولا تورث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۳۲، رشیدیه)

لیکن اگر اس کے تحفظ کی کوئی صورت نہ رہے اور اس پر غاصبانہ قبضہ ہو کر نفسِ وقف ہی کے باطل ہو جانے کا خطرہ ہو تو مجبوراً دوسری زمین سے اس کا تبادلہ کر لیا جائے، کذا فی عمدۃ القاری للعینی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ذیقعدہ/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/ذیقعدہ/۱۳۸۸ھ۔

وقف معلق بالموت کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۶۸۷۹]: ایک شخص نے اپنی زمین کو معلق بالموت وقف کیا، اب اس شخص کو ضرورت پڑی۔ آیا وقف نامہ زمین فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

عبدالعلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف معلق بالموت وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، جس طرح موصی کو اپنی حیات میں وصیت سے رجوع کرنا درست ہے، اسی طرح وقف معلق بالموت میں بھی واقف کو وقف سے رجوع کا اختیار رہتا ہے، لہٰذا اگر واقف اپنے وقف سے رجوع کرے اور اس موقوفہ زمین کو فروخت کرنا چاہے تو شرعاً درست ہے:

"والحاصل أنه إذا علقه: أي الوقف بموته، فالصحيح أنه وصية لازمة، لكن لم يخرج

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(۱) (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الزكوة، باب هل يشترى صدقته، (رقم الحديث: ۱۴۸۹): ۹/۱۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"والثاني: أن لا يشرطه، سواء شرط عدمه أو سكت، لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيئ أصلاً، أو لا يفي بمؤنته، فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۱، ۳۷۳، رشيدية)

عن ملكه، فلا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه بعد موته لما يلزم من إبطال الوصية، وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته، بحر. اهـ". در مختار: ۳/۵۶۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۰/رمضان/۱۳۶۲ھ۔

جبراً وقف کرانا

سوال[۶۸۷۷]: ۱.....ایک مشترکہ زمین جو درمیان چند مسلمان اور غیر مسلم کے تھی، وہ آبادی میں واقع تھی، یہ مشترکہ زمین تقریباً ۱۰۰-۵۰/ سال سے مسلم وغیر مسلم کے نام تھی۔

۲..... زید نے اس مشترکہ زمین میں سے بلا تقسیم کے غیر مسلم کا حصہ خرید لیا اور زید اس کی تقسیم بذریعہ عدالت منتقل کرا رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کر دیا ہے۔

۳.....اس مشترکہ زمین پر عمر نے ایک ٹال تقریباً ۳۰/ سال سے ڈال رکھی ہے، کیونکہ ابھی زید نے اپنے حصہ کی تقسیم نہیں کرائی ہے، اس وجہ سے یہ تعین نہیں ہو سکا کہ عمر نے یہ ٹال کس کے حصہ پر لگائی ہے۔

۴.....عمر تقریباً ۳۰/ سال سے اس کا کرایہ مسجد کو ادا کر رہا ہے، نیز عمر کا یہ کہنا ہے کہ میں یہ زمین اس وقت چھوڑوں گا جب کہ زید اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کر دے۔

۵.....عمر نے ایک پنچایت کرکے- جس میں اس کے اپنے لوگ اور شہر کے سرکردہ لوگ شامل تھے- یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ ساری زمین مسجد کے نام وقف ہے اور زید کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اب شہر کے آدمی بھی اس کے اس پروپیگنڈہ کو صحیح مان کر یہی فیصلہ کر رہے ہیں کہ واقعی یہ ساری زمین مسجد کے نام وقف ہے۔ اس کا تدارک

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۵، سعيد)

"والحاصل أنه إذا علقه بموته كما إذا قال: إذا مت فقد وقفت داري على كذا، فالصحيح أنه وصية لازمة، لكن لم تخرج عن ملكه، فلا يتصور التصرف فيه ببيع ونحوه بعد موته. وإنما لم يكن وقفاً لما قدمنا من أنه لا يقبل التعليق بالشرط". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۷-۲۰۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۸، شركت علميه ملتان)

کوئی ثبوت موجود ہے اور نہ کوئی کاغذ، جب کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ زید نے اس مشترک زمین میں سے ایک حصہ خریدا ہے اور وہ اس کا مالک ہے۔

۲..... زید کا یہ کہنا ہے کہ اس میں میرا بھی حصہ ہے اور میرے پاس حصّہ نامہ کا کاغذ موجود ہے، اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ میں اپنے حصہ میں سے ایک حصہ مدرسہ کے نام وقف کردوں اور ایک حصہ میں اپنا ذاتی کاروبار کروں اور مسجد کے لئے میں اتنا کرسکتا ہوں کہ میں مسجد کو مبلغ چار ہزار روپے دے دوں، یہ سب میں اپنی خوشی سے کروں گا، مگر زید پر اہلِ محلّہ کا پورا اصرار ہے کہ وہ اپنا کل حصہ مسجد کے نام وقف کردے، مگر زید ایسا کرنا نہیں چاہتا۔

سوال یہ ہے کہ اگر زید جبراً بغیر اپنی مرضی وخوشی کے اپنا حصہ مسجد کے نام وقف کردے تو آیا یہ شرعاً وقف معتبر ہوگا یا نہیں؟ اور آیا زید کو اس وقف کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز جبراً وقف کرانے والے کسی مواخذہ کے ذمہ دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے نام وقف کردینے سے یقیناً زید ثواب کا مستحق ہوگا(۱) مگر دوسرے لوگوں کو زبردستی کرنے کا حق نہیں(۲)۔ پس اگر اس کو شرعی اکراہ کے ساتھ مجبور کیا گیا اور اس نے مجبور ہو کر وقف کردیا تو یہ شرعی وقف نہیں ہوگا اور اکراہ کرنے والے گنہگار ہوں گے اور زید کو حق ہوگا کہ وہ اپنا حصہ واپس لینا چاہے تو واپس لے لے(۳)

---

(۱) "أن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي أو بستاني صدقة لله، الخ: ۱/۳۸۶، قديمي)

(۲) "وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "ألا لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمي)

(وكذا في السنن الكبرى للبيهقي: ۶/۱۶۶، (رقم الحديث: ۱۱۵۴۵)، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) "لأن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره فللمالك استردادها وأمره بنقض البناء" =

کیونکہ یہ حق انجد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۱ھ۔

نابالغ کا وقف

سوال[۶۸۷۸]: ایک بچہ جس کی عمر ۱۲،۱۳/سال تھی، اس نے اپنا مکان وقف کردیا تھا۔ دراصل یہ کام یہ ورغلا کر پھوپی نے کرادیا، وہ بچہ پھوپی کے زیرِ پرورش تھا، لہٰذا میرا یہ مکان وقف ہوگیا یا نہیں؟ اب خدا نے میرا نکاح کرادیا ہے، میرا ذریعہ ہوتا تو گھر بسا تا۔ اس صورت میں اس وقف کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ کا وقف کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے(۱)، اگر وقف کرتے وقت آپ نابالغ تھے تو وہ وقف صحیح نہیں ہوا اور آپ کی ملک ختم نہیں ہوئی اور پھوپی کو از خود یہ حق نہیں کہ وہ آپ کے مکان کو وقف کردے، لہٰذا اس صورت میں آپ مکان واپس لے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کا وقف معتبر نہیں

سوال[۶۸۷۹]: زید نے شادی کی، ہندہ کے دولڑکے ہوئے جو اب بالغ ہیں۔ زید کی بیوی کا

= وكذا لو كانت ملكه، له ولورثته بعده ذلك". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة الخ: ۴/۳۶۰، سعيد)

(۱) "وأما شرائطه فمنها العقل والبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الأول في تعريفه وركنه وشرائطه، كتاب الوقف: ۲/۳۵۲، رشيديه)

"وشرائطه: أهلية الواقف للتبرع من كونه حراً عاقلاً بالغاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيديه)

قال ابن الهمام: "وأما شرطه فهو الشرط في سائر التبرعات من كونه حراً بالغاً عاقلاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

انتقال ہوگیا، پھر زید نے دوسرا نکاح کیا جس سے ایک لڑکا دولڑکیاں ہیں، دونوں لڑکیاں بالغ ہیں۔ لڑکے کی عمر سات سال ہے جو نابالغ ہے۔ زید کا انتقال ہوگیا، زید نے ترکہ میں کچھ زمین چھوڑی، گاؤں کے مسلمان اس زمین پر مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، زید کی پہلی بیوی کے جولڑکے ہیں وہ اسی زمین کو مسجد کی تعمیر کے لئے دے رہے ہیں۔ کیا اس زمین پر مسجد تعمیر ہوسکتی ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ زمین اس مرحوم کا ترکہ بن کر ورثہ کا حق ہے، ورثہ بخوشی مسجد کے لئے دیدیں تو وہاں مسجد بنانا درست ہے۔ جو وارث نابالغ ہوں، ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)، نہ اس کی طرف سے کسی بالغ وارث کی اجازت معتبر ہے۔ اگر اس نابالغ کے ولی اس کے حق میں یہ مناسب سمجھیں کہ اس کا جس قدر حصہ اس زمین میں ہو وہ فروخت کرکے مسجد بنانے کے لئے حوالہ کردیں اور اس کی قیمت سے مناسب زمین نابالغ کے نام پر خریدلیں تو شرعاً درست ہے، ورنہ جس قدر اس کا حصہ ہو اس کو چھوڑ کر بقیہ ورثہ کی اجازت سے مسجد بنالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "(قوله: من أهلها) وهو المسلم العاقل، وأما البلوغ فليس بشرط لصحة النية والثواب بها، بل هو شرط هنا لصحة التبرع". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۰، سعيد)

"وأما شرائطه: فمنها العقل والبلوغ، فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، كذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه وشرائطه: ۲/۳۵۲، رشيديه)

"أما الذي يرجع إلى الواقف فأنواع: منها العقل، ومنها البلوغ، فلا يصح الوقف من الصبي والمجنون، لأن الوقف من التصرفات الضارة، لكونه إزالة الملك بغير عوض، والصبي والمجنون ليسا من أهل التصرفات الضارة، ولهذا لا تصح منهما الهبة والصدقة والإعتاق ونحو ذلك". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة: ۸/۳۹۵، دار الكتب العلمية بيروت)

قال ابن الهمام: "وأما شرطه فهو الشرط في سائر التبرعات من كونه حراً بالغاً عاقلاً". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

وعدۂ وقف پر ووٹ دینا

سوال [۶۸۸۰]: زید اپنی ممبری کے لئے چند مسلمانوں سے اپنے موافق ووٹ دلانا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے معاوضہ میں مسجد کی کچھ اصلاح مرمت وغیرہ کرادوں گا اور واسطے خرچ مسجد کے کوئی عمارت بنادوں گا اور اس کی آمدنی کرایہ مسجد میں وقف کردوں گا۔ تو کیا ایسی رقم سے مسجد میں امداد دینا تعمیر کرانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید حقیقۃً ممبری کے لائق ہے تو اس کو رائے دے کر ممبر بنانا چاہئے (۱)۔ اور زید اگر ثواب کی نیت سے خواہ ممبری کے شکرانہ میں کسی مسجد کی تعمیر کرادے یا کچھ وقف کردے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے (۲)۔ ممبری کے ووٹ اور رائے دینے کے عوض میں اگر مسجد کی تعمیر کرادی اور اس کو رائے کی اجرت قرار دے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ یہ رشوت ہے (۳)۔ اگر زید ممبری کے لائق نہیں تو اس کو رائے دینا اور ممبر بنانا جائز نہیں (۴) اور اس پر روپیہ لینا بدرجۂ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وقف کے لئے رجسٹری ضروری نہیں

سوال [۶۸۸۱]: اگر بغیر رجسٹری شدہ زبانی وقف کی زمین بنائی گئی تو نماز پڑھنا اس میں جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تکتموا الشهادة، ومن یکتمها فإنه آثم قلبه﴾ الآیة. (سورة البقرة: ۲۸۳)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالی عنه یقول: إني سمعت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقول: "من بنی مسجداً". قال بکیر: حسبت أنه قال: "یبتغي به وجه الله، بنی الله له مثله في الجنة". (صحیح البخاري، باب من بنی مسجداً: ۶۴/۱، قدیمی)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالی عنه قال: لعن رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم الراشي والمرتشي". (سنن أبي داود، کتاب القضاء، باب في کراهية الرشوة: ۱۴۸/۲، إمدادیه ملتان)

(وکذا في جامع الترمذي، باب ما جاء في الراشي والمرتشي الخ: ۲۴۸/۱، سعید)

(وکذا في مجمع الزوائد، کتاب الأحکام، باب في الرشا: ۱۹۹/۴، دار الفکر بیروت)

(۴) قال الله تعالی: ﴿إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أهلها﴾ (سورة النساء: ۵۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف صحیح ہونے کے لئے رجسٹری ہونا شرط نہیں، زبانی وقف بھی درست اور کافی ہوتا ہے(۱)، ایسی صورت میں نماز اس مسجد میں درست ہے اور جمعہ بھی درست ہے بشرطیکہ شرائط جمعہ اس آبادی میں موجود ہوں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

وقفِ منقول علی الاولاد

سوال[۶۸۸۲]: منقولہ اشیاء وقف علی الاولاد ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ مثلاً: لوہے کڑی کا سامان، انجن، مشین، پنچ اور اوزار آلات وغیرہ متعلق کارخانہ؟

---

(۱) "سمع أبا يوسف رحمه الله تعالى يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: يزول ملكه بمجرد القول، وقال محمد رحمه الله تعالى: لا يزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلمه إليه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فقد: كان قول أبي يوسف رحمه الله تعالى أوجه عند المحققين، وفي المنية: الفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالى، وهذا قول مشايخ بلخ". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"فالحاصل أن الترجيح قد اختلف، والأخذ بقول أبي يوسف رحمه الله تعالى أحوط وأسهل، ولذا قال في المحيط: ومشايخنا أخذوا بقول أبي يوسف رحمه الله تعالى ترغيباً للناس في الوقف".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۵۱، سعيد)

(۲) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۳۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وكما صح أيضاً وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس كفأس وقدوم بل ودراهم ودنانير، قلت: بل ورد الأمر للقضاة بالحكم به ..... وقدر وجنازة وثيابها ومصحف وكتب؛ لأن التعامل يترك به القياس ...... بخلاف ما لا تعامل فيه كثياب ومتاع، وهذا قول محمد رحمه الله تعالى، وعليه الفتوى، اختيار. وألحق في البحر السفينة بالمتاع. وفي البزازية: جاز وقف الأكسية". در مختار مختصراً.

"(قوله: كل منقول قصداً) أما تبعاً للعقار، فهو جائز بلا خلاف عندهما كما مر. لا خلاف في صحة وقف السلاح والكراع: أي الخيل للآثار المشهورة، والخلاف فيما سوى ذلك، عند أبي يوسف رحمه الله تعالى لا يجوز، وعند محمد رحمه الله تعالى يجوز ما فيه تعامل من المنقولات، واختاره أكثر فقهاء الأمصار، كما في الهداية، وهو الصحيح كما في "الإسعاف"، وهو قول أكثر المشايخ كما في الظهيرية؛ لأن القياس قد يترك بالتعامل. ونقل في المجتبى عن السير جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد رحمه الله تعالى، وإذا جرى فيه التعامل عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، وتمامه في البحر، والمشهور الأول. اهـ". شامی (۱)۔

اصل یہ ہے کہ وقف غیر منقول شی کا ہوتا ہے، لیکن بعض اشیاء بعض صورتوں میں مستثنیٰ ہیں کہ منقول ہونے کے باوجود بھی ان کا وقف درست ہوتا ہے۔

اور یہ مسئلہ اختلافی ہے: جس شی منقول کا قصداً یعنی بلا غیر منقول کے تابع قرار دیئے وقف کرنے کا تعامل ہو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقف کو جائز فرماتے ہیں اور جس شی تعامل نہ ہو اس کو ناجائز فرماتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہر طرح ناجائز فرماتے ہیں، خواہ تعامل ہو خواہ نہ ہو۔ اور غیر منقول کے تابع

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول قصداً: ۳۶۳/۴-۳۶۵، سعید)

قرار دیکر منقول کا وقف دونوں جائز فرماتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر صورت میں منقول کا وقف ناجائز ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے(۱)۔ وقف علی الاولاد اور وقف علی الفقراء دونوں کا اس مسئلہ میں ایک ہی حکم ہے، کوئی فرق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۰/۲/۵۸ھ۔

اگر کارخانہ مع مکان و سامان وقف کرنا ہے تو یہ وقف صحیح ہے، اور اگر جبہ اور روشنیوں ہی کو وقف کرنا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ چونکہ عام طور پر یہاں ان چیزوں کے وقف کرنے کا رواج نہیں۔

صحیح: عبداللطیف، سعید احمد غفرلہ، ۲۱/صفر/۵۸ھ، مفتیان مدرسہ ہذا۔

حسب حصص وقف علی النفس وعلی الاولاد

سوال [۶۶۸۳]: الف: ایک شخص نے اپنی جائیداد اپنی حیات تک اپنی ذات پر، اس کے بعد اولاد و اولاد اولاد نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطن حسب ارث شرعی وقف کی۔ واقف کی زندگی میں اس کی بچی یا بیٹا فوت ہوگیا، لیکن اس کی اولاد باقی ہے، تو کیا بعد وفات واقف متوفی کی اولاد کو حصہ دیا جائے گا؟

ب: اگر یہ شرط لگائی گئی کہ حصہ صرف وہی پاتے رہیں گے جو میری نسل سے ہوں گے، یعنی لڑکیوں کے شوہر یا لڑکوں کی بیویاں جو (غیر نسلی) ہیں وہ محروم رہیں گے، یا جب تک اس کی نسل میں کوئی باقی ہے حصہ پاتا رہے گا، بعد میں مساکین کا حق ہے، لیکن بوجہ عصبہ ہونے کے غیر نسل بھی جائیداد پاجائے تو اس کی شرط سے

(۱) "یجب أن یعلم أن وقف المنقول تبعاً للعقار جائز، … وأما وقفه مقصوداً: إن كان كراعاً أو سلاحاً، یجوز، … وإن كان سوى ذلك شيئاً لم يجر التعارف بوقفه كالثياب والحيوان، لا يجوز عندنا، وإن كان متعارفاً كالفأس والقدوم والجنازة وثياب الجنازة وما يحتاج إليه من الأواني والقدور في غسل الموتى والمصحف بقراءة القرآن، قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: لا يجوز، وقال محمد رحمه الله تعالى: يجوز، وإليه ذهب عامة المشايخ، منهم الإمام شمس الأئمة الحلواني". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، نوع من ذلك: وقف المنقول: ۵/۸۴۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لا يجوز، في وقف المشاع: ۲/۳۶۱، رشيدية)

گنہگار اور "من حرم الوارث عن میراثه، حرم الله میراثه من الجنة" او کما قال (۱) کے مصداق تو نہیں بنے گا؟

ج: واقف کی لڑکی اس کی زندگی میں مرگئی اور متوفی نے ایک لڑکی اور شوہر اور علاتی بھائی بہن چھوڑے، یہ ادھر واقف کے بعد تک زندہ رہے، اب وہ جائیداد واقف کی ذات سے اولاد میں آئی تو کیا تقسیم اس طرح ہوگی کہ ۱/۴ علاتی بھائی بہن، ۱/۲ لڑکی اور ۱/۴ شوہر پائے گا؟ اور بالفرض قبل وفات واقف اور بعد وفات جب واقف لڑکی کا یہ شوہر بھی مرگیا، واقف کے مرنے پر حصے جب اولاد میں آئے تو ۱/۴ جو لڑکی کے مرنے کے بعد شوہر کا حق ہوا تھا، کیا شوہر کے ورثہ میں تقسیم ہوگا؟ مقصد یہ ہے کہ وراثت میں تو جو لڑکا یا لڑکی مورث کی موجودگی میں فوت ہوجائے اس کی اولاد محروم ہوجاتی ہے، وقف میں کیا صورت نکلے گی، یہاں حقیقت وراثت کی واقف کے بعد ثابت ہوگی یا اس کی زندگی میں؟ وقف میں قید یہ ہے کہ "بعد میری وفات اولاد میں جاری ہو"۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

الف: اگر متوفی کی اولاد کو واقف کی وراثت پہونچتی ہے تو حسب حصص شرعیہ وقف سے حصہ ملے گا، اگر وہ دیگر ورثاء کی وجہ سے محروم الارث ہے تو وقف سے حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ واقف نے مطلقاً وقف علی الاولاد نہیں کیا، بلکہ اپنی وفات کے بعد وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس کو بھی "حسب ارث شرعی" کی قید سے مقید کیا ہے، نیز "نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطن" کی قید لگائی ہے، لہٰذا جب تک بطن اول موجود ہو بطن ثانی کی طرف یہ وقف منتقل نہیں ہوگا، کذا فی الهندية: ۲/۳۷۶ (۲)۔

ب: لیکن شرط جائز و معتبر ہے، اور جو واقف کی نسل سے نہیں ان کو حصہ نہیں ملے گا، مصرح به الشامي في رد المحتار (۳)۔ کیونکہ وقف حقیقۃً ارث نہیں بلکہ شبیہ بالارث ہے: العبارة بتمامها: "نعم هو (ای

(۱) (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۱/۲۶۶، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، باب الوصايا، ص: ۱۹۴، قديمي)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۳) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع، أي في وجوب العمل به"۔

الوقف) شبیہ بالإرث، من حیث انتقال نصیب الأصل إلی فرعہ". شامی(۱)۔

ج: جب واقف متوفاۃ کے جو حقیقی بھائی بہن ہیں تو وہ واقف ہی کی اولاد ہیں جو کہ بعد وفات واقف زندہ ہیں اور بطنِ اول ہیں، لہٰذا جائیداد ان کی طرف منتقل ہوگی، اور متوفاۃ کا شوہر نسلِ واقف سے نہیں اس کو حصہ نہیں ملے گا۔ اور متوفاۃ کی لڑکی بطنِ ثانی سے ہے بطنِ اول کی موجودگی میں وہ مستحق نہیں حسب تصریح واقف "نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ"(۲)۔ مزید تفصیل پورا وقف نامہ دیکھنے سے معلوم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۳/۲/۹۲ھ۔

وقفِ مسجد کی زائد آمدنی واقف کی اولاد پر

سوال[۱۱۸۸۲]: مسمیٰ مولوی عیسیٰ مرحوم مسلک شافعیہ کے پابند شہر ممباسہ مملکت کینیا افریقہ کا

= وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: الفوائد: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/ ۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/ ۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: قال: للذكر كالأنثيين ولم يوجد، الخ: ۴/ ۴۷۱، سعيد)

(۲) "ويكون ولد الابن عند عدم ولد الصلب بمنزلة ولد الصلب، ولا يدخل فيه ولد البنت في ظاهر الرواية، وبه أخذ هلال رحمة الله عليه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يقف أرضه على نفسه وأولاده وأقربائه، الفصل الأول: ۳/ ۳۱۹، رشيديه)

"وقال الرازي: إذا وقف على ولده وولد ولده ونسله، يدخل فيه الذكور والإناث من ولده، فإذا تقرضوا فهو لمن كان من ولد ابن الواقف دون ولد بنت الواقف". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/ ۳۰۲، رشيديه)

باشندہ ذی حیثیت اور صاحبِ جائیداد دیندار مسلمان تھا، اس کی جائیداد شہر و بیرونِ شہر تھی۔ ۱۹ویں صدی عیسوی میں اس نے شہر ممباسا میں ایک مسجد تعمیر کی جو "کریبالو" مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی حیات میں زبانی طور پر خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کی جائیداد میں سے کچھ زمین مسجد مذکور کے لئے وقف ہونی چاہئے، اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے رشید بن موسیٰ بالو اور اس کے ساتھ علی بن بشیری نے اس کی جائیداد کو مسجد مذکور کے لئے وقف کردیا اور متولی کی حیثیت سے یہ دونوں کام کرتے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں حکومت کینیا نے قانون "وقف کمشنز ایکٹ" پاس کیا اور ۱۹۰۳ء میں متولیان مذکور نے جائیداد مذکورہ کو وقف کمیشن کے سپرد کردی۔

ان دنوں جائیداد مذکورہ کی آمدنی بہت قلیل تھی یعنی تقریباً ۲۳/ روپیہ سالانہ جو مسجد کے مصارف کے کام آتی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اشیاء کی قیمتیں بڑھتی رہیں۔ وقف کمیشن کی طرف سے جائیداد مذکورہ کرایہ پر دیا جاتا رہا جس سے آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا رہا اور اسی آمدنی سے مزید جائیداد خرید کر آمدنی میں اور بھی اضافہ کرلیا گیا۔ اب بحالیت موجودہ مسجد مذکور کے لئے جو جائیداد وقف ہے، اس کی سالانہ آمدنی تقریباً ۱۰۸۰۰/ شلنگ سکۂ رائج الوقت ہے جب کہ مسجد مذکور کے سالانہ مصارف تقریباً ۴۰۰۰/ شلنگ ہیں اور باقی رقم محفوظ کردی جاتی ہے جس کا کوئی مصرف نہیں ہے۔

واقف مذکور کے خاندان کے لوگ جو تقریباً ۳۰۰/ لوگ ہیں، ان میں سے بیشتر زبوں حالی اور معاشی بدحالی میں مبتلا ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ضعیف ہیں، بہت سی بیوائیں ہیں، جو کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں، لیکن اپنے جد امجد کی جائیداد اور اس کی آمدنی سے اس لئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں کہ وہ وقف کمیشن کی تولیت میں ہے۔

حالاتِ مذکورہ کے تحت اور شافعی مسلک کے مطابق کیا یہ ممکن ہے کہ وقفِ مذکورہ کو وقف کمیشن سے لے کر واقف کے خاندان کے لوگ اپنی تولیت میں لے کر مسجد مذکورہ کے انتظام و انصرام کے بعد جو رقم بچتی ہے اس کو واقف کے خاندان کے لوگوں کی اعانت، فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کیا جاسکتا ہے؟ فقط۔

محمد مشتاق حسین، مرغی بازار، جہانگیر آباد، مکان نمبر ۱۰، بھوپال، ایم پی انڈیا، ۲۰/ مئی/ ۱۹۷۳ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جائیداد مسجد کے لئے وقف کردی گئی ہے، اس کی آمدنی مسجد کے علاوہ واقف کے خاندان پر صرف

کرنا درست نہیں، اگر آمدنی کی رقم زائد ہے تو اس کے ذریعہ دیگر جائیداد خرید کر وقف میں اضافہ کردیا جائے(۱)، بلکہ زائد آمدنی دیگر مساجد محتاجہ میں بھی صرف کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۴ھ۔

یہ دعویٰ کرنا کہ چند کمرے خاص قبیلے کے لئے وقف ہیں

سوال [۶۸۸۵]: ۱- احمدآباد میں حضرت پیر محمد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بزرگ گزرے ہیں جو خاندانِ سادات میں سے تھے اور جن کے مریدین سنت وجماعت، قوم بوہیرا اور دیگر جماعتوں کے مسلم افراد تھے۔ آپ تمام عمر مجرد رہے، اس وجہ سے لاولدی وفات پائی اور وفات کے بعد آپ کے مریدین نے روضہ اور اس کے متعلق مسجد تعمیر کرائی ان عطیات سے جو وقتاً فوقتاً سنی بوہروں کے علاوہ دوسرے مریدین بھی دیتے تھے، مقبرہ، کمرے اور دوکانیں تعمیر کرائی گئیں جن کی آمدنی فی زمانہ تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے۔ روضہ اور متعلقہ جائیداد کا انتظام سائیں کیا کرتے تھے(۳) جو کہ بوہرہ جماعت سے نہ تھے۔

---

(۱) "الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لايصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد، كذا في المحيط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ، الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ: ۲/۴۶۳، رشيديه)

"وقف على الفقراء، ثم افتقر الواقف أو ورثته، لا يعطى من الوقف شيء عند الكل". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، السادس في وقف على الفقراء الخ: ۶/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن فيما إذا وقف على الفقراء الخ: ۲/۳۹۵، رشيديه)

(۲) "(والرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

"رباطاً في طريق بعيد استغنى عنه المارة و بجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو شجاع: يصرف غلته إلى الرباط الثاني". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۳) "سائیں: آقا، مالک، شوہر، خصم، دوست، گدا، فقیر، درویش، یہ لفظ ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: [illegible]، فیروز سنز لاہور)

۲-وقتاً فوقتاً جو جائیدادیں درگاہ مذکورہ کے لئے وقف کی گئیں یا وقف درگاہ کے لئے خریدی گئی ان کی دستاویزوں میں لکھا ہے کہ یہ جائیداد درگاہ کے لئے وقف کی گئی، یا وقف درگاہ کے لئے خریدی گئی۔ ان دستاویزوں میں سے بعض میں "وقف لمرضات اللہ" تو تحریر ہے مگر کسی میں یہ نہیں لکھا کہ یہ وقف کسی خاص فرد یا مخصوص جماعت کے مذکورہ کے لئے ہے یا اس میں کسی فرد خاص یا جماعت کے مالکانہ حقوق محفوظ ہیں۔

۳-سٹی سروے کی ۸۹۱ء، ۱۸۸۰ء اور ۱۹۲۲ء کی پیمائش وتحقیقات کے مطابق پیمائش دفتر روضہ مذکورہ مسجد اور جائیداد متعلقہ کا اندراج بحیثیت وقف ہوا ہے۔

۴-۱۸۸۰ء میں روضہ اور جائیداد متعلقہ کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جن میں بعض ممبر حضرت پیر محمد شاہ صاحب کے مرید یا مریدوں کی اولاد نہ تھے اور ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو سنی بوہرے نہ تھے۔

۵-روضہ مذکورہ میں عامۃ المسلمین فاتحہ خوانی کرتے ہیں، مسجد متعلقہ میں نماز بھی پڑھتے ہیں، نماز جمعہ اور عیدین میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

۶-حضرت پیر محمد شاہ روضہ کمیٹی کا - جس میں سب صرف سنت جماعت بوہرے شامل ہیں - یہ دعویٰ ہے کہ روضہ مذکورہ متعلقہ مسجد، مدرسے اور درگاہ تمام وغیرہ صرف سنت وجماعت بوہرہ قوم کے مریدین کے لئے وقف ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو اس ملکیت سے مستفید ہونے یا اس کے انتظام میں دخیل ہونے کا حق نہیں یعنی تمام کے لئے وقف نہیں ہے، بلکہ صرف سنت جماعت قوم بوہرے کے لئے ہے۔ درانحالیکہ اس کمیٹی کے پاس اس بات کا کوئی دستاویزی یا دیگر تحریری ثبوت نہیں کہ ملکیت مذکورہ صرف سنی بوہرہ کے مریدین کا مخصوص وقف ہے۔ نظر بہ حقائق مذکورہ بالا علمائے دین ومفتیان شرع متین دام اقبالہم وکثر امثالہم فرمائیں کہ:

۱… کیا حضرت پیر محمد شاہ درگاہ کمیٹی اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہے؟

۲… کیا وقف مذکورہ صرف سنت وجماعت بوہرہ مریدین کے لئے مخصوص ہو سکتا ہے؟

۳… کیا وقف مذکورہ عام وقف نہیں ہو سکتا؟

۴… بوہرہ قوم کے علاوہ تمام مسلمان اس ملکیت موقوفہ سے مستفید ہونے کا حق نہیں رکھتے؟

۵… موجودہ دور میں روضہ عام کے نہایت ہی ضروری امور کی انجام دہی کے بجائے کیا اس شاندار

آمدنی کا تمام تر صرف حسب اجازت قوم و بیوپاری کے لئے مخصوص ہو جانا شرعاً جائز ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سائل نے دستاویزات سے جس قدر الفاظ نقل کیے وہ اصل اغراضِ وقف پر غور کرنے کے لئے کافی نہیں، لہٰذا جب تک وقف نامہ بلفظہ یا اس کی مصدقہ نقل سامنے نہ ہو کوئی قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ جب اس جانب دکانداروں کے لئے وقف ہونا تسلیم ہے تو پھر اس وقف کے مخصوص ہونے، عام نہ ہونے کے سبب تمام مسلمانوں کے مستفید نہ ہونے، رفاہِ عام کے ضروری امور انجام نہ دینے وغیرہ کے سوالات کا کیا مطلب ہے؟ واقف نے جو مصارف متعین کردیئے ہیں اور جو شرائط مقرر کردیئے ہیں ان کے خلاف کرنا شرعاً درست نہیں، جب تک ان میں کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو۔

"إن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۰۵)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

غیر مسلم کا مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال [۶۸۸۰]: (الف) ایک غیر مسلم نے اپنی زمین کے قطعات مکانوں کے لئے بیچے ہیں، مسلمانوں نے اپنی حسب حیثیت ایک ایک قطعہ خرید لیا اور کہا کہ اس گاؤں میں مسجد نہیں ہے، ایک قطعہ زمین مسجد کے لئے دیا جائے تو ہم کو سہولت ہوگی۔ اس کو صاحبِ زمین نے مان لیا اور مطلوبہ قطعہ بلا قیمت دیدیا،

---

(۱) (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراتشي)

"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

"وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً، اهـ. وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه، كما صرح به في شرح المجمع للمصنف". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مخالفة شرط الواقف: ۴/۴۹۵، سعيد)

صاحب کی ہے جو قادیانی مذہب کا ہے، مرتد یا قادیانی مذہب کو پکا ہوچکی ہے، وہ صاحب اس زمین کو مسجد ہذا کو وقف کرتے ہیں۔ قادیانی صاحب کو یہ وقف ہماری مسجد یا جائیداد مسجد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ صاحب یہ جائیداد وقف یا کسی طرح مسجد کی زمین نہ دیں تو مسجد یا دوکانوں کا راستہ بند ہوسکتا ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ یہ زمین مسجد میں کس صورت میں جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسلمان اپنا اصلی مذہب اسلام چھوڑ کر قادیانی ہوجائے وہ اسلام سے خارج ہوکر مرتد قرار دیا جاتا ہے(۱)، مرتد کی کوئی عبادت قبول نہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس فرقہ میں داخل ہوا ہے اس فرقہ کے نزدیک جن امور میں وقف صحیح ہوتا ہے ان امور میں اس کا وقف صحیح ہے، اس طرح مسجد اس کا وقف بھی معتبر ہے(۲)۔ علاوہ ازیں جب ان صاحب نے اپنے ملک سے تعلق ختم کردیا اور مسجد کے حوالہ زمین کردی(۳)۔ وہ اگر یہ

---

(۱) "وشرعاً الراجع عن دين الإسلام، وركنها (أي ركن الردة) إجراء كلمة الكفر على اللسان بعد الإيمان". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب المرتد: ۴/۲۲۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۲، رشيدية)

(۲) "فيما تقول في المرتد عن الإسلام إذا انتحل دينا من الأديان وأما قول محمد بن الحسن رحمه الله تعالى، فإنه يجيز له من ذلك ما يجوز لأهل الدين الذي انتحله ويسلك به تلك السبل". (أحكام الأوقاف للخصاف، مطلب في وقف المرتد، ص: ۲۹۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"لو وقف في حال ردته، فهو موقوف عند الإمام وعند محمد رحمه الله تعالى: يجوز منه ما يجوز من القوم الذين انتقل إلى دينهم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المرتد: ۴/۳۴۰، سعيد)

"وشرط صحة وقفه أن يكون قربة عندنا وعندهم". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مكتبه غفاريه كوئته)

(۳) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

شخص خود قادیانی نہیں ہوا بلکہ اس کا والد قادیانی ہوا تھا اس سے یہ پیدا ہوا ہے تو اس کا وقف بھی معتبر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

رنڈی کا زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا

سوال[۶۸۸۸]: نجمہ رنڈی کی زمین جو تقریباً سات سال سے بے خلل ہو کر اس کے پاس ہو چکی، نجمہ کا ارادہ اس زمین کو مسجد میں وقف کرنے کا ہے۔ تو کیا اس زمین کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ حرام آمدنی کی اور فعلِ حرام کے عوض کی نہیں ہے تو اس کا وقف کرنا اور اس کی آمدنی کو مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۲/۸۹ھ۔

کیا وقف کے لئے افراز عن الملک کافی ہے یا نماز باجماعت بھی ضروری ہے؟

سوال[۶۸۸۹]: ایک صاحب خیر نے تقریباً ایک بیگھہ زمین وقف کیا اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میری زمین میں مسجد و مدرسہ دونوں ہونے چاہیے۔ ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اہلِ مدرسہ نے تھوڑی سی زمین میں مسجد کی بنیاد بھی رکھ دی، حالانکہ مدرسہ کے حالات کے پیشِ نظر اس جگہ مسجد کی بنیاد مناسب نہیں تھی۔ مدرسہ کی تنگی کو دیکھتے ہوئے واقف صاحب نے مسجد کی بنیاد کی جگہ جو کہ ابھی صرف بنیاد کی حد تک ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی تعمیر نہیں ہوئی ہے، اور شاید ایسا کوئی کام کیا گیا ہے جو مسجد ہونے پر دال ہو، یہاں تک کہ آج تک کسی نے

---

(۱) حرام کی آمدنی سے ہونے کی صورت میں مکروہ ہوگا: "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لا يقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله، اهـ. شرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أنفاق المسجد ونحوه: ۳/۶۰۲، سعيد)

بھی اس میں نماز نہیں پڑھی، مدرسہ کی تعمیر کی اجازت دے دی ہے، اب اس وقت اہل مدرسہ، مدرسہ کی تنگی کی وجہ سے نہایت پریشان ہیں، لہٰذا شرعاً جواز کی جو صورت ہو تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: مہتمم صاحب مدرسہ انوار العلوم ،متوآئمہ الہ آباد (یوپی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"إذا بنی مسجداً، لایزول ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن بالصلوة فیه ویصلی فیه واحد. وفی روایة: شرط صلوة بجماعة جهراً بأذان وإقامة، حتی لوکان سراً بأن کان بلا أذان ولا إقامة، لایصیر مسجداً اتفاقاً؛ لأن أداء الصلوة علی الوجه المذکور بالجماعة، وهذه الروایة صحیحة، کما فی الکافی وغیره". مجمع الأنهر: ۱/۷۵۵(۱)۔

عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ وہ جگہ ابھی مسجد نہیں بنی، واقف کو حق ہے کہ اگر وہاں مسجد بنانا مناسب نہیں تو اس کی جگہ مدرسہ بنانے کی اجازت دے دے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۳ھ۔

ذاتی عداوت کی وجہ سے وقف کی آمدنی کو روکنا

سوال[۷۸۱۰]: مسماۃ مریم فاطمہ وکنیز فاطمہ ساکنان قصبہ مئو آئمہ نے جملہ اراضی اور چندو کانیں ۱۹۱۲ء میں مساجد و دیگر امورِ خیر کے لئے وقف کیا، بوقتِ وقف دستاویز میں تحریر کرایا کہ:

"ہم اس جائیداد کی ملکیت سے آج کی تاریخ سے دست بردار ہو گئیں ہیں، بعد تکمیل تحریر وقف نامہ ہذا ہم کو اور ہمارے جملہ عزیز اں قریب و بعید کو جو تبدیلہ یا توقف مسطورہ

---

(۱) (مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الوقف: ۲/۵۹۲، ۵۹۳، مکتبه غفاریه کوئٹه)

"وإذا بنی مسجداً لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه، ویأذن للناس بالصلوة فیه، فإذا صلی فیه واحد، زال عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن ملکه" (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۲، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا فی التاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر ۶/۲۳۳، کتاب الوقف، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"للواقف عزل الناظر مطلقاً، أي سواء كان لجنحة أو لا، وسواء كان شرط له العزل أو لا ... به يفتى، اهـ". در مختار و شامی: ۳/۴۲۶(۱)۔

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ تولیت کا حق واقف کو حاصل ہے، وہ دوسرے شخص کو متولی بنانا بھی اصالۃً واقف ہی کا حق ہے، نیز واقف کو یہ بھی حق ہے کہ متولی اور وقف کے نگراں کو معزول کردے، خواہ اس کا کوئی قصور ثابت ہو خواہ نہ ہو، اس لئے صورتِ مسئولہ میں اراضی و دوکانیں موقوفہ میں ہر دو واقف کو خود نگرانی اور تولیت کا حق حاصل ہے۔ اگر باقاعدہ کسی دوسرے متولی کے قبضہ میں تولیت پہنچ چکی ہے تو اس کو معزول بھی کرسکتے ہیں۔ خاص کر جب کہ وہ لوگ جن کی تولیت کو دستاویز میں لکھا ہو متدین اور متقی نہ ہوں تو ان کو متولی بنانا بھی درست نہیں اور دستاویز کی عبارت متعلقہ تولیت غیر متدین شرعاً قابلِ عمل ہوگی: "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين، اهـ". هندية: ۲/۴۰۹(۲)۔

پس جو لوگ محض ذاتی عداوت کی بنا پر وقف کو نقصان پہنچا رہے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔ اگر ذاتی عداوت نہ ہو بلکہ وقف کی خیرخواہی مقصود ہو تب بھی دکان و مکان کا کرایہ بند کرانے کی کوشش کرنا یا کسی اور طرح وقف کو نقصان پہنچانا کسی طرح جائز نہیں، جو لوگ اس نقصان پہنچانے میں مددگار ہیں وہ بھی گنہگار ہیں۔

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: الولاية للواقف، وله أن يعزل القيم في حياته، وإذا مات الواقف، بطل ولاية القيم، ومشايخ بلخ يفتون بقول أبي يوسف رحمه الله تعالى". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۷، رشيدية)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: للواقف عزل الناظر: ۴/۴۲۶، سعيد)

"وأما عزله فعندنا أن أبا يوسف رحمه الله تعالى جوز عزله للواقف بغير جنحة وشرط؛ لأنه وكيله". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۹، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۵/۷۴۵، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، إلخ: ۲/۴۰۸، رشيدية)

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۰، رشيدية)

یہ گفتگو متعلق تولیت اس وقت ہے جب کہ عبارت منقولہ دستاویز کا مطلب یہ ہو کہ واقف نے علمائے فرنگی محلی کو متولی بنایا ہے، اگر یہ مطلب نہ ہو بلکہ یہ مطلب ہو کہ ان کو اختیار ہے جس کو چاہیں متولی تجویز کردیں، گویا کہ واقف نے تجویز متولی کے لئے اپنی طرف سے وکیل بنایا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ موکل جب اس کام کو انجام دے جس کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنایا ہے تو اس کی وکالت منسوخ ہوجاتی ہے اور وکیل معزول ہوجاتا ہے۔ اگر واقف اپنے پاس سے روپیہ بطور قرض خرچ کررہا ہے اور اس پر شرعی ثبوت ہے تو بعد وصولیٔ اجارہ روپیہ لے سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۷/۹/۵۸ھ۔

"قیم أنفق في عمارة المسجد من مال نفسه، ثم رجع بمثله في غلة الوقف، جاز، سواء غلته مستوفاة أو غير مستوفاة. ثم قال: وللقيم الاستدانة على الوقف لضرورة العمارة لا لتقسيم ذلك على الموقوف عليهم". ۵/۲۱۱ (۱)۔

"في فتاوى أبي الليث: قيم وقف طلب منه الجبايات والخراج وليس في يده من مال الوقف شيء، وأراد أن يستدين، فهذا على وجهين: إن أمر الواقف بالاستدانة، فله ذلك". بحر مقدیم وتاخیر: ۵/۳۱۱، ۳۱۰ (۲)۔

محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۲/رجب/۵۸ھ۔

وقف کو منسوخ کرنا

سوال[۱۸۹]: ایک شخص نے اراضی ومکان کسی مدرسہ کو وقف کردیے، چندسال گزرجانے کے

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۲، ۳۵۳، رشیدیہ)

"أن الناظر إذا أنفق من مال نفسه على عمارة الوقف ليرجع في غلته، له الرجوع ديانة".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في إنفاق الناظر من ماله، الخ: ۴/۴۳۰، سعید)

(۲) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۱، رشیدیہ)

"القيم وقف طلب منه الخراج والجبايات وليس في يده شيء من مال الوقف، فأراد أن يستدين، قال: إن أمر الواقف بالاستدانة، له ذلك .... كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۴۲۴، رشیدیہ)

بعد اب وہی شخص اس وقف کو منسوخ کر کے دوسرے کے حق میں وصیت کرنا چاہتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے مدرسہ کو وقف نہیں کیا تھا جب کہ وقف نامہ کی عبارت میں تصریح موجود ہے کہ اسے اراضی موقوفہ سے کسی قسم کا قبضہ یا تعلق نہیں رہ۔ سوال یہ ہے کہ کیا شخص مذکور کے اس طرح کہنے سے وقف منسوخ ہو جائے گا یا نہیں؟ شرعی حکم مع حوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف تام ہو جانے کے بعد اس کو منسوخ کرنے کا حق نہیں، نہ اس میں کسی قسم کے مالکانہ تصرف کا حق رہا، یعنی واقف نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو ہبہ کر سکتا ہے، نہ وصیت کر سکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے:

"فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". در مختار۔ "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. ولا يعار ولا يرهن لاقتضائهما الملك". شامی (۱)۔

"والوصية هي تمليك مضاف إلى ما بعد الموت عيناً كان أو ديناً الخ".

در مختار: ۵/۶۸ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۸۸ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

"وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/۶۴۸، ۶۴۸، سعيد)

"الإيصاء في الشرع تمليك مضاف إلى ما بعد الموت يعني بطريق التبرع، سواء كان عيناً أو منفعة، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشيديه)

ضلعی انجمن کی تقسیم

سوال[۶۸۹۲]: ۱.....دارالعلوم میں ایک ضلعی انجمن ہے جو قیام انجمن کے فارغین حضرات اور موجودہ افراد کے روپے سے چل رہی ہے اور انجمن میں کتب اور روپیہ پیسہ وغیرہ چیزیں موجود ہیں، جن میں سے انجمن کے ہر ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے، وہ ان میں کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ اب اگر وہ ضلع سرکاری حکم سے دو حصوں میں بٹ جائے اور دونوں الگ الگ نام سے موسوم کردے تو انجمن کو دو حصوں میں اس طرح پر تقسیم کرلینا کہ ایک حصہ میں دوسرے حصہ والوں کا کوئی انتفاع کا حق نہ رہے، بلکہ اپنے اپنے حصوں میں ہر ہر فرد کو صرف حق انتفاع ہو درست ہوگا یا نہیں؟ یا تقسیم کی کوئی اور صورت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو آدھا آدھا دو حصوں میں کیا جائے گا یا کیا صورت ہوگی؟ تحریر فرمایئے۔

۲.....انجمن میں عوام کی امداد بھی ہے اور بعض حضرات نے مستقل چند کتب بھی بطور وقف داخل کی ہیں، اور تمام منتظمین حضرات نے جو بھی امداد کئے ہیں اسی انجمن کو کئے اور اب تک جو جو سامان موجود ہے اسی انجمن کے ساتھ خاص ہے، کسی کی ملکیت نہیں ہے اور ہر ہر فرد کو انتفاع کا حق حاصل ہے۔ اب اگر تقسیم جائز ہے تو وہ کتابیں اور وہ سامان جو کسی مخصوص شخص نے اس مخصوص انجمن کو امداد کیا تھا، ان چیزوں میں بٹوارہ کس طرح کیا جائے گا۔ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں، بڑا کرم ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....سرکاری حکم سے اگر دو ضلع بن گئے تو اس سے کیا ہوا، کیا انجمن کے لوگوں کو بھی ساتھ رہنے سے ممانعت کردی گئی۔ یہ سب سر جوڑ کر حسب سابق مشترک طور پر رہیں، امید کہ ان پر جرمانہ نہیں ہوگا، نہ حکومت ان کو قید کرے گی۔ اگر یہ صورت امکان سے باہر ہے تو انجمن کو ہی دو ضلع کے نام سے توسیع کردی جائے کہ یہ انجمن فلاں فلاں ضلع کی ہے، کسی تقسیم کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ بھی ناممکن ہے تو دونوں ضلع کی افراد کے لحاظ سے کتابیں اور نقدی تقسیم کردیں(۱)۔

---

(۱) "أهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد، لا بأس به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۹، رشیدیہ)

"ضيعة موقوفة على الموالي، فلهم قسمتها قسمة حفظ وعمارة لا قسمة تملك، اهـ" (البحر الرائق، كتاب الوقف، ۵/۳۴۲، رشیدیہ)

۲… جواب نمبر ایک سے اس کی صورت سمجھ کر عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۱۴۰۶ھ۔

کسٹوڈین اگر جائیداد مقبوضہ کو واپس کردے تو اس کا حکم

سوال [۶۸۰۳]: اپنی ایک جائیداد وقف علی الاولاد کی، اس میں اس نے بیٹوں اور بیٹیوں کے حصے مقرر کئے اور وصیت کی کہ یہ وقف نسلاً بعد نسلٍ رہے گا۔ ۱۹۴۷ء میں عبداللہ کی تمام اولاد سوائے ایک لڑکی کے پاکستان چلی گئی اور وقف جائیداد پر کسٹوڈین(۱) نے قبضہ کرلیا۔ عبداللہ کی جو اولاد پاکستان چلی گئی تھی اس نے وہاں اس وقف جائیداد کے عوض حکومت پاکستان سے جائیداد حاصل کی، گویا استبدال ہوگیا ہے۔ ہندوستان میں کئی سال کے بعد کسٹوڈین نے عبداللہ کی لڑکی کو مذکورہ وقف جائیداد سپرد کردی اور کسٹوڈین نے عبداللہ کی لڑکی کو یہ تحریر بھی دیدی کہ یہ جائیداد اب تمہارے تصرف میں رہے گی تم انتظام کرو گی، اور کوئی اس میں حق نہیں رکھتا ہے۔

اب پاکستان سے عبداللہ کے پوتے کی لڑکی کی شادی ہوکر ہندوستان آئی ہے اور کئی سال کے بعد اس کو ہندوستان کی شہریت مل گئی ہے اور اپنے دادا کی بہن سے جس کو کسٹوڈین نے سپرد کردی ہے مطالبہ کررہی ہے کہ مجھ کو اس جائیداد میں سے میرے والد کا حصہ دیا جائے۔ عبداللہ کی بیٹی - جو اس جائیداد پر متصرف ہے جس کو کسٹوڈین نے دی ہے- کہتی ہے کہ تمہارے باپ پاکستان کی حکومت سے اس وقف جائیداد کے عوض میں کلیم کرکے معاوضہ لے چکے ہیں(۲) وہ یہ بھی کہتی ہے کہ باپ کے زندہ ہوتے ہوئے تم کو اس جائیداد میں سے کچھ طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے:

۱… عبداللہ کی اولاد میں سے جو اولاد پاکستان چلی گئی ہے اور انہوں نے وہاں کی حکومت سے اس وقف جائیداد کے بدلہ میں معاوضہ لے لیا ہے، کیا ان کو اب ہندوستان کی جائیداد میں سے حصہ مل سکتا ہے؟

۲… کیا باپ کے زندہ ہوتے ہوئے اس کی اولاد کو وقف جائیداد میں سے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے؟

---

(۱) "کسٹوڈین: محافظ، نگران، رکھوالا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۱۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "کلیم: حق، دعویٰ، مطالبہ، استحقاق، ناش"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۲۶، فیروز سنز لاہور)

۳.....حکومت ہند جب کسی کو ہندوستانی شہریت کے حقوق دیتی ہے تو پہلے یہ لکھوالیتی ہے کہ تم یہاں کوئی مطالبہ جائیداد کا نہیں کروگے اور یہ عبداللہ کے پوتے کی بیٹی سے بھی کی گئی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... پاکستان پہونچ کر جن لوگوں نے یہاں کی وقف جائیداد کا معاوضہ لے لیا تو اس کا حصہ یہاں کی جائیداد سے ختم ہو گیا ہے، اس بنا پر ان کو یہاں مطالبہ کا حق نہیں ہے(۱)۔

۲.....واقف نے کن شرائط کو وقف میں ملحوظ رکھا ہے، ان کی تفصیل معلوم ہونے کی ضرورت ہے یعنی بلاتفصیل وراثت شرعیہ حصہ مقرر کئے ہیں، یا کوئی اور صورت اختیار کی ہے، اس لئے وقف نامہ یا اس کی نقل بھیجئے تب یہ معلوم ہو سکے گا کہ کس کو کس وقت مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

۳.....جب یہاں کی جائیداد کا عوض پاکستان میں دیا جا چکا تو گویا کہ یہاں کی حکومت نے جائیداد خرید لی ہے، پس حکومت کا اس قسم کی تحریر لکھوانا حسب ضابطہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "لا یجوز استبدال العامر إلا فی أربع". (الدر المختار). "إلا فی أربع ..... الثانیة: إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء، حتی صار بحراً، فیضمن القیمة ویشتری المتولي بها أرضاً بدلاً".

(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا یستبدل العامر الخ: ۳۸۸/۴، سعید)

(۲) "أن یجحده الغاصب ولا بینة: أي وأراد دفع القیمة، فللمتولي أخذها، لیشتری بها بدلاً".

(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا یستبدل العامر الخ: ۳۸۸/۴، سعید)

بابٌ فی استبدال الوقف وبیعہ

(وقف کو بدلنے اور اس کی بیع کا بیان)

وقف کو بدلنا

سوال [۶۸۹۴]: زید نے ۱۹۵۶ء میں کچھ زمین قبرستان کے لئے وقف کی، لیکن زمین کے سامنے جن کے مکانات تھے، انہوں نے میت کو دفن کرنے سے روکا، جس کی وجہ سے کافی دقت پیش آئی، اس دقت کے پیشِ نظر متولی نے واقف سے دوسری زمین ۱۹۶۱ء میں وقف کرائی، اسی میں فی الحال قبرستان ہے اور پہلی زمین وقف شدہ غیر مسلم کے ہاتھ فروخت ہوئی، اب اس سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے۔

۱..... وقفِ اول کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۲..... کیا متولی وقف کو بدل سکتا ہے؟

۳..... دوسرا وقف اس کا بدل شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۴..... جب کہ وقفِ اول کو واقف نے فروخت کر دیا ہے غیر مسلم کے ہاتھ، اس کا کیا حکم ہے؟

۵..... فی زمانہ اس مقدمہ کا فیصلہ شریعت کے نزدیک کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کر دی جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے وقف ہو جاتی ہے، اس کی بیع کا کسی کو حق نہیں رہتا، نہ واقف کو نہ متولی کو، اگر بیع کر دی جائے تو وہ شرعاً نا قابلِ نفاذ ہوتی ہے(۱)۔ ہاں! اگر واقف نے یہ شرط کر دی

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية). "(قوله: لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء ... (أما امتناع التمليك فلما بيّنّا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"فإذا تم الوقف ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). قال ابن-

ہوکہ جب زمین قابلِ انتفاع نہ رہے تو اس کا دوسری زمین سے تبادلہ کرلیا جائے تو ایسی صورت میں اس شرط کے ساتھ اس کا تبادلہ درست ہوتا ہے، خواہ زمین کا تبادلہ زمین سے کیا جائے، یا زمین فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۱)۔

اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے کہ وقف کی نیت پوری نہ ہوسکتی ہو اور زمین موقوفہ پر کسی کا ناجائز قبضہ ہوجائے جس سے وقف ہی باطل اور ضائع ہوجائے تو مجبوراً اس کا معاوضہ قبول کرکے دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۲)۔ یہاں صورتِ مسئولہ میں اولاً کوشش کی جائے کہ بیع فسخ کرکے زمین واپس لی جائے، اگر پوری کوشش کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوسکے تو مجبوراً معاوضہ قبول کرکے دوسری زمین جو اس کام کے لئے

= عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

( ) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ أو شرط بيعه، ويشتري بثمنه أرضاً أخرى إذا شاء، فإذا فعل، صارت الثانية كالأولى". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: جاز شرط الاستبدال به الخ) الأول أن يشترط الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۳، سعيد)

"إذا شرط في أصل الوقف أن يستبدل به أرضاً أخرى إذا شاء ذلك، فتكون وقفاً مكانها، فالوقف والشرط جائزان عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، وكذا لو شرط أن يبيعها ويستبدل بثمنها مكانها. وفي واقعات القاضي الإمام فخر الدين: قول هلال رحمه الله تعالى مع أبي يوسف رحمه الله تعالى، وعليه الفتوى، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف: ۲/۳۹۹، رشيدية)

(۲) "ولهذا قال في الأشباه: لا يجوز استبدال العامر إلا في الأربع". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إلا في أربع) ..... الثالثة: أن يجحده الغاصب ولا بينة: أي وأراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها ليشتري بها بدلاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعيد)

وقف کی گئی ہے، اس میں اس معاوضہ کو صرف کیا جائے جس سے وقف کا مقصد حاصل ہو اور مسلمان مردے اس میں دفن کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، ۲۱/۱/۱۴۰۷ھ۔

استبدال وقف

سوال [۵۸۹۶]: ایک شخص نے اپنا مکان مدرسہ اسلامیہ محلہ بندوقچیان کے نام وقف کیا اور اس میں تحریر کیا کہ:

> "جب تک میں زندہ ہوں تو اس کا متولی میں خود رہوں گا، میرے مرنے کے بعد میرا بڑا لڑکا متولی رہے گا، اس کے مرنے کے بعد میرے لڑکے کا بڑا لڑکا متولی رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد میرے چھوٹے لڑکے کا بڑا لڑکا متولی رہے گا، اسی طرح نسلاً بعد نسل چلتا رہے گا۔ اور جب میرے لڑکوں میں سے نرینہ کوئی نسل نہ رہے گی تو میرے لڑکوں میں سے جس کی بڑی لڑکی ہوگی تو وہ متولی ہوگی، یا اس کا لڑکا متولی ہوگا۔ اور جب یہ نسل بھی باقی نہ رہے گی تب اس وقت جو شخص مدرسہ کا مہتمم ہوگا وہی میرے مکان موقوفہ کا متولی ہوگا"۔

اس مکان کی مالیت ایک ہزار روپیہ ہے، اس کا کرایہ دس روپیہ سالانہ تحریر ہے اور مدرسہ کو پچاس پیسے سالانہ دینا تحریر ہے، لیکن ابھی تک ہم نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اس وقت اس شخص کا بڑا لڑکا فضل الرحمن متولی ہے، اب ہم اس کو بدلنا چاہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس مکان کا آدھا حصہ تو برسات میں گر گیا، ہم اتنے نادار ہیں کہ اس کی مرمت بھی نہیں کرا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم دونوں بھائی ایک ہزار روپے کے مقروض ہیں اور اس وقت موقع بھی بدلنے کا اچھا ہے، کیونکہ ہمارے پڑوس میں ایک مالدار آدمی ہے اس کو اپنے کاروبار کے لئے اس جگہ کی ضرورت ہے، اس لئے وہ اس کے بدلے میں ایک مکان اور کچھ نقد روپے دے رہا ہے۔

۱..... دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکانِ موقوفہ کو بدل سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ وہ مکان جو اس کے بدلہ میں آئے گا اسی کو اسی طرح وقف کردیں؟

۲..... اور اس کے بدلہ میں نقد روپیہ ملے گا، اس کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

۳..... اس نقد روپیہ سے اپنا قرض ادا کرسکتے ہیں یا نہیں، یا اس روپیہ کو مدرسہ میں داخل کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ مکان مدرسہ کے لئے وقف ہے تو اس کو فروخت کرنا اور اس کے عوض دوسرا مکان خریدنا اور اس کی قیمت کو اپنے کام میں لانا کچھ بھی جائز نہیں (۱)، وہ مکان مدرسہ کے حوالہ کردیا جائے، مدرسہ اس کی مرمت یا تعمیر کرائے گا۔ ہاں! اگر وہ مکان بالکل ہی قابلِ انتفاع نہ رہے اور اس سے کوئی آمدنی حاصل نہ ہو اور مرمت وتعمیر کی بھی وسعت نہ ہو تو اس کو بدل لینا درست ہے (۲)۔ اس طرح اس کو فروخت کرکے اس کے عوض

---

(۱) "الثالث: أن لا يشترطه أيضاً ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

"فإذا تم الوقف ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن" (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. ولا يملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه (أما امتناع التمليك فلما بيّنّا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وفيها لا يجوز استبدال العامر إلا في أربع". (الدر المختار). قال ابن عابدين: "(قوله: إلا في أربع) ... الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة، وأحسن صقعاً، فيجوز على قول أبي يوسف رحمه الله تعالى وعليه الفتوى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعيد)

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها: هل للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها مكانها أخرى؟ قال: نعم". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۴، رشيديه) —

دوسرا مکان لے کر مدرسہ میں شرائطِ وقف کے تحت وقف کردیا جائے، اس کا روپیہ شرائطِ وقف کے خلاف کسی کام میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

خستہ حال مکان کے بدلے دوسرا مکان خریدنا

سوال[۶۸۹۲]: ایک اسلامی ادارہ میں ایک موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ (مبلغ: ۵۰) ماہانہ ہے اور وہ اس قدر خستہ حال پر ہے کہ کسی وقت بھی منہدم ہوسکتا ہے، ہر سال اس کی مرمت وغیرہ میں اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے، ادارہ کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ اس کو از سرِ نو تعمیر کرا سکے۔ کیا ایسی صورت میں اس موقوفہ مکان کو بیچ کر اس کی قیمت سے کوئی دوسری جائیداد خریدی یا بنوائی جاسکتی ہے اور اس کو اس موقوفہ مکان کا نام دیا جاسکتا ہے؟

اندازہ کیا گیا ہے کہ اس مکان کی اتنی قیمت مل سکتی ہے کہ اس سے خریداری یا بنوائی ہوئی جائیداد تقریباً ایک سو روپے ماہانہ پڑے گی۔

جمیل احمد رحمانی، مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ عالم گنج پٹنہ

؎ "سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

"وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۹، سعيد)

"أما بدون الشرط أشار في السير أنه لا يملك الاستبدال إلا القاضي إذا رأى المصلحة في ذلك". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۳/۳۰۶، رشيديه)

(۱) "لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة اهـ". (الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے، اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں تو اس کی منفعت مفقود ہے، ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا مکان خرید کر وقف کر دیا جائے تو درست بلکہ قابلِ تحسین ہے، خاص کر جب کہ خرید کردہ مکان سے آمدنی نسبۃً زیادہ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۷۲۹۹]: مخدوم و مکرم بندہ جناب مولانا صاحب مدظلہم!

السلام علیکم ....!

آپ کو معلوم ہے کہ حاجی عبدالقیوم صاحب مرحوم نے بزمانۂ حیات خود اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی تھی جس کا وقف نامہ آپ کے دفتر میں موجود ہے، کیونکہ منافع میں سے حصہ پانے والوں میں ایک آپ کا مدرسہ بھی ہے، وقف نامہ میں متولی مجھ کو کیا گیا ہے اور مجھ کو اختیاراتِ متولی حسب صراحت وقف نامہ دیے گئے ہیں۔ منجملہ جائیداد موقوفہ ایک مکان مسکونہ بھی ہے جس کی آمدنی اس وقت (مثلاً ۱۰ روپے) ماہوار ہے۔ مکان مذکورہ سے بصورتِ موجودہ جب تک کوئی معتد بہ رقم خرچ نہ کی جاوے اضافۂ کرایہ کی بظاہر کوئی امید نہیں ہے۔

اس مکان سے ملحق مکان حافظ محمد صدیق صاحب وکیل مرحوم کا ہے، اس کے ورثاء بوجہ تنگی اپنے مکان کے بصورتِ تبادلہ یا بیع معقول قیمت مکان موقوفہ کے دے سکتے ہیں اور یہ امید کی جاتی ہے کہ اگر زرِ

---

(۱) "سئل عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقف تهدم ولم يكن له شيء يعمر منه، ولا أمكن إجارته ولا تعميره، أجاب: إن كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۶۸، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/ ۳۸۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۵، رشيدية)

سے دوسری جائیداد خریدی جاوے تو اضافہ آمدنی وقف ہو جاوے گا۔ وقف نامہ متولی کو جائیداد موقوفہ کے کسی خود پر منتقل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۱.....سوال یہ ہے کہ آیا اس شرط کے ہوتے ہوئے قاضی یعنی ڈسٹرکٹ جج صاحب ایسے تبادلہ یا بیع کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسی اجازت کی بنا پر انتقال مکان موقوفہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا ورثاء حصہ داران وحقداران وقف کی رضامندی لینا بھی ضروری ہوگا یا نہیں؟ یہ بھی قابل اظہار ہے کہ واقف کی حیات میں بھی سوال تبادلہ مکان اٹھا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس وقت التوا میں پڑ گیا۔

۲... وقف نامہ مذکور میں جزو آمدنی پر فضل پر برائے مرمت مکان واخراجات مقدمات ذخیرہ جمع کیا جانا درج ہے، لیکن کوئی تعیین مدت کہ کب تک جمع رکھی جاوے درج نہیں۔

وقف کو تقریباً چار سال ہو گئے اور تقریباً دو سو روپیہ اس مد میں جمع ہو گئے، مقدمات کا کوئی امکان ظاہر نہیں اور مرمت مکان کے لئے جو فوری ضرورت ہے اس کے مقابلہ میں یہ اندازہ رقم زیادہ ہے۔ اس صورت میں دریافت طلب یہ ہے کہ ایک حصہ فوری مرمت کے تخمینہ کے موافق رکھ کر باقی روپیہ ورثاء وحقداران وقف کو تقسیم کر دینا جیسے کہ ورثاء کی خواہش ہے جائز ہوگا یا نہیں؟

۳... بوقت تحریر وقف نامہ واقف کے تین نبیرگان موجود تھے (۱)، چنانچہ واقف نے ان کے نام لکھ کر ان کے لئے حصہ منافع جائیداد میں مقرر کر دیے۔ بعد وفات واقف دو پوتے اور ایک پوتی اور پیدا ہو گئے ہیں جن کے متعلق وقف نامہ میں صاف طور پر کچھ تحریر نہیں۔ کیا وقف نسلاً بعد نسل ہے؟ کیا اس صورت میں منافع بقدر حصہ رسدی ان کو بھی دیا جا سکتا ہے؟ وقف نامہ کی شرائط ملاحظہ فرما کر جواب سے جلد مطلع فرمایا جاوے۔

فضل الرحمٰن رئیس رجسٹر بیت سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....واقف نے جب کہ وقف نامہ میں مکان وجائیداد موقوفہ کے ہر قسم کے انتقال کو صراحۃً منع کر دیا ہے تو متولی کو کسی طرح اس کے انتقال کا حق نہیں، البتہ اگر جائیداد بالکل ناقابلِ انتفاع ہو جائے تو شرعی قاضی کو

---

(۱) "نبیرگان: نبیرہ کی جمع ہے، معنی: بیٹے کا بیٹا، پوتا"۔ (نور اللغات: ۴/۱۰۹۰)

"پوتا، نواسہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۰، فیروز سنز، لاہور)

اس کا استبدال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

"هذا إذا شرط الاستبدال في أصل الوقف، وأما إذا لم يشترطه فقد يختص برأي أولي القضاة الثلاثة المشار إليه بقوله عليه السلام: "قاض في الجنة، وقاضيان في النار" المفسر بذي العلم والعمل، لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين، كما هو الغالب في زماننا". إسعاف(۱)۔

"والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به، وأن لا يكون البيع بغبن فاحش، كذا في البحر الرائق. وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم، كذا في النهر الفائق". فتاوى عالمگیری: ۲/ ۴۰۱(۲)۔

اور صورت مسئولہ میں مکان مذکور قابل انتفاع ہے اور ایک رقم اس پر صرف کرنے کے بعد زیادہ آمدنی کی بھی امید ہے اور واقف نے مکان کی مرمت وغیرہ کے لئے ایک جزو آمدنی متعین کیا ہے جو کہ موجود بھی ہے،

---

(۱) لم أجده في الإسعاف، وقال في النهر: "وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل . . . وأنت خبير بأن المستبدل إذا كان هو قاضي الجنة، فالنفس به مطمئنة ولا يخشى الضياع معه ولو بالدراهم والدنانير، والله الموفق". (النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/ ۳۲۰، رشيديه)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴/ ۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد: ۲/ ۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف: ۲/ ۴۰۱، رشيديه)

"وشرط في البحر: خروجه عن الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۸۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۲۲۴، رشيديه)

لہٰذا اس مکان کا فروخت کرنا درست نہیں(۱)۔

۲.... شرائط وقف نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکان کی ہر قسم کی ضروریات مرمت ومقدمہ وغیرہ کے لئے ایک جزو آمدنی کا جمع رکھنا ضروری ہے، لہٰذا اگر وہ جزو آمدنی اس قدر جمع ہے کہ مکان کی آئندہ ضروریات کے لئے کافی ہو کر بھی بچ جاوے تو زیادتی کو مستحقین پر صرف کرنا درست ہے، مکان کی حیثیت کے موافق مرمت ومقدمہ کے اخراجات کا تعین متدین اور تجربہ کاروں کے ظن غالب سے ہوسکتا ہے:

"الوقف صحيحة على مسجد على أن ما فضل من العمارة فهو للفقراء، فاجتمعت الغلة والمسجد لا يحتاج إلى العمارة للحال، هل تصرف تلك إلى الفقراء؟ اختلفوا فيه، والمختار أنه لو اجتمع من الغلة مقدار ما لو يحتاج المسجد والضيعة إلى العمارة يمكن العمارة منها ويزيد، صرفت الزيادة إلى الفقراء، ليكون جمعاً بين شرط الواقف وصيانة الوقف، كذا في محيط السرخسي". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۳۳۲(۲)۔

سوال نمبر۳: اس مکان کے تولیت کی غرض زیادتی آمدنی ظاہر کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بصورت

---

(۱) "(قوله: لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء ... وإنما امتنع التمليك فلما بين) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه ... الخ: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۰، رشيدية)

"قال الفقيه أبو الليث: والصحيح عندي أنه إذا اجتمع من الغلة مقدار ما احتاج المسجد والأرض للعمارة يمكن العمارة منه وبقي زيادة شيء من الغلة، تصرف الزيادة إلى الفقراء على ما شرط الواقف ... وهو المختار للفتوى" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ۵/۸۵۹، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۲۸۸، رشيدية)

موجودہ تاوقتیکہ کوئی کثیر رقم خرچ نہ کی جاوے اضافہ کرایہ کی بظاہر کوئی امید نہیں"۔ سوال نمبر: ۲ میں بیان کیا گیا ہے کہ "رقم چس تدا از یادہ ہے"۔ پس اگر یہ رقم اتنی ہے کہ جس کو خرچ کر کے کرایہ کا اضافہ ہوسکتا ہے تب تو اس کو خرچ کر کے کرایہ کا اضافہ کرلیا جائے تاکہ واقف اور سائل دونوں کی غرض پوری ہوجاوے اور مکان فروخت کر کے دوسری جگہ خرید کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اگر یہ رقم اتنی نہیں کہ جس سے یہ غرض پوری ہوسکے تو اس کو زیادہ کہنا اور زیادتی کی وجہ سے تقسیم کا سوال کرنا بے محل ہے۔

۳... گو وقف نسلاً بعد نسل ہے، لیکن واقف نے نمبر: ۱ میں تحریر کیا ہے کہ "میرے خاندان کے غریب درحاجت مند اشخاص کو فی روپیہ ایک آنہ گیارہ پائی آگے چل کر ۱۱/ میں ان اشخاص کے نام اس رقم کو ان پر تقسیم کردیا بلوغ تک بلا قید ان کو رقم ملے گی اور بلوغ کے بعد بشرط حاجت مندی"۔ لہذا اگر وہ نبیرگان بالغ نہیں ہوئے یا بالغ ہوگئے مگر وہ حاجت مند ہیں تو اس رقم کو ان کے لئے برابر جاری رکھا جائے (۱)۔

اور اگر حاجت مند نہیں رہے اس طرح کہ صاحبِ نصاب ہوگئے تو ان کے دوسرے بھائی بہنوں کے لئے بشرطیکہ وہ حاجت مند ہوں جاری کردیا جائے اور ان کے لئے بلوغ کی قید نہیں، بلکہ اگر حاجت مند ہیں تو تمام عمر یہ رقم ان کو دی جائے (۲)۔ اگر وہ بھی حاجت مند نہ ہوں تو خاندان کے دوسرے مستحقین کو یہ رقم دی جائے، بلکہ نمبر (ی) میں ہے (☆) کہ "میری اولاد و ذریت میں نسلاً بعد نسل موجب شرع شریف تقسیم ہوگی"۔

---

(۱) "إذا قال: أرضي هذه صدقة على فقراء قرابتي، أو قال: على فقراء ولدي ومن بعدهم على المساكين، فهذا الوقف صحيح، والمستحق للغلة من كان فقيراً يوم تحقق الغلة عند هلال رحمه الله ...... ولو قال: أرضي صدقة موقوفة على المساكين من قرابتي أو على المحتاجين من قرابتي، كان الجواب فيه ما هو في قوله: على فقراء قرابتي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الرابع في الوقف على الفقراء قرابته: ۲/۳۸۳، رشيديه)

(۲) "والفقير في هذا الباب من يعد فقيراً في باب الزكاة، هذا هو المشهور، كذا في الحاوي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الرابع: ۲/۳۸۵، رشيديه)

(☆) نمبر (ی) سے مراد بظاہر وقف نامہ کے ان دفعات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے "ی" میں جو کچھ لکھا گیا ہے کیونکہ اصل نسخہ میں حروف تہجی کے ساتھ نمبر نہیں۔

ایک روپیہ میں سے ۲/ ان کے ماتحت اولاد و زوجہ میں نسلاً بعد نسلٍ یعنی ایک روپیہ میں ۶/ کو موافق حصص شرعیہ برابر جاری رکھا جائے گا(۱) اس میں بلوغ یا حاجت مندی کی قید نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۱۵/[illegible]ھ۔

۱- وقف نامہ میں اصل چیز یہ ہے کہ شرائط واقف جن کی واقف نے تصریح کی ہو، ان کا اتباع کیا جائے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" کتب فقہ باب الوقف میں مجملہ مسلمہ اصول موضوعہ میں سے ہے(۲)۔ البتہ جن شرائط کی تصریح واقف نے نہ کی ہو، یا مبہم اور مجمل چھوڑ دیا ہو، ان میں قاضی کے اجتہاد اور تصرف کی گنجائش ہے۔ وقف نامہ ہذا میں مصارف اور شرائط کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجمل نہیں چھوڑا۔

اور جن صورتوں میں فقہاء کے کلام سے قاضی کو تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے، وہ خاص خاص صورتیں ہیں، مثلاً موقوفہ چیز کا بالکل قابلِ انتفاع نہ رہنا، جو صورت مسئولہ میں مفقود ہے، باقی تبادلہ انفع چیز سے جو موقوفہ چیز سے زیادہ نفع بخش اور انفع ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی، بالخصوص جب کہ واقف نے تبادلہ کی ممانعت کر دی ہو، لہٰذا بصورت مسئولہ مذکورہ بالا میں حسب تصریح فقہاء وحسب تصریح شرائط وقف نامہ کے کسی قسم کی تبدیلی نہیں، اور متولی یا قاضی کو بھی حق تبدیل حاصل نہیں۔

پھر ان قیود وشرائط کے ساتھ جن کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے اس قاضی کو اجازت ہے جو قاضی شرعی ہو، یعنی قاضی مسلم، عالم باعمل ہو، ہر قاضی یا اس کے قائم مقام کو اجازت نہیں۔

۲- کے متعلق یہ ہے کہ وقف نامہ میں تصریح ہے کہ "مرمت مکان وتعمیرات اور ضروریات متعلق مکان کے لئے رقم بمقدار پنج رہے گی"۔ اور اس قسم کی ضروریات کا کوئی وقت مقرر نہیں، لہٰذا حسب تصریح واقف اس رقم کو کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا درست نہ ہوگا(۳)۔ دوسری مصرف سے کسی رقم کو زائد لینا، اس وقت

---

(۱) "وإن قال: على ولدي وولد ولدي وولد ولد ولدي - ذكر البطن الثالث - فهو تصرف الغلة إلى أولاده أبداً ما تناسلوا، ولا يصرف إلى الفقراء ما بقي أحد من أولاده وإن سفل". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳/۳۲۰، رشيدية)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳، سعيد)

(۳) "لأن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن –

درست ہوسکتا ہے کہ وہ رقم اس قدر تعداد پر پہونچ گئی ہو کہ بداہۃً وظاہراً زائد معلوم ہوتی ہو، یا اس مرمت جس کی طرف مکان مذکور محتاج ہے اور سوال میں اس کی ضرورت تسلیم ہے اس کی تشریح ہوکر اور کسی معمار یا مستری ثقہ اور معتبر سے اس کا اندازہ معلوم ہوجائے اور پھر موجودہ رقم سے زائد بچے۔

نیز جب وقف نامہ میں تحدید نہیں کی گئی کہ اتنی مدت تک اگر رقم خرچ نہ ہوسکے، اس رقم زائد کو ورثاء پر تقسیم کیا جائے، بلکہ دوسرا مصرف اس کو متعین کیا گیا۔ ایسی صورت میں شرائط واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو صحیح اور درست نہیں۔ علاوہ اس کے اگر اس چار سال کی مدت کو زائد قرار دیا جاسکتا ہے اور ورثاء پر تقسیم ہونے کا دعویٰ یا خواہش کی جاسکتی ہے، اندریں صورت سوائے ایک سال کی آمدنی کے اس مد میں کوئی آمدنی جمع نہ ہوسکے گی اور یہ سراسر صریح شرائط وقف نامہ کے خلاف ٹھیرا، لہٰذا اس مد کو ورثہ پر خرچ کرنے کی گنجائش نہیں۔

عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تتمہ سوال بالا

سوال[۱۹۹۱]: سلسلۂ عریضہ سابقہ سوال نمبر ۳ میں یہ غلط درج ہوگیا کہ "واقف کے انتقال کے بعد دو پوتے اور ایک پوتی اور پیدا ہوگی"۔ اصل میں پوتی بزمانۂ حیاتِ واقف موجود ہے اور پوتے بعد میں پیدا ہوئے مگر واقف نے پوتی کا نام باوجود موجودگی وقف نامہ میں صراحۃً درج نہیں کیا ہے۔ اس کو ملحوظ رکھ کر جواب ارسال فرمایا جاوے۔

محمد فضل الرحمٰن۔

جواب تتمہ:

پوتی جب کہ واقف کے سامنے ہی موجود تھی اور واقف نے کوئی حصہ اس کے لئے نبیرگان کے ساتھ متعین نہیں کیا تو وہ نبیرگان کے ساتھ اس رقم میں شریک نہیں ہوسکتی (۱)، البتہ نبیرگان بعد بلوغ اگر حاجت مند ہ

معصیۃ"۔ (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرۃ ...... ۳/۳۴۳، سعید)

(۱) "أرضي صدقة موقوفة علی أولادي ...... وما دام یوجد من ولد الصلب یصرف لہ، فإذا انقرضوا، فالی الفقراء لا إلی ولد الولد"۔ (البزازیۃ علی ہامش الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الخامس في الوقف علی الأولاد، الخ: ۶/۲۶۴، رشیدیہ)

رہیں تب پوتی کو دوسرے مستحقین میں بشرط حاجت مندی شمار کیا جا سکتا ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مسجد کے نام وقف زمین کو دوسری زمین سے تبدیل کرنا

سوال [۱۹۰۰]: ایک زمین مسجد کے نام وقف ہے جو مسجد سے الگ کچھ فاصلہ پر ہے، مسجد کو اس سے فائدہ کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ آبادی کے اندر اور گھروں کے گھیراؤ میں بھی پڑتی ہے۔ ایک صاحب کو مکان بنانے کے لئے اس زمین کی ضرورت ہے اور وہ زراعت والی زمین جو اس سے دوگنی ہے مسجد کو بدلہ دے رہے ہیں، اس سے مسجد کی آمدنی بھی بڑھ جائے گی۔ تو تبدیلی شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور زائد زمین لینا سود تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین سے مسجد کو نفع حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو تبدیل کرنا اور نفع والی زمین مسجد کے لئے حاصل کرنا درست ہے (۱)، اس زمین کے زائد ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "والثاني: أن لا يشرطه، سواء شرط عدمه أو سكت، لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمؤنته، فهو أيضاً جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۳، ۳۷۴، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب شروط الاستبدال: ۲/۴۰۰-۴۰۱، رشيدية)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي وهو الكيل والوزن، فليس الذرع والعد ربا". (الدر المختار) وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: فليس الذرع والعد بربا): أي بذي ربا أو بمعيار ربا، فهو على حذف مضاف، أو الذرع والعد بمعنى المذروع والمعدود: أي لا يتحقق فيهما ربا، والمراد ربا الفضل لتحقق ربا النسيئة، فلو باع خمسة أذرع من الهروي بستة أذرع منه أو بيضة ببيضتين، جاز لو يداً بيد، لا لو نسيئة، لأن وجود الجنس فقط يحرم النساء لا الفضل كوجود القدر فقط". (رد المحتار، كتاب البيوع، باب الربا: ۵/۱۶۹-۱۷۰، سعيد)

مسجد کی موقوفہ زمین کو بدلنا

سوال[۷۰۰۱]: مسجد کی وقف شدہ ایک جگہ زمین کے بدلہ دوسری جگہ زمین دینا اپنی سہولت کے لئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین موقوفہ مسجد میں لینا درست نہیں، اگرچہ اس کے عوض وہ چند زمین مسجد کو دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۳ھ۔

مسجد کے لئے وقف کردہ شی کا ردوبدل کرنا

سوال[۷۰۰۲]: مسجد کی وقف کی ہوئی چیزیں مسجد کے فائدہ کے لئے ردوبدل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں شرعی طور پر وقف ہوجائیں ان کو فروخت کرنا درست نہیں (۲)، ہاں! اگر وہ بالکل ہی قابلِ

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوي القدسي". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

"والثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيديه)

انتفاع نہ ہو تو ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایسی ہی کارآمد شئی مسجد کے لئے خرید کر وقف کر دی جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۰ھ۔

ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال [۹۰۰۳]: ۱... کسی جائیداد کو ایک مصرفِ خیر کے لئے وقف کر دیا گیا، اس کے بعد کسی وجہ سے کہ دوسری جگہ اس کی ضرورت زیادہ ہے، تو اس جائیداد کو دوسری طرف منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲... ایک شخص کی زمین پر دوسرے شخص کا غاصبانہ قبضہ ہے، اس کو مالک نے جامع مسجد کے نام وقف کر دیا اور کہہ دیا کہ متولی جانے، میں تو وقف کر چکا۔ اس کی مالیت ایک ہزار روپیہ کی ہوگی، لیکن وہ شخص قبضہ نہیں چھوڑتا اور ایک ہزار روپیہ کے بجائے دو ہزار روپیہ دینے کو تیار ہے۔ تو اس کو فروخت کر کے جامع مسجد میں، کارہ جائیداد کو کارآمد بنائیں یا دوسری جائیداد خریدیں اور جامع مسجد ہی کے لئے ذریعۂ آمدنی بنائیں۔

---

(۱) "وذكر أبو الليث في نوازله: حصير المسجد إذا صار خلقاً واستغنى أهل المسجد عنه، وقد طرحه إنسان، إن كان الطارح حياً فهو له، وإن كان ميتاً ولم يدع له وارثاً، أرجو أن لا بأس بأن يدفع أهل المسجد إلى فقير أو ينتفعوا به في شراء حصير آخر للمسجد. والمختار أنه لا يجوز لهم أن يفعلوا ذلك بغير أمر القاضي، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

"وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوارثه إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى يباع ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد، فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلى المسجد الآخر". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچی)

یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱ دوسری جگہ اس عمارت میں منتقل کردینا شرعاً درست نہیں(۱)۔

۲ ایسی مجبوری میں اگر متولی دو ہزار روپیہ لے کر کوئی اور جائیداد جامع مسجد کے لئے وقف کردے تو درست ہے

"ولو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها، والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به، وأن لا يكون البيع بغبن فاحش" شامی: ۲/۳۸۸(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "ولا يجوز تغيير الوقف عن هيئته، فلا يجعل الدار بستاناً، ولا الخان حماماً، ولا الرباط دكاناً، إلا إذا جعل الواقف إلى الناظر ما يرى فيه مصلحة الوقف، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات: ۲/۴۹۰، رشيديه)

"ولا يجوز للناظر تغيير صفة الوقف كما أفتى به خير الرملي والحانوتي وغيرهما، لكيف تباع العين بلا مسوغ شرعي". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۱۵، المطبعة الميمنية مصر)

"(فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن)". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في اشتراط الإدخال والإخراج ۴/۳۸۹، سعيد)

"الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

"لا يجوز استبدال العامر إلا في الأربع". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إلا في أربع) ... الثالثة: أن يجحده الغاصب ولا بينة: أي وأراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها، ليشتري بها بدلاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعيد)

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا

سوال [۶۹۰۴]: ایک شخص نے ایک مکان مسجد کے نام وقف بذریعۂ عدالت کردیا تھا جس کو تقریباً ۲۲،۲۰/ سال گزر چکے ہیں، اس وقت انتظامیہ کمیٹی اخرز مسجد کے چند ممبران نے بلاکسی مشورہ سے اس مکان سے کرایہ دار کو بذریعۂ عدالت نکال دیا اور وہاں مدرسہ تعمیر کرنے لگے اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی۔ تحریر کریں کہ جائز ہے یا ناجائز شرعاً طریقہ سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کرا کے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

مدرسہ کے لئے مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا

سوال [۶۹۰۵]: کیا مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کرکے بلاکسی معاوضہ کے مدرسہ کے تصرف میں دینا جائز ہے یا مدرسہ کا فنڈ علیحدہ جمع کرکے مدرسہ تعمیر کرنا چاہیے؟

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء، مالم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به، فيجب عليه".

(الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناءً ووقفها على تلك الجهة، يجوز بلا خلاف تبعاً لها، فإن وقفها على جهة أخرى، اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يجوز، كذا في الغياثية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لا يجوز، الخ: ۲/۳۶۲، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی زمین پر مسجد کے روپے سے عمارت تعمیر کر کے جو کسی موقوفہ مدرسہ کے تصرف میں دینا جائز نہیں، مدرسہ کے فنڈ سے جداگانہ تعمیر کی جائے (۱)۔ مسجد کی زمین پر تعمیر کرنا ہو تو مشورہ سے جداگانہ کرایہ مقرر کر کے تعمیر کریں (۲)، زمین مسجد کی رہے اور تعمیر مدرسہ کی رہے اور زمین کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے مسجد کو

---

(۱) "فإن كان الوقف معيناً على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء، كذا في الحاوي القدسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف، الفصل الأول فيما يكون مصرفاً للوقف: ۲/۳۶۸، رشيديه)

"قالوا: إن كان الوقف على مصالح المسجد، جاز للقيم ذلك؛ لأن هذا من مصالح المسجد. وإن كان الوقف على عمارة المسجد، لا يجوز؛ لأن هذا ليس من عمارة المسجد، كذا في فتاوى قاضي خان. والأصح ما قال الإمام ظهير الدين: إن الوقف على عمارة المسجد وعلى مصالح المسجد سواء، كذا في فتح القدير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكما لو سكن دار الوقف بغير أمر القيم وبغير أمر الواقف، وكذا لو رهن الوقف حين لم يصح، فسكنه المرتهن يجب أجر المثل، سواء أعد للاستغلال أو لا (الغياثية)

قال الصدر الشهيد حسام الدين: "هو المختار للفتوى". (الفتاوى الأنقروية، كتاب الوقف، الثامن في تصرفات المتولي وضمانه وفيما يتعلق: ۱/۲۳۳، دار الإشاعة العربية قندهار افغانستان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعة، يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر ما لا يتغابن الناس فيها".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۲، رشيديه)

دی جائے، یا تعمیر بھی مسجد کے روپیہ سے ہو تو پھر وہ تعمیر بھی مسجد ہی کی ہوگی اور مدرسہ کرایہ دار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جو جگہ مدرسہ کی نیت سے خریدی اس کو مسجد یا اور کسی کارِ خیر کے لئے وقف کرنا

سوال [۱۰۶۰۶]: ایک مخیر اور مخلص شخص نے ایک کھلی جگہ -جس کی قیمت اسٹامپ پر ڈھائی ہزار روپے ہے- مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدی، اب وہ شخص یہ جگہ یا اس کی قیمت مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع یہ فعل کیسا ہے، اور اس کا اجر وثواب ہے یا نہیں؟

خانپور میں ایک فیاض ہستی نے ایک کھلی جگہ اپنی اہلیہ کے نام سے خریدی اور یہ ارادہ کیا کہ مدرسہ یا انجمن کو وقف کردیں گے، جہاں یتیم اور مفلس بچوں کی تعلیم کا پروپیگنڈہ تھا۔ تقریباً آٹھ نو سال سے یہ جگہ خالی پڑی ہے، نہ مدرسہ قائم ہوا اور نہ انجمن، البتہ نمائش کے طور پر چندے سے ایک دوسری جگہ ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی کی گئی، مستقبل میں بھی مدرسہ یا انجمن قائم ہونے کا امکان نہیں، کیونکہ خانپور کی زمین موزوں نہیں اور نہ یہاں مدرسہ یا انجمن چلنے کے لئے آسانیاں فراہم ہیں۔

مسلمانوں کے صرف تین سو گھر ہیں، نیز شہر قریب نہیں جس کی وجہ سے کسی یونیورسٹی یا دارالعلوم یا انجمن کا قیام ممکن ہے، مدرسہ یا انجمن کا نام لے کر چندہ وصول کرنا پیشہ بن گیا ہے۔ چند افراد کا منظم پروگرام جس سے چند غیر مستحق حضرات کی شکم پری مقصود ہے (۲)۔ ایسی صورت میں وہ فیاض شخص خانپور میں ہی یہ جگہ یا اس کی قیمت

---

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "شکم: پیٹ، بطن"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۳۶، فیروز سنز لاہور)

"پُری: بھرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۹۳، فیروز سنز لاہور)

مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے۔ مسجد کی آمدنی قلیل ہے، مسجد کے مصارف پورے نہیں ہوتے، نیز مسجد کی چند دوکانیں جس کے کرایہ سے مسجد کے اخراجات میں مدد ملتی ہے، خستہ حالت میں ہیں، اگر جلد تعمیر یا مرمت نہ ہوئی تو گرنے کا احتمال ہے۔ مسجد کی کوئی دوسری آمدنی نہیں ہے جس سے یہ ضروریں پوری کی جاسکیں اور دوکانوں کی مرمت کر کے ان کو گرنے سے بچایا جاسکے۔

ایسی ضرورت کی حالت میں یہ جگہ اور اسکے ساتھ زیادہ رقم شامل کر کے مسجد اور اس کی آمدنی بڑھانے کے لئے وقف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

۱…یہ کمل اور خالی جگہ یا اس کی قیمت مسجد کے لئے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲…مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف کرنا مستحق ہے یا نہیں؟

۳…کسی مدرسہ یا انجمن کو وقف کرنے کی نیت سے خریدنے کے بعد مسجد کے لئے وقف کرنا درست ہے یا نہیں؟

۴…انجمن یا مدرسہ موجود ہو اور وہاں حاجت نہ ہو تو یہ جگہ کسی دوسرے کار خیر میں صرف کرنا کیسا ہے؟

۵…انجمن و مدرسہ بھی ہے اور مسجد بھی، کیا مسجد کو مقدم رکھنا گناہ ہوگا؟

۶…فلاں پور کے بجائے دوسرے کسی شہر میں انجمن یا مدرسہ کو وقف کرنے کے بجائے خان پور میں ہی مسجد کے لئے یہ جائیداد وقف کرنا جائز تو نہیں؟ آمدنی بڑھنے کی صورت میں بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ کے امکانات ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱……مدرسہ یا انجمن کی نیت سے خریدنے کے بعد بھی وہ جگہ خریدار کی ملک میں ہے(۱)، محض نیت سے

---

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، الخ: ۴/۵۰۲، سعيد)

"أرض في يد رجل يدعي أنها له، ألم أقم البينة أن فلاناً وقفها عليهم، لم يستحقوا شيئاً، لأنه

مدرسہ یا انجمن پر وقف نہیں ہوئی (۱)، اب اگر ان کے نزدیک مسجد کے لئے وقف کرنا زیادہ مفید ہو تو مسجد پر وقف کردینے کا ان کو حق حاصل ہے (۲)۔

۲... جب وہاں نہ مدرسہ ہے نہ انجمن جو کہ مدرسہ بنائے اور چلائے تو پھر مسجد ہی پر وقف کردے (۳)۔

۳... نمبر ۱ میں جواب آگیا۔

۴... اگر وہاں حاجت نہ ہو تو دوسرے کار خیر میں وقف کردینا بہتر ہے (۴)۔

= فيلزم ما لا يملكه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب السادس في الدعوى الخ، الفصل الثاني في الشهادة: ۲/۴۴۳، رشيدية)

(۱) "والملك يزول عن الموقوف بأربعة ... أو بقوله: وقفتها في حياتي وبعد وفاتي مؤبداً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۴۳، ۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(۲) "ولأن الوقف ليس إلا إزالة الملك عن الموقوف، وجعله لله تعالى خالصاً، فأشبه الإعتاق وجعل الأرض أو الدار مسجداً". (بدائع الصنائع للكاساني، كتاب الوقف والصدقة، شرائط جواز الوقف: ۵/۳۲۴، رشيدية)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علماً علمه ونشره ... أو مسجداً بناه، أو بيتاً لابن السبيل بناه". (سنن ابن ماجة، باب ثواب معلم الناس الخير، ص: ۲۲، قديمي)

(وكذا في المبسوط للسرخسي، كتاب الوقف: ۱۲/۲۹، مكتبه غفاريه كوئته)

"ولقد وقف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ووقف أصحابه المساجد والأرض والآبار". (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۱۵، مكتبة دار الكتاب العربي)

(۴) "وفي القنية: حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۳، رشيدية)

"وما انفصل من بناء الوقف واستغني عنه فإنه يصرف إلى نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف إلى مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". =

۵.... گنجائش بالکل نہیں۔

۶ ناجائز نہیں، جو صورت انفع ہو اس کو اختیار کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی صورت

سوال [۶۹۰۶]: مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا کیسا ہے؟ اور کسی مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو تو کیسے کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کر لیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر دے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کر دیا کریں۔ یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کر لیا جائے کہ زمین مسجد کی ہو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کر دیا جایا کرے اور عمارت مدرسہ کی ہو۔ مسجد کی توسیع کے لئے آس پاس کی زمین خرید لی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱/۹۰ھ۔

ہ (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۴۰۲، مكتبة دار الكتب العربي بيروت)

"ويحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، و يحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۳/۴۰۶، سعيد)

(۱) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً: ۳/۳۰۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۳، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

فیضِ عام کے لئے وقف شدہ زمین کو مسجد کے لئے منتقل کرنا

سوال[۱۹۰۰۸]: زید نے چند مکانات فیضِ عام ہائی اسکول کے لئے وقف کئے تھے جس کو عرصہ ۳۰/ سال کا ہو گیا جس میں ایک مکان کچا ڈھیہ تھا جس کی کل زمین ۸/ گز لمبی اور ۶/ گز چوڑی تھی، اب وہ عرصہ ہوا کہ کھنڈر ہو گیا، اور زمین پڑی ہوئی ہے، اس کے تعمیر کرنے میں دو ہزار روپے کا خرچ ہے، ہائی اسکول کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ یہ جگہ کورٹ کے قریب ہے آئندہ یہ جگہ کورٹ کی نذر ہونے والی ہے اس لئے اہلِ محلہ چاہتے ہیں کہ یہ اراضی کو مسجد میں منتقل کرائی جائے تاکہ واقف کو ثواب بھی پہونچے اور جگہ بھی محفوظ ہو جائے۔ کیا یہ منتقلی جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ۸/ گز لمبی زمین اور ۶/ گز چوڑی زمین اس موقع پر مسجد ہی کے کسی کام میں آسکے گی، نیز اگر وقف اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے ورنہ ضائع ہو جائے گا تو ایسی مجبوری کی حالت میں یہ صورت شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۸ھ۔

---

(۱) "وما فضل من ريع الوقف واستغني عنه، فإنه يصرف في نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه، صرف في مسجد آخر؛ لأن الواقف غرضه في الجنس، والجنس واحد". (فقه السنة، كتاب الوقف: ۳/۵۲۹، مكتبة دار الكتاب العربي بيروت)

"وحكي أنه وقع مثله في زمن سيد الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

"وفي القنية: حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

بیر موقوفہ کا سامان نئی تعمیر میں

سوال [۹۹۰۱]: ایک مسجد کے قریب ایک کنواں ہے جس کو ایک تھانیدار نے زمینداروں سے لیکر رفاہِ عام کے لئے آباد کیا تھا، کچھ عرصہ کنواں جاری رہا، پھر اس تھانیدار کی تبدیلی پر دوسرے تھانیدار نے جاری کرنے پر غور نہیں کیا اور سامان چوبی اکثر لوگوں نے اکھیڑ کر جلادیا اور کچھ سامان بچ گیا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر بچا ہوا سامان مسجد شریف کی تعمیر میں لگایا جائے تو شرعاً اجازت ہے یا نہ؟ اگر بعینہ نہ لگ سکے تو اس کو فروخت کرکے اس رقم کو محفوظ رکھیں اور دوسری جگہ سے قرضہ لیکر مسجد میں لگادیں اور اس رقم سے قرضہ اتار دیں، یہ کس طرح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ کنواں آباد ہے اور اس کی ضرورت ہے تو وہ سامان اسی کنویں میں صرف کرنا چاہئے، اگر وہ غیر آباد ہے اس کی ضرورت نہیں رہی، دوسرا کنواں موجود ہے تو پھر اس سامان کو کسی قریب کے دوسرے کنویں میں حسب ضرورت صرف کردیا جائے، مسجد میں صرف نہ کیا جائے، لیکن اگر کسی دوسرے کنویں میں ضرورت نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اس بقیہ سامان کو بھی دوسرے لوگ اٹھا کرلے جاویں گے تو پھر اس کو مسجد کی عمارت وغیرہ میں لگانا درست ہے۔

بہتر یہ ہے کہ وہ سامان فروخت نہ کیا جائے، بلکہ بعینہ مسجد میں لگایا جائے۔ اگر وہ کارآمد نہ ہو تو اس کی قیمت خرچ کی جاوے، هكذا يفهم من ما في رد المحتار: ۴/ ۳۷۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۶/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ ۶/ ۵۷ھ۔

(۱) "(وكذا) الرباط و (البئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر)" (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: إلى أقرب مسجد أو رباط الخ) لف ونشر مرتب، وظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه. وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/ ۳۵۹، سعيد)

جو زمین مزار کے لئے وقف ہے، اس کی آمدنی سے مدرسہ قائم کرنا

سوال [۶۹۱۰]: ۱: موضع مرسودہ میں ایک بہت پرانا مزار حضرت مخدوم جی صاحب کا ہے۔ علاقہ میں ان کے نام پر زمین ہے۔ حضرت مخدوم جی کا سالانہ میلہ بھی لگتا ہے اور بہت سی بدعت وغیرہ دوسری خرافات بھی ہوتی ہیں، وہاں پر کوئی لنگر خانہ بھی نہیں ہے ورنہ ہی کچھ خرچ ہے۔ اب وقف کردہ زمین کی آمدنی حضرت مخدوم جی کی کمیٹی کو دینی چاہئے یا اپنے گاؤں کی مسجد میں لگانی چاہئے، جب کہ مسجد کا خرچ بستی کے مسلمانوں سے برداشت نہیں ہوتا؟

ایضاً

سوال [۶۹۱۱]: ۲: وقف کردہ زمین کے سرہانوں پر جو درخت لگائے گئے ہیں، وہ اس زمین سے باہر سڑک اور زمین کی ڈول (۱) پر واقع ہیں، ان کو بیچ کر مسجد میں لگائیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... بہتر صورت یہ ہے کہ مسجد کے متعلق قرآن کریم کا مدرسہ قائم کر دیا جائے اور اس زمین کی آمدنی سے مدرس کو تنخواہ دی جائے، وہ مدرس امام ہو یا کوئی اور۔ اس سے مسجد بھی آباد رہے گی، دینی تعلیم بھی ہوگی اور صاحب مزار کو اس کا ثواب بھی پہونچتا رہے گا جو کہ واقف کا اصل منشاء ہے(۲)۔

"رباط بعيد استغنى عنه المارة وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو الشجاع: يصرف غلته إلى الرباط الثاني كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية، فرفع ذلك إلى القاضي، فباع الخشب وصرف الثمن إلى مسجد آخر، جاز". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۳، رشيديه)

(۱) "ڈول: زمین کی بڑ، مینڈھ، کھیت کی چار دیواری"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۸۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وحكي أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط في بعض الطرق خرب، ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة، فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

۲..... اگر وہ درخت بصورت موجودہ آمدنی کا ذریعہ نہیں ہیں تو ان کو فروخت کرکے نمبر: ۱- کے مصرف میں صرف کریں (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۹۲ھ۔

ایک جگہ کے وقف کو دوسری جگہ صرف کرنا

سوال [۱۰۱۲]: ایک شخص چبوترہ میں وقف کرتا ہے، واقف کی نیت مطلق دینی مصرف میں خرچ کرنا ہے، لیکن وقف کرتے وقت اس معاملہ پر کوئی دینی مصرف نہ ہونے کی وجہ سے وقف شدہ چیز کو مسجد کے نام

---

(۱) "وفي القنية: حوض أو مسجد خرب وتفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

"رباط بعيد استغنى عنه المارة، وبجنبه رباط آخر، قال السيد الإمام أبو شجاع: تصرف غلته إلى الرباط الثاني". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۱، رشيديه)

"رباط يستغنى عنه وله غلة، فإن كان بقربه رباط صرفت الغلة إلى ذلك الرباط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها: ۲/۴۷۸، رشيديه)

(۱) "في مجموع النوازل: سئل نجم الدين عن أشجار في مقبرة، هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد؟ قال: نعم إن لم تكن وقفاً على وجه آخر". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۵/۸۵۸، إدارة القرآن كراچی)

"وإن لم يعلم الغارس، فالرأي فيها يكون للقاضي، إن رأى أن يبيع الأشجار ويصرف ثمنها إلى عمارة المقبرة، فله ذلك، ويكون في الحكم كأنها وقف". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۲، رشيديه)

"وإن غرس للمسجد، لا يجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف، وكذا إن لم يعلم غرض الغارس اهـ. ومقتضاه في البيت الموقوف إذا لم يعرف الشرط أن يأخذه المتولي لبيعها ويصرفها في مصالح الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۰، رشيديه)

سپرد کردیا۔ جائیداد کی آمدنی اتنی ہے کہ ضروریاتِ مسجد پوری ہونے کے بعد بچ جاتی ہے۔ دینی مدرسہ میں یتیم، غریب طلبہ تعلیم پاتے ہیں، کیا ان پر خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ امید ہے کہ صحیح جواب ارقام فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب واقف نے جائیداد مطلق دینی مصرف میں خرچ کرنے کے لئے وقف کردی اگرچہ زبانی کیا تو یہ وقف صحیح ہوگیا (۱)، اس کے بعد کسی کو کسی ایک مصرف کے لئے تخصیص (تعیین) کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ اس موقوفہ جائیداد کو مسجد، دینی مدارس اور دیگر دینی مصرف میں خرچ کرنا درست ہے:

"وفي الإسعاف: ولا يجوز له أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد. وفي فتاوى الشيخ قاسم: وما كان من شرط معتبر في الوقف، فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره، ولا سيما بعد الحكم، فقد ثبت أن الرجوع عن الشروط لا يصح". شامي: ۳/۴۸۷ (۲)۔

لیکن اگر پہلے تخصیص کی نیت نہیں کی، مگر وقف کرتے وقت تخصیص مسجد کی کردی تو اب دوسری جگہ صرف کرنے کا حق نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) "ثم إن أبا يوسف رحمه الله تعالى يقول: يصير وقفاً بمجرد القول؛ لأنه بمنزلة الإعتاق عنده، وعليه الفتوى". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه الخ: ۲/۳۵۱، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: كتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يجوز الرجوع عن الشروط: ۴/۴۵۹، ۴۶۰، سعيد)

"لو اشترط في الوقف أن يزيد في وظيفة من يرى زيادته ... ثم إذا زاد أحداً منهم شيئاً أو نقصه مرة أو أدخل أحداً أو أخرجه، ليس له أن يغيره بعد ذلك؛ لأن شرطه وقع على فعل يراه، فإذا رآه وأمضاه فقد انتهى ما رآه إلا بشرطه". (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۱/۷۴۰، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"قلت: فإن زاد أحداً منهم شيئاً مما سمي له، أو أخرج سهم أحد، أو أدخل أحداً، أو نقص أحداً، قال: إذا فعل ذلك مرة فليس له أن يغير ذلك؛ لأن الرأي إنما هو على فعل يراه، فإذا رآه وأمضاه فليس له بعد ذلك أن يغيره". (أحكام الأوقاف للخصاف، ص: ۲۰۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً ...

ایک وقف کو دوسری جگہ خرچ کرنا

سوال [۷۰۱۲]: یہاں پر چونکہ الگ الگ مسجدوں کے اوقاف ہیں، لیکن چند آدمیوں نے مل کر تقریباً تین مسجدوں کے اوقاف اکٹھے کرکے ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں خرچ کرنے لگے۔ تو (کیا) یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف نے جو جائیداد جس مسجد کے لئے جداگانہ وقف کی ہے، اس کی آمدنی اسی مسجد میں صرف کی جائے، دوسری مسجد میں صرف نہ کی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۲ھ۔

= (لا) يجوز له ذلك". (الدر المختار). "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الصرف المذكور. قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

(۱) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لا يجوز له ذلك". (الدر المختار). قال ابن عابدين: "(قوله: لا يجوز له ذلك): أي الصرف المذكور. تنبيه: قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

"وقد علم منه أنه لا يجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشيديه)

"أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلف الجهة بأن بنى مدرسةً ومسجداً وعين لكل وقفاً، وفضل من غلة أحدهما، لا يبدل شرط الواقف. وكذا إذا اختلف الواقف لا الجهة، يتبع شرط الواقف. وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين: الإحياء ورعاية شرط الواقف، هذا هو الحاصل من الفتاوى". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في وقف المنقول: ۶/۲۶۱، رشيديه)

مسجد کے لئے وقف زمین کو فروخت کرکے مدرسہ میں لگانا

سوال[۷۰۹۹]: محلّے کی مسجد کا ذریعۂ آمدنی نہ ہونے کی بنا پر ایک صاحب خیر نے مسجد کی آمدنی کی غرض سے زمین کا ایک قطعہ دکانیں بنانے کے لئے مسجد کے نام وقف کردیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صاحب خیر نے ایک دوسرا قطعۂ زمین خرید کر پانچ دکانیں بنا کر اس مسجد مذکور کے نام وقف کردی ہیں۔ اب مسجد کافی سے زیادہ خود کفیل ہوچکی ہے۔ اب مسجد کے متولی صاحب پہلے قطعہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت اسی مسجد کے مدرسے کے تعلیمی فنڈ میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ کیا مسجد کی رقم تعلیمی فنڈ میں استعمال کی جاسکتی ہے، یا متولی صاحب کے لئے اس سے پہلے قطعۂ زمین کو فروخت کرنا جائز ہے؟ اس کی قیمت کے استعمال اور اس کو فروخت کرنے نہ کرنے کا سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قطعۂ زمین دکانیں بنانے کے واسطے مسجد کے لئے وقف کردیا ہے، اس کو فروخت کرکے اس کی رقم کو مدرسے کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہو۔ "فإذا تم ولزم، لا یملك ولا یعار ولا یرھن"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۱ھ۔

موقوفہ زمین کی بیع

سوال[۷۱۰۰]: تقریباً چالیس سال قبل ایک شخص نے کچھ زمین دینی درسگاہ کے لئے وقف کی تھی، اس کے بعد اس زمین کے اندر مدرسہ کا مکان بھی تعمیر ہوگیا تھا، وقف کرنے کے پانچ یا سات سال کے بعد

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"قوله: (لم یجز بیعه ولا تملیکه) هو بإجماع الفقهاء ..... أما امتناع التملیك، فلما بینا من قوله علیه السلام: "تصدق بأصلها، لا یباع ولا یورث ولا یوهب". (فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشیدیه)

(وكذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول في تعریفه وركنه وسببه، الخ: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

حادثہ میں یہ مدرسہ بالکل نابود ہوگیا جس کی بنا پر مدرسہ کے متولی صاحب نے یہ زمین اور مکان فروخت کردی، واقف کنندہ نے زمین خریدلی۔ اس کے بعد مدرسہ کی دوسری وقف شدہ زمین کے ساتھ ساتھ سرکار کے محصول ادا نہ ہونے کی بناء پر گورنمنٹ نے یہ زمین نیلام کردی، دوسرے ایک شخص نے گورنمنٹ سے خریدی، واقف کنندہ نے اس شخص سے گفت وشنید کے بعد دوبارہ اس زمین کو حاصل کرلی۔

واقف کنندہ کے انتقال کے بعد اس زمین کے متصل مدرسہ کے مکان کی دوبارہ تعمیر ہوئی جو سرکاری زمین ہے اور اب یہ مدرسہ بھی سرکاری مدرسہ ہوگیا ہے۔ واقف کنندہ کے لڑکے نے یہ سوچ کر کہ ممکن ہے اس زمین کے عوض جو روپیہ ادا کیا گیا ہے، وہ مدرسہ کے کام میں نہیں لگا ہو، لہٰذا اس نے دوبارہ زمین کی قیمت کے اعتبار سے اتنے روپیہ مدرسہ میں خیرات کردیئے اور فی الحال لڑکا اس زمین پر اپنا مکان تیار کرا رہا ہے۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس لڑکے کے لئے مندرجہ بالا طریقہ پر اس حاصل شدہ زمین پر اپنا قبضہ رکھنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہ ہو تو کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین ایک دفعہ صحیح طریقہ پر وقف ہوجائے تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں (۱)، لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہاں اپنا ذاتی مکان نہ بنائے، بلکہ اس زمین کو کرایہ پر لے لے اور مکان بنالے، زمین مدرسہ کی رہے گی اور مکان اس شخص کا رہے گا، زمین کا کرایہ مدرسہ کو دیتا رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یُملک ولا یعار ولا یرهن". (الدر المختار). قال ابن عابدین: "(قوله: لا یملک) أی لا یکون مملوکاً لصاحبه. (ولا یُملک): أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعید)

"وعندهما: حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ علی وجه تعود منفعته إلی العباد، فیلزم، ولا یباع ولا یوهب ولا یورث". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشیدیه)

(۲) "کثر فی زماننا إجارة أرض الوقف مقیلاً ومراحاً قاصدین بذلک لزوم الأجر وإن لم تؤسسا الخیل، ولا شک فی صحة الإجارة؛ لأنها وإن لم تستأجر للزراعة وغیرها وهما منفعتان مقصودتان". (الأشباه —

وقف کی بیع بشرط اقالہ

سوال[۶۹۱۶]: مسلمانوں کے درخواست کرنے پر سرکار نے عیدگاہ کے لئے زمین صرف پانچ روپیہ شکریہ لے کر عطا کی اور اس کا قبالہ بھی عطا کیا، چنانچہ اس عیدگاہ کی زمین کو مسلمانوں کے عام چندہ سے ہموار کرایا گیا۔ نماز عیدین عرصہ تین سال سے اس عیدگاہ میں ادا ہورہی ہے، آج کل عموماً حسب قانون جدید ہر قبالہ میں یہ عبارت مطبوعہ درج ہوتی ہے کہ بکار رفاہِ عام سرکار جب چاہیں گے واپس لے لیں گے۔

بطور حاشیہ دوسرے مقام پر بسلسلۂ ہدایات سرکاری حکام کو ہدایت کی ہے کہ اگر عبادت گاہ تعمیر شدہ سدراہ ہو تو تا امکان اس کا خیال رکھا جائے اور اس فرقہ کے لوگوں کا دل دُکھا کر تبرا نہ لی جائے اور صورت مسئولہ میں صرف زمین ہموار کردہ ہے، بسلسلۂ نظام اس کے قریب آبادی ہوجانے کی وجہ سے مسان بھومی(۱) یا مرگھٹ قدیم اٹھایا(۲) جاکر خاص عیدگاہ مذکور کی زمین میں منتقل کیا گیا ہے اور منتقل کرنے سے سال بھر ہوا کہ سرکاری گزٹ میں اعلان بھی شائع ہوا تھا کہ اگر کسی کو کچھ (عذر) ہو تو ظاہر کرے اور صرف پندرہ دن کی میعاد دی گئی تھی۔ چند آدمیوں کو علم ہوا، انہوں نے عذر داری کی درخواست دی مگر ایک نہ چلی۔

اور یہ عیدگاہ مذکورہ اہل حدیث صاحبان کی ہے اور ان میں سے چند معزز حضرات اور ان کے مولوی

= رد المحتار، کتاب الوقف، الفصل الثانی: ۴/۴۱۱-۴۱۲، (رقم القاعدة ۱۲۵۹)، (إدارة القرآن کراچی)

"الحجر القديم دار الوقف بعوض، جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. قال بعض المشايخ: إنما يجوز في الوقف ما تعارفه الناس إجرة من العروض في الإجارات". (الفتاوى الغياثية، كتاب الوقف، فصل في التصرف في الوقف من المتولي والقيم، ص: ۱۳۵، مكتبه اسلاميه كوئٹه)

(۱) "قبالہ: بیع نامہ، ہبہ نامہ، جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، مکان کا شجرہ یا سند"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴۰، فیروز سنز لاہور)

"مسان بھومی: بھومی، زمین، دھرتی، دنیا، جگہ، مقام، ملک، ولایت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) "مرگھٹ: مسان، شمشان، ہندوؤں کے مردے جلانے کی جگہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز لاہور)

صاحبان نے اپنی منشاء کے موافق عیدگاہ کی زمین کے بدلے میں دوسری زمین بیچا اور روپیہ لینا جائز بتلا کر عیدگاہ کی زمین سرکار کو دیدیا، اب قریب تیس روز ہوئے کہ خاص عیدگاہ کی زمین میں اور اس کے مشرقی اور شمالی جانب مرگھٹ بن گئے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ چنانچہ حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱۔۔۔ ہر چند بیعنامہ کی مطبوعہ شرط واپسی سے اگر مشتری کی ملک نہیں تو رہن کی صورت ہے یا نہیں؟

۲۔۔۔ ہر چند بیعنامہ کی مطبوعہ شرط واپسی بعد البیع عند الشرع باطل اور بیع وقف ہے یا نہیں؟

۳۔۔۔ سب وقف مسلمان سکوت کرنے والے اور کوشش نہیں کرنے والے عیدگاہ فروشی کے گناہ میں داخل ہیں یا نہیں؟

۴۔۔۔ اب اگر عیدگاہ کی خاص زمین سے بڑی مشکل اور جانفشانی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مرگھٹ جائیگا تو یہ صورت ہوگی کہ عیدگاہ کے مشرقی و شمالی مرگھٹ رہیں گے۔ اور ایک جانب شاہراہ قدیم گزرگاہ ہندو مسلم ہر دو کے ایک ہے، اس لئے ہر دو فریق کا اجتماع و تصادم بہت ممکن ہے۔ اور سوختگی مردگان کے ہوائی اثرات قرب وجوار داخل مرگھٹ کے گرد بنا کرے یا بصورت کھلے مصلی ہونے تمام سمتی پر مردہ جلانا یہ سب صورتیں ممکن ہیں۔

۵۔۔۔ تمام مسلمان باخبر وبے خبر سکوت میں ہیں اور اب اپنی جماعت میں سے بھی چند آدمیوں کا کوشش کرنے کا ارادہ ہے، اس لئے عرض ہے کہ آیا ہم پر کوشش کرنا ضروری ہے تو حتی الامکان کوشش کریں ورنہ چپ رہیں۔ حالات حاضرہ پر توجہ تام فرما کر بروئے احکام شرعیہ مطہرہ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے کہ بصورت موجودہ ہم مسلمانوں کو کونسی صورت اختیار کرنی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔۔۔ یہ شرط مفسد بیع ہے اور بیع فاسد کا فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن جب مشتری بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرتا ہے تو اس شئی پر ملکیت مشتری ثابت ہوجاتی ہے اور اس بیع کو اگر مشتری باقاعدہ وقف کردے تو شرعاً وہ وقف صحیح ہوجاتا ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "بيع الوفاء صورته: أن يبيعه العين بألف على أنه إذا رد عليه الثمن رد عليه العين. ثم إن ذكر الفسخ فيه أو قبله أو زعماه غير لازم،

کان بیعاً فاسداً، اھ"۔ درمختار مختصراً: ۴/۳۴۲(۱)۔

"ولو قبض المبیع بیعاً فاسداً بإذن بائعہ ملکہ، ولکل منہما فسخہ قبل القبض، وبعدہ مادام فی ملک المشتری، اھ"۔ مجمع الأنہر بحذف: ۲/۶۵، ۶۶(۲)۔

"فإن باع المشتری ما اشتراہ شراءً فاسداً بیعاً صحیحاً: أی انعقد بیعہ، وکذا ینفذ لو أعتقہ بعد قبضہ أو وہبہ وسلمہ، أو رہنہ، أو أوصی بہ، أو وقفہ وقفاً صحیحاً، صح وسقط حق الفسخ، اھ"۔ ملتقی الأبحر بحذف: ۲/۶۸(۳)۔

---

(۱) (الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف: ۵/۲۶۹، ۲۷۰، سعید)

"لکل من المتعاقدین فسخ البیع الفاسد ...... غیر أنہ یشترط فی الفسخ علم العاقد الآخر لا رضاہ و لا قضاء القاضی"۔ (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، الباب السابع، الفصل الثانی فی حکم أنواع البیوع، (رقم المادۃ: ۳۷۲): ۱/۲۰۸، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"و یجب علی کل واحد منہما فسخہ قبل القبض ...... أو بعدہ ما دام المبیع فی ید المشتری"۔ (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۹۰، ۹۱، سعید)

(۲) (مجمع الأنہر، کتاب البیوع، فصل: ۳/۹۳، ۹۵، رشیدیہ)

"(و إذا قبض المشتری المبیع برضا) عبر ابن الکمال بإذن (بائعہ صریحاً أو دلالۃ) فی البیع الفاسد ...... (ملکہ)"۔ (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۸۸، ۸۹، سعید)

"والفاسد و ہو المشروع بأصلہ دون الوصف، ویفید الملک إذا اتصل بہ القبض"۔ (مجمع الأنہر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۳/۷۴، غفاریہ)

(وکذا فی شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، (رقم المادۃ: ۳۷۱): ۱/۲۰۷، ۲۰۸، الباب السابع، الفصل الثانی، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۳) (الدر المنتقی فی شرح الملتقی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۳/۷۸ - ۸۱، غفاریہ)

"(فإن باعہ): أی باع المشتری المشتری فاسداً (بیعاً صحیحاً باتاً) ...... (أو وہبہ وسلم، أو أعتقہ) ...... (بعد قبضہ) ...... (أو وقفہ) وقفاً صحیحاً؛ لأنہ استہلکہ حین وقفہ وأخرجہ عن ملکہ"۔ (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۹۲، ۹۳، سعید)

۲..... یہ صورت وقف کی نہیں، بلکہ بیع فاسد کی صورت ہے، کما مرّ فی الجواب الأول۔

۳... اگر اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے تو اس کو فروخت کرنا کسی حال میں جائز نہیں، اس کی بیع ہی درست نہیں، اس کی واپسی ضروری ہے، اس کو فروخت کرنے والے گنہگار ہیں، حتی الوسع اہل علم وفہم وار باب حل وعقد کے مشورہ کے مطابق اس کی واپسی کی کوشش ضروری ہے:

"فإذا تم ولزم، لایملك: أي لا یصیر ملکاً لصاحبه، ولایملك: أي لایقبل التملیك بغیر البیع ونحوه، لاستحالة تملیك الخارج عن ملکه". طحطاوی: ۲/۵۳۴(۱)۔

۴، ۵... اگر یہ وقف صحیح ہے جیسا کہ اس کے عیدگاہ ہونے سے ظاہر ہے تو حتی الوسع چھڑانے میں قانون داں اور تجربہ کار عالم کے مشورہ کے مطابق کوشش لازم ہے، تمام چھوٹے، یا بعض حصہ چھوٹے جتنا بھی ممکن ہو، تاکہ اغیار کے تصرف وتملک سے محفوظ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۵/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۹/۵/۵۵ھ۔

دوسری جائیداد خریدنے کے لئے موقوفہ جائیداد فروخت کرنا

سوال [۱۹۱۷]: مسجد کی جائیداد کھیت وغیرہ کو دوسری قسم کی جائیداد بنانے کے لئے فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

= (وكذا في شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۲۰۹، (رقم المادة: ۳۶۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۷۹، ۸۰، دار المعرفة بيروت)

(۱) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الوقف: ۲/۵۳۳، دار المعرفة بيروت)

"(قوله: لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء ..... (أما امتناع التمليك، فلما بيّنا) من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها، لايباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف جائیداد کی بیع درست نہیں (۱)، اس کو محفوظ رکھنا لازم ہے۔ دوسری جائیداد بنانے کے لئے دوسرا انتظام کریں، موقوفہ قیمتی جائیداد کو فروخت نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۔/۷/۱۵ھ۔

وقف کے مصارف اور اس کی بیع

سوال [۸۱۰۵]: ایصالِ ثواب کے لئے پنچکی کا باغ وقف ہے اور وصیت ہے کہ ہر سال میلاد شریف وکھانا مسکین ومسجد وغیرہ پنچکی کی آمدنی سے کیا جاوے، مگر چند مجبوری مثلاً پنچکی چوری ہوجانا، اس کی وجہ سے متولی صاحب نے پنچکی کے باغ کو بیچ دیا۔ ایسی صورت میں اس پیسہ کو ان مذکورہ کارِ خیر میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو کوئی اور صورت بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کی بیع ناجائز ہے(۲)، اس بیع کو فسخ کرکے روپیہ دے کر باغ واپس لیا جائے، اگر باغ فروخت

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، شركت علميه ملتان)

"(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالى عنه: "تصدق بأصلها، لايباع ولا يورث"". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه الخ". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالى عنه: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۲/۵، رشيديه)

=

نہیں کیا بلکہ پھل فروخت کیا ہے تو حسب قواعد شرعیہ پھل کی بیع درست ہے، اس کی قیمت کو مسکینوں کی امداد، مسجد کی مرمت اور بقر عید پر قربانی میں خرچ کیا جائے (۱)۔ میلادِ مروجہ کی جگہ دینی مواعظ کا اہتمام کیا جائے جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات وارشادات کو بیان کیا جاوے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

وقفِ مشاع مسجد کے تیل کی بیع

سوال [۱۱۱۹]: ہمارے یہاں مسجد کے نام تین نوع کا وقف ہے: نوع اول: کلی وقف، خواہ زراعت کی زمین ہو یا دوکانیں ہوں، اس کی کل آمدنی مسجد میں لگاتے ہیں۔ نوع دوم: جزئی وقف یعنی پورا کھیت نہیں، بلکہ بسوہ دو بسوہ (۲) مسجد کے نام کل کھیت اپنے قبضہ میں۔ اب نہ اس قدر قلیل کو کوئی خرید سکتا ہے اور نہ وقف کرنے والا اس کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس کی آمدنی مسجد میں دیتا ہے، صرف برائے نام وقف ہے، سو ایسی حالت میں بعض بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ نوع دوم کی وقف وقف کرنے والے کے نام فروخت کردیں اور کل آمدنی مسجد میں لگادیں۔ سو یہ درست ہے کہ نہیں؟

سوم: تیل وغیرہ کا وقف جو وقف کرنے والے نے اس نیت سے وقف کیا ہے کہ مسجد میں صرف ہو۔ اگر خرچ سے زائد ہو تو فروخت کر کے مسجد کے دوسرے کام میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲/۳۵۰، الباب الأول، رشيديه)

(۱) "وما غرس في المساجد من الأشجار المثمرة ..... وإن غرس للمسجد، لا يجوز صرفها إلا إلى مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، والمسائل التي تعود إلى الأشجار التي في المقبرة وأراضي الوقف الخ: ۲/۴۷۴، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في الأشجار: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(۲) "بسوہ: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ، تین ہاتھ کا ایک پیمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۳، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین باقاعدہ وقف کردی گئی ہو، اس کو فروخت کرنا جائز نہیں (۱) مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر وقف کردی جائے تو اس کی شرط کے مطابق عمل درست ہے (۲)۔ جس قدر حصہ اس نے وقف کیا ہے، اس کی آمدنی اس کو خود استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں صرف کرنا واجب ہے (۳) متولی اور دیگر اہلِ مسجد کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ جو تیل مسجد کی ضرورت سے زائد ہو اس کو فروخت کرکے دوسری ضروریاتِ مسجد میں صرف کرنا درست ہے (۴) بشرطیکہ تیل

---

(۱) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه الخ". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

"(قوله: ولا يملك الوقف) بإجماع الفقهاء كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله تعالى عنه: "تصدق بأصلها، لا تباع ولا تورث". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲/۳۵۰، الباب الأول، رشيديه)

(۲) "وجاز شرط الاستبدال به أرضاً أخرى حينئذ، أو شرط بيعه، ويشتري بثمنه أرضاً أخرى إذا شاء". (الدر المختار) "(قوله: وجاز الاستبدال به الخ) ... الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف الخ: ۴/۳۸۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۷۴، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع: ۲/۳۹۹، رشيديه)

(۳) "وفي الفتاوى: إذا جعل أرضاً صدقةً موقوفةً على الفقراء والمساكين، فاحتاج بعض قرابته أو احتاج الواقف، أي احتاج الواقف، لا يعطى له من تلك الغلة شيء عند الكل، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن: ۲/۳۹۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۶۳۵، إدارة القرآن كراچي)

(والبزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، السادس في الوقف على الفقراء: ۶/۲۷۷، رشيديه)

(۴) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً. وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى: يباع ذلك ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچي)

دینے والا اس پر رضامند ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۳/۹۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

آمدنی کم ہونے کی وجہ سے وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال[۶۹۰۰]: مسجد کی کچھ زمین وقف شدہ ہے، اس زمین کے قرب وجوار میں آبادی ہوگئی ہے، اب اس کی آمدنی پیسے سے کم ہونے لگی ہے۔ اب متولیانِ مسجد چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کر دیا جائے اور دوسری زمین خرید لی جائے یا تبادلہ کر لیا جائے، لیکن واقف نے اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی۔ تو اب اس کی فروختگی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین باقاعدہ مسجد کے لئے وقف ہے، آمدنی کم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع جائز نہیں، اس کو اسی طرح رکھا جائے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۳۵، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الوقف (رقم القاعدة: ۱۲۵۰): ۲/۹۶، إدارة القرآن كراچی)

"الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء؟ قيل: لا يصرف، وإنه صحيح، ولكن يشترى به مستغلاً للمسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۳، رشيدية)

(۲) "والثالث: أن لا يشترطه أيضاً، ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۵، سعيد)

آمدنی کم ہونے پر مکانِ موقوفہ کی بیع

سوال [۶۹۰۱]: ایک مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سالانہ پچاس روپیہ ہے، اگر اس زمین کو فروخت کرکے دوسری زمین خریدی جائے تو اس صورت میں سالانہ آمدنی پانچ چھ سو روپیہ ہوگی، لہذا متولی اہلِ مسجد کی رائے سے اس زمین کو فروخت کرکے دوسری زیادہ آمدنی والی زمین خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کچھ روپیہ بچا کر بنائے مسجد مذکور میں ضرورۃً لگا سکتے ہیں یا نہیں، اس حال میں کہ باقی روپیہ سے بھی سالانہ پانچ سو روپیہ آمدنی ہونے کی توقع ہے اور مقدار زمین میں بھی پہلی زمین سے زیادہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کی جاتی ہے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بعینہ یہ زمین باقی رہے اور اس کے منافع کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے (۱)، وہ زمین تجارت کے لئے نہیں دی جاتی ہے، لہذا اس کو فروخت کرنا اور زیادہ آمدنی کی زمین حاصل کرنا جائز نہیں (۲)۔ ہاں! یہ کہ موقوفہ زمین سے انتفاع ہی ختم ہوجائے تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس

— "وإن كان لا للك بل لقلة منفعته بأن يمكن أن يؤخذ بثمن الوقف ما هو خير منه مع كونه منتفعاً به، فينبغي أن لا يجوز؛ لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة أخرى، ولأنه لا موجب للتجويز؛ لأن الموجب في الأول الشرط وفي الثاني الضرورة، ولا ضرورة في هذا، إذ لا تجب الزيادة فيه بل نبقيه كما كان". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۸، مكتبة مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وبيع أرض الوقف لا يجوز، فكذلك ما كان تبعاً له". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل فيما يدخل في الوقف من غير ذكر وما لا يدخل: ۳/۳۱۰، رشيديه)

(۱) "وعندهما هو (أي الوقف) حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً، فيلزم، فلا يجوز إبطاله، ولا يورث عنه، وعليه الفتوى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۳۸، ۳۳۹، سعيد)

"وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب ولا يورث، كذا في الهداية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). قال ابن عابدين: ●

کے عوض دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ وقف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۰ھ۔

مسجد کا کوئی حصہ قوالی کے لئے خالی کرنا، یا اپنی ملک قرار دے کر عوض میں دوسری جگہ دینا

سوال[۱۰۰۲۲]: ۱..... مسجد معمورہ کا بعض حصہ اپنے ذاتی امور میں استعمال کرنا کیسا ہے، بشرطیکہ اس بعض حصہ کی شکل میں تغیر کر دیا ہو اور اس کو مسجد سے علیحدہ کر دیا ہو؟

۲..... کیا کسی صورت میں مسجد معمورہ وغیر معمورہ اپنے ذاتی امور میں مستعمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳..... مسجد کے بعض حصہ کو یا ساری مسجد کو دوسری جگہ وہاں سے ہٹا کر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

۴..... کیا زید، بکر، عمر کو یہ جائز ہے کہ مسجد کے کچھ حصہ کو اپنے ذاتی اور عرس قوالی میلاد وغیرہ مسجد کی صورت بدل کر استعمال میں لائیں اور حصہ کے عوض میں اتنی جگہ دوسری جہت سے مسجد میں داخل کر دیں؟ اور اگر یہ جائز نہیں تو یہ کرنے والے کا کیا حکم ہے، کیا ان سے پھر وہ حصہ جو مسجد کا تھا لے سکتے ہیں یا نہیں؟

= "قوله: لا يملك: أي لا يكون مملوكاً لصاحبه ولا يملّك أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه" (ردالمحتار، كتاب الوقف، ۴/۳۵۲، سعيد)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الخ" (الهداية، كتاب الوقف، ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "استثنى عنه قارئ الهداية بقوله: سئل عن وقف انهدم، ولم يكن له شيء يعمر منه ... أجاب: إن كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم ويشترى بثمنه وقف مكانه" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيديه)

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية، وكون البدل عقاراً، والمستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل". (الدر المختار) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: وشرط في البحر) ... وثم عبارات الأرض بحال لا ينتفع بها، والمتحصل أنه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به ... وهو أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير، فإنا قد شاهدنا النظار يأكلونها".

(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۶، سعيد)

۵... جو جگہ پہلے مسجد میں داخل تھی وہ اب جو اس کے عوض میں دوسری جہت میں بصورت مسجد جو جگہ ہے، اس کا کیا حکم ہے، آیا دونوں جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد کا حکم رکھیں گے یا ایک، اور وہ جگہ جو پہلے مسجد تھی یا اب جو اس کے قائم مقام ہے؟

۶... عوام مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے، کیا اس میں چشم پوشی کرنی چاہئے یا جدوجہد یعنی مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہے؟

۷... کیا مسجد بھی کسی کی ملک ہو سکتی ہے اگر کوئی اپنی ملکیت بنالے تو اس کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: جواب مفصل تحریر فرمایئے اشاعت کرنی ہے اور اس کی تحریک اٹھانی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مسجد وقف ہے اس کے کسی حصہ کو علیحدہ کرنا اور اپنے ذاتی امور میں استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے، مسجد تحت الثریٰ تک اور فوق الثریا تک اللہ کے واسطے ہوتی ہے، حق العبد اس سے منقطع ہوتا ہے، البتہ متعلقات مسجد دوکان وغیرہ میں مصالح مسجد کے ماتحت امام ومؤذن کی رہائش کی اجازت دینا شرعاً جائز ہے:

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، اهـ". تنوير. "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (ولا يعار ولا يرهن) لاقتضائهما الملك، اهـ". شامی(۱)۔

"قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾، اهـ". شامی(۲)۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۳، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله: لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء ..... أما امتناع التمليك، فلما بينا من قوله عليه الصلاة والسلام: "تصدق بأصلها، لا يباع ولا يورث ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد) . . . . –

"لو بنی فوقه بیتاً للإمام لا یضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع. ولو قال: عنیت ذلك، لم یصدق، تاتارخانیة. فإذا كان هذا في الواقف فكیف بغیره، فیجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولا یجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن یجعل شیئاً منه مستغلاً ولا سکنیٰ، بزازیة، اھ". درمختار(۱)۔

۲... نہیں(۲)۔

۳... اگر پہلی مسجد غیر آباد ہو جائے اور دوسری جگہ مسجد تعمیر کی جائے تو پہلی مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا درست ہے، ورنہ نہیں(۳)۔

---

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن یكون سفله وعلوه مسجداً، لینقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]، بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه یجوز، إذ لا ملك فیه لأحد، بل هو من تتمیم مصالح المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشیدیه)

(وكذا في فتح القدیر، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

"واعلم أنه لو بنى بیتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لا یضر في كونه مسجداً، لأنه من المصالح. فإن قلت: لو جعل مسجداً، ثم أراد أن یبني فوقه بیتاً للإمام أو غیره، هل له ذلك؟ قلت: قال في التاتارخانیة: إذا بنى مسجداً وبنى غرفة، وهو في یده، فله ذلك ... فإذا كان هذا في الواقف فكیف بغیره، فمن بنى بیتاً على جدار المسجد، وجب هدمه. ولا یجوز أخذ الأجرة. وفي البزازیة: ولا یجوز للقیم أن یجعل شیئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشیدیه)

(۳) "وأما المسجد فلیس له أن یرجع فیه ولا یبیعه ولا یورث عنه، لأن الوقف اجتمع فیه معنیان: الحبس والصدقة". (حاشیة الشیخ چلپی على فتح القدیر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(...) "ونقل في الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن یصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (الدر المختار،

۴… ان کے لئے ایسا کرنا قطعاً ناجائز ہے، ان سے زیرِ بحث مسجد کا وہ حصہ واپس لیا جائے گا۔

۵… جو جگہ پہلے سے مسجد تھی وہ تو بہر صورت مسجد ہے(۱) اور جو دوسری جگہ دی ہے، اگر اس کو وقف کر کے مسجد بنا دیا تو وہ مسجد بن گئی ورنہ مسجد نہیں بنی(۲)۔

۶… مسجد کی واپسی کے لئے اربابِ بصیرت کے مشورہ کے مطابق مناسب طریقہ پر جد وجہد کریں۔

۷… مسجد اللہ کے لئے ہوتی ہے، کسی کی ملک نہیں ہو سکتی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کے وقف مکان کی بیع

سوال[۶۹۲۳]: ایک متولی صاحب نے مسجد کا وقف مکان کسی شخص کو بغیر وقف بورڈ سے اجازت لے کر فروخت کر دیا، اس کا کیا حکم ہے؟ فقط۔

كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(۲) "ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل، وبقوله: جعلته مسجداً عند الثاني". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: لو وقف كل نصف على حدة، صار وقفين: ۴/۳۵۵، ۳۵۶، سعيد)

(۳) "وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب ولا يورث". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه وركنه الخ: ۲/۳۵۰، رشيدية)

گاؤں کے لوگوں کا دوسری جگہ کو مسجد کے لئے زیادہ مناسب سمجھنا کافی نہیں۔ وصیت کردہ زمین میں مسجد بننے میں تنگی ہو یا کوئی شرعی مانع ہو تو اس کو مفصل لکھ کر دریافت کرلیں: "شرط الواقف کنص الشارع، اھ"(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۳ھ۔

مسجد آباد کو توڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال[۶۹۲۵]: مسجد آباد کو توڑ کر عیدگاہ بنانا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آباد مسجد کو جس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو توڑ کر صرف عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ بنانا جائز نہیں ہے، خصوصاً جب کہ عیدگاہ پہلے سے موجود بھی ہو، اولاً اس لئے کہ وہ مسجد کی ویرانی اور تعطل کا سبب ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾(۲)۔

ثانیاً اس لئے کہ اس مسجد کی حرمت ساقط ہوتی ہے، کیونکہ شرعاً جو احترام مسجد کا ہے وہ عیدگاہ کا نہیں ہے:

"وأما المسجد لصلاة العيد، فالمختار أنه مسجد في حق جواز الاقتداء، وإن انفصلت الصفوف، وفيما عدا ذلك فلا، رفقاً بالناس، خلاصة". عالمگیری(۳)۔

= المسئلة على الأصح المختار". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعيد)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ: ۲/۴۵۶، رشيديه) =

نیز یہ کہ مسجد اگر آبادی میں ہے تو اس کو عیدگاہ بنانے سے بلا عذر سنت (خروج إلی الجبانۃ) کا ترک لازم آتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

صحیح: عبد اللطیف، عبد الرحمن عفی عنہ، ۱۳/۱/۵۲ھ۔

مسجد کو عیدگاہ بنانا

سوال[۶۹۲۶]: ایک گاؤں میں ایک مسجد تھی، اہلِ محلّہ نے مشورہ کرکے اس کو دوسری جگہ بنائی، اب وہ لوگ چاہتے ہیں کہ پکی مسجد کی جگہ چاروں طرف سے ملا کر عیدگاہ بنالیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پکی مسجد کی جگہ کے ساتھ اور کچھ ملا کر عیدگاہ بنائی جائے تو اس میں بلا کراہت عید کی نماز جائز ہوگی یا مع کراہت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام پر عید کی نماز جائز ہے، وہاں عید کی نماز مسجد میں بھی جائز ہے اور عیدگاہ میں بھی جائز ہے، لیکن اگر عذر قوی نہ ہو تو عیدگاہ میں جاکر پڑھنا سنت ہے یعنی: اپنی آبادی اور دیگر ضروریات بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہے جس کی آبادی کم از کم تین ہزار ہو تو وہاں مسجد اور عیدگاہ دونوں جگہ عید کی نماز درست ہے۔

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴۲۲/۴، رشيديه)

"أما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد، فهو مسجد في جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف، رفقاً بالناس، لا في حق غيره، وبه يفتى، نهاية". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۶۵۷/۱، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً أو سقاية أو مقبرة: ۳۰۲/۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۵/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(قوله: سنة) فلو لم يتوجه إليها (أي الجبانة) فقد ترك السنة". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب العيدين: ۳۵۳/۱، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الدر المختار، باب العيدين: ۱۶۹/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱۵۰/۱، رشيديه)

بأوصاف المظلوم من انتفاء حشمته وعلمه أو علم غيره، والناس يرجعون إليه في الحوادث. قال في البدائع: وهو الأصح، اهـ". بحر: ۲/۱۴۱(۱)۔

"وفي القنية: صلوة العيد في القرى تكره تحريماً، اهـ". درمختار، ص: ۱۶۸/۲(۲)۔

"الخروج إلى المصلى -وهو الجبانة- سنة وإن كان يسع الجامع، وعليه عامة المشائخ؛ لما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يخرج يوم الفطر ويوم الأضحى إلى المصلى، فإن ضعف القوم عن الخروج، أمر الإمام من يصلي بهم في المسجد، روي ذلك عن علي رضي الله تعالى عنه. وفي جامع الفقه وعمدة المصلي والذخيرة: يجوز إقامتها في المصر وفنائه في موضعين فأكثر، اهـ". كبيرى، ص: ۵۲۹(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۱/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ذی القعدہ/۵۵ھ۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۳۵، ۲۳۶، رشيديه)

"ثم روى ابن أبي شيبة عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه أنه قال: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة". وصححه ابن حزم في المحلى" (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۵۰، سهيل اكيدمي، لاهور)

(۲) (الدر المختار، باب العيدين: ۲/۱۶۸، سعيد)

(۳) (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، ص: ۵۷۱، ۵۷۲، سهيل اكيدمي لاهور)

"والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد وإن كان يسعهم الجامع عند عامة المشائخ، هو الصحيح، اهـ" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في صلاة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيديه)

"ومنها: أنه يستحب للإمام إذا خرج إلى الجبانة لصلاة العيد أن يستخلف رجلاً يصلي لأصحاب العلل في المصر صلاة العيد. لما روي عن علي رضي الله تعالى عنه أنه لما قدم الكوفة، استخلف أبا موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه ليصلي بالضعفة صلاة العيد في المسجد، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخاً يمشي ويمشون، ولأن في هذا إعانة للضعفة على إحراز الثواب، فكان حسناً. وإن لم –

مسجد کی زمین پر عیدگاہ

سوال[۷۰۰۱]: مسجد کی زمین کے تھوڑے سے حصے پر عیدگاہ بنالینا کیسا ہے؟ اگر تیار ہوچکی ہو تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں پر کھیتی وغیرہ موجود نہ ہو تو نماز عید پڑھ لینا درست ہے(۱)، لیکن اس کی آمدنی کو ختم کر کے مستقل

= یفعل لا بأس بذلک، لأنہ لم ینقل ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و لا عن الخلفاء الراشدین سوی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ". (منائح الصنائع، کتاب الصلاۃ، ما یستحب یوم العید: ۲/۲۲۵، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، الفصل الرابع والعشرون فی صلاۃ العیدین: ۱/۲۱۳، ۲۱۴، رشیدیہ)

(۱) عیدگاہ کا شہر سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز عموماً باہر ادا فرماتے تھے، لیکن بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرماتے تھے، اس لئے اصل حکم یہی ہے کہ عید کی نماز باہر ادا کی جائے:

"عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ أصابہم مطر فی یوم عید، فصلی بہم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوۃ العید فی المسجد". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب یصلی الناس فی المسجد إذا کان یوم مطر: ۱/۱۶۷، رحمانیہ لاہور)

قال العلامۃ خلیل أحمد سہارنفوری رحمہ اللہ تعالیٰ: "قال ابن الملک: یعنی کان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی صلوۃ العید فی الصحراء إلا إذا أصابہم مطر، فیصلی فی المسجد، فالأفضل أداؤہا فی الصحراء فی سائر البلدان . . . وقد اختلف: ہل الأفضل فعل صلوۃ العید فی المسجد أو الجبانۃ؟ فذہب العترۃ ومالک رحمہ اللہ تعالیٰ إلی أن الخروج إلی الجبانۃ أفضل، واستدلوا علی ذلک بما ثبت من مواظبتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الخروج إلی الصحراء". (بذل المجہود، کتاب الصلوۃ، باب یصلی الناس فی المسجد إذا کان یوم مطر: ۲/۱۲۴، مکتبہ امدادیہ لاہور)

تاہم بوقت ضرورت مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا بلاکراہت درست ہے، تو چونکہ مسجد کے لئے وقف ہے اس میں عید کی نماز پڑھ لینا بطریق اولیٰ درست ہے۔

"الخروج إلی الجبانۃ فی صلوۃ العید سنۃ، وإن کان یسعہم المسجد الجامع، علی ہذا عامۃ =

عیدگاہ بنانا منشائے واقف کے خلاف ہے، اس کی اجازت نہیں (۱)، اس کو ذریعۂ آمدنی ہی بنایا جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۹۵ھ۔

=المشايخ، وهو الصحيح، هكذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين: ۱/۱۵۰، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: كتاب الصلوة، باب صلوة العيدين: ۱/۱۸۳، رشيدية)

"ثم خروجه ماشياً إلى الجبانة وهي المصلى العام، والواجب مطلق التوجه، والخروج إليها أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح". (الدر المختار) "(قوله: والواجب مطلق التوجه) أي لا التوجه المترتب على ما ذكر ... (قوله: هو الصحيح) قال في الظهيرية: وقال بعضهم: ليس بسنة، وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام، والصحيح هو الأول اهـ".

وفي الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلوة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق". (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة وبالعكس: ۲/۱۶۹، سعيد)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب يصلي بالناس في المسجد إذا كان يوم مطر: ۲/۳۰، مكتبه امداديه ملتان)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني الفوائد: ۲/۱۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى الانقروية، كتاب الوقف، المسائل عمارة الوقف وفي البناء الخ: ۱/۲۲۴، دار الإشاعة العربية قندهار افغانستان)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً ويؤاجرها". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى =

مسجد یا مدرسہ کی وقف شدہ زمین میں اسکول یا قبرستان بنانا

سوال [۶۹۲۸]: ۱... ایک متقی شخص نے اپنی مقبوضہ ومملوکہ ایک قطعہ زمین بنائے مسجد اور اس کے صحن کے لئے خصوصی طور پر زبانی ہبہ کردیا تھا، چنانچہ بناءً علیہ اس کے کچھ حصہ پر اس کی عین حیات میں ایک جامع مسجد بنائی گئی، اور باقی حصہ اسی وقت سے جو تقریباً سال کا عرصہ ہے بطور صحن مسجد متصرف و مستعمل ہے۔ اب واجب الاستفتاء یہ ہے کہ اسی صحن کو اس کی وفات کے بعد کسی سرکاری اسکول کی بقاء وتحفظ کی خاطر سے اس کے لوازمات میں شمار کرکے ضلع بورڈ میں گورنمنٹ کے نام پر ہبہ کردینا یا متولی یا مصلیوں کے واسطے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲... اسی شخص مذکور کی مذکورہ قطعہ زمین کا بعض حصہ جو مسجد مذکورہ کے متصل جنوبی جانب پر واقع ہے، وہ اپنی حیات میں ایک دینی درسگاہ کی بناء کیلئے خصوصی اجازت اس کے بارے میں عطا فرمائی، چنانچہ اس بناء پر وہاں ایک خاص مذہبی تعلیم گاہ عرصہ دس سال تک قائم رہی مگر بعد کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگئی، اب وہ جگہ بالکل خالی پڑی ہے۔

واضح رہے کہ بند ہونے درسگاہ سے قبل اسی شخص نے زمین سے وہاں ایک مقبرہ بنانے کے واسطے سفارش کی تھی، مگر انہوں نے مدرسہ کی محبت میں محو ہوکر مقبرہ بنانے سے صریح انکار کردیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل محلہ کے بعض کا ارادہ ہے کہ مالک مرحوم کے حسب اجازت سابق قدیم طور پر دوبارہ مذہبی مدرسہ قائم کردیا جائے اور بعض کی کوشش ہے کہ وہاں مقبرہ تیار کرلیں۔ شرعاً دونوں فریق میں مصیب کون سا ہے؟

۳... ابتداء سے جو درسگاہ دینی ومذہبی حیثیت سے ہوکر سالہا سال جاری رکھی گئی اور بعدہ دیندار مسلمین نے بھی صدقہ جاریہ سمجھ کر اس کی امداد واعانت کی تھی اور فی الحال اس کے معاونین بقید حیات موجود ہیں اور ان کے نام ومقام معلوم ہے جس سے ان کے عطایا کے متعلق تجدیدی اجازت ممکن ہے اور شرعاً یہی نیت مقصود ہے۔ اب اس کو سرکاری سکول قرار دینا۔ جس میں برائے نام بھی مذہبی تعلیم و دینی تعلیم کو کوئی قانونی

- العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

انتظامیہ میں ممبران اراکین کو شرعاً استحقاق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ناجائز ہے، جس کام کیلئے واقف نے وہ قطعہ زمین وقف کیا ہے اس کے خلاف میں استعمال کرنا جائز نہیں اور اس کو اور دیگر نمازیان وغیرہ کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ واقف کی غرض کے خلاف کسی دوسرے کام میں اس وقف کو صرف کریں یا منتقل کریں: "نص الواقف کنص الشارع"(۱)۔

۲..... جبکہ واقف نے اپنی زندگی میں جس جگہ قبرستان بنانے کی صراحۃً ممانعت کر چکا ہے اور دینی درسگاہ کے لئے مخصوص کر چکا ہے اب کسی کو اس جگہ قبرستان بنانے کا حق حاصل نہیں، دینی درسگاہ بنانا عین منشائے واقف ہے(۲)۔

۳..... جو عمارت دینی تعلیم وتربیت کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں ان کو کسی دوسرے مصرف پر صرف کرنا خواہ وہ سرکاری تعلیم ہو یا اور کوئی شئی ہو ہرگز ہرگز جائز نہیں، متولی کو اس کا حق ہے نہ کسی اور کو(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "الفقہ: نص أبو عبد الله الدمشقي في كتاب الوقف عن شيخه شيخ الإسلام قول الفقهاء: نصوصه كنصوص الشارع" (مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، غفاریہ کوئٹہ)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة اهـ" (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعید)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين الخ: ۴/۴۴۵، سعید)

"فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء الخ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب شرائط الواقف معتبرة الخ: ۴/۳۴۳، سعید)

(۳) "قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر

مسجد کی وقف زمین میں مدرسہ بنانا

سوال [۷۰۰۱]: ایک شخص نے ایک مکان مسجد کے نام وقف بذریعہ عدالت کر دیا تھا جس کو تقریباً ۲۰/ یا ۲۲/ سال گذر چکے ہیں، اس وقت انتظامیہ کمیٹی اور مسجد کے چند ممبران نے بلا کسی مشورے کے اس مکان سے کرایہ دار کو بذریعہ عدالت نکال دیا اور وہاں مدرسہ تعمیر کرنے لگے اور جو کچھ مسجد کی آمدنی تھی وہ ختم ہوگئی۔ تحریر کریں کہ جائز ہے یا ناجائز شرعاً طریقہ سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے وقف شدہ مکان پر مدرسہ تعمیر کر کے مسجد کی آمدنی ختم کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۹۰ھ۔

جائے نماز مسجد میں دینے کے بعد ملکیت ختم ہوگئی

سوال [۷۰۰۲]: ایک شخص نے جائے نماز خرید کر مسجد میں دے دی، کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میری

---

(۱) ...للاستغلال، فلا یصرف أحدهما للآخر، وهي واقعة الفتوى. اهـ" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

"والوكيل إنما يستفيد التصرف من الموكل، وقد أمره بالدفع إلى فلان، فلا يملك الدفع إلى غيره". (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۹، سعيد)

وأيضاً: "إن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۴/۳۴۳، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، فيجب عليه"

(الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الاختيار لتعليل المختار، كتاب الوقف، الفصل الثاني الموقف: ۳/۴۶، إدارة القرآن كراچی)

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناءً ووقفها على تلك الجهة، يجوز بلا خلاف تبعاً لها، فإن وقفها على جهة أخرى، اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يجوز، كذا في الغياثية"

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه وما لا يجوز، الخ: ۲/۳۶۲، رشيدية)

ملکیت ہے، میں گھر میں رکھوں گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب اس کو بیچنے کا حق نہیں رہا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/ ۶۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "فإذا تم ولزم، لایملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن". (الدر المختار). قال ابن عابدین: "(قوله: لا یملک) أی لا یکون مملوکاً لصاحبه (ولا یملک) أی لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ، لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۳۵۲/۴ سعید)

"وعندھما: حبس العین علیٰ حکم ملک اللہ تعالیٰ علیٰ وجه تعود منفعته إلی العباد، فیلزم، ولا یباع ولا یوھب ولا یورث". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشیدیه)

باب ولایۃ الوقف

(تولیتِ وقف کا بیان)

متولی کے فرائض

سوال [۱۱۲۱]: متولی صاحب کے لئے کن امور کا انجام دینا ضروری ہے؟ براہِ کرم تفصیل کے ساتھ جواب جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا، مسجد میں غلط کام نہ ہونے دینا، نمازیوں اور امام کی حسبِ حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا، ہر ایک کا اس کی شان کے موافق شرعی اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدہ کا طالب نہ ہونا، احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا۔ یہ اوصاف جس متولی میں ہوں وہ قابلِ قدر ہے، اس کو علیحدہ نہ کیا جائے، جس متولی میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے کی سعی کرے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به، ويستوي فيه الذكر والأنثى ... وقالوا: لا يعطى له، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد، والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۹، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في =

متولی کے اختیارات

سوال [۶۹۳۲]: متولی کے کیا اختیارات ہیں؟ عوام کی رائے ومشورہ کے بغیر وہ کوئی تصرف کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کام مصالحِ وقف کے موافق اور احکامِ شرع کے مطابق ہوں متولی کرسکتا ہے، جو اس کے خلاف ہوں اس پر اعتراض کا حق ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

متولی کے معزول کرنے کے اسباب

سوال [۶۹۳۳]: متولی کا عزل کن وجوہ سے ہوسکتا ہے اور عزل کا اختیار عوام میں سے کس کو ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصالحِ وقف کی رعایت نہ رکھنے اور خلافِ شرع عمل کرنے کی وجہ سے وہ مستحق عزل ہوتا ہے بعد تحقیق جماعتِ منتظمہ خود، یا کسی وقف بورڈ، یا حکومت کے ذریعہ سے اس کو معزول کرایا جاسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۷ھ۔

= الأوقاف، ليغ: ۲۰۸/۲، رشیدیہ)

"نعم و يتصرف القيم في الوقف بما فيه من النفع للوقف". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۲۰۹/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(۱) "نعم لأن للناظر التصرف في الوقف بما فيه الحظ والمصلحة، وحيث عرض المتولي المشروط له". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام الناظر: ۲۲۴/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد) ....

تولیت وقف کی تعیین

سوال[۶۰۳۴]: ۱..... میں اپنی جائیداد جو اس کاغذ میں لکھی ہے وقف کرتی ہوں۔

۲..... مقرہ تاحیات خود متولیہ جائیداد موقوفہ کی رہے گی اور اس کا اہتمام و انتظام حسب وقف ہذا کرتی رہے گی اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کرے گی جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔

۳..... بعد وفات مقرہ کے میرے شوہر خوش وقت جلیل احمد خان صاحب اس جائیداد موقوفہ کے متولی رہیں گے اور اہتمام و انتظام جائیداد موقوفہ کا کرتے رہیں گے اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان مصارف میں سے کسی مصرف میں صرف کریں گے جو مصارف وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔ بعد وفات میرے شوہر خوش وقت جلیل احمد خان صاحب کے مقرہ کی اولاد میں جو از قسم ذکور سب سے عمر میں بڑا اور متدین میں زیادہ ہوگا، وہ متولی ہوگا اور اہتمام جائیداد موقوفہ حسب وقف ہذا کرتے رہیں گے اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کریں گے جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں، اسی طرح سلسلۂ تولیت نسلاً بعد نسل چلا جائے گا۔

۴..... خدا تعالیٰ نخواستہ اگر جو سب سے بڑا متدین میں زیادہ ہو فوت ہو جائے تو پھر میری اولاد میں سے جو از قسم ذکور اس سے چھوٹا ہوگا، وہ متولی رہے گا اور اہتمام جائیداد موقوفہ کرتا رہے گا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض میں صرف کرے گا جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔ اگر خدا نخواستہ میری اولاد ذکور میں سے کوئی نہ رہے تو پھر سلسلۂ تولیت مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ میری اولاد از قسم اناث میں منتقل ہو جائے گا اور رہے گا، جو میری اولاد اناث میں سے جو سب سے بڑی ہوگی، وہ متولیہ ہوگی اس کے بعد اس سے چھوٹی..... اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل، بطناً بعد بطن چلا جائے گا۔

= "وصرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف في نصب المتولي وما يملكه أولاً: ۶/۲۵۳، رشيديه)

"وفي الجواهر: القيم إذا لم يراع الوقف، يعزله القاضي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما يعزل به الناظر: ۴/۳۸۹، سعيد)

"فاستفيد منه أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل، وليقس ما لم يقل".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۲، رشيديه)

اور جب کہ میرے بعد شوہر بھی فوت ہو جائیں اور میری اولاد ذکور واناث اور میری اولاد کے سلسلہ ذکور واناث میں سے بھی کوئی باقی نہ رہے تو پھر میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد کے سلسلہ میں سے ذکور، ولت سب سے بڑا اور متدین حتی الامکان حسب از قسم ذکور ہوگا وہ متولی ہوگا، اس کے بعد اس سے چھوٹا از قسم ذکور ہوگا، اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ چلتا رہے گا۔ جب میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد کے سلسلے میں بھی کوئی شخص از قسم ذکور باقی نہ رہے یا زندہ ہو مگر تولیت منظور نہ کرے تو پھر خاندان شروانیان سے جو بظاہر زیادہ متدین اور اہل ہوگا وہ متولی ہوگا۔

۵ بعد ادائے مالگذاری و دیگر اخراجات ضروری متعلق تحصیل وصول و دیگر مطالبہ جات سرکاری جو منافع جائیداد موقوفہ ہوگا، اس سے دس روپے سال مندرجہ ذیل مصارف میں سے کسی مصرف میں صرف ہوتے رہیں وہ مصارف یہ ہیں:

"تبلیغ و اشاعت اسلام، و خدمات علماء و صلحاء، و مدارس دینیہ عربیہ، و اعانت امور ہر قسم متعلق مذہب اسلام، و تعمیر مساجد، و امداد بیوگان غیر مستطیع مسلمان، ویتیمی، وغیر مستطیع مسلمانان"۔

بعد منہائے ان دس کے باقی منافع جو بچے گا وہ تاحیات تک میں اپنے صرف میں لاؤں گی اور بعد انتقال میرے شوہر فرخ شوکت جمیل احمد خان صاحب اپنے صرف میں لائیں گے اور میرے شوہر کے انتقال کے بعد میری اولاد کو حسب حصص شرعی تحت قاعدہ (للذکر مثل حظ الانثیین) تقسیم کی جایا کرے گی اور یہ سلسلہ تقسیم کا میری اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ جاری رہے گا۔

میرے اور میرے شوہر کے بعد جب میری اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد اور اولاد در اولاد ذکور کے سلسلہ میں سے کوئی باقی نہ رہے تو پھر بعد ادائے مالگذاری و دیگر اخراجات ضروری متعلق تحصیل ضروری و دیگر مطالبہ جات سرکاری جو منافع جائیداد مذکورہ بالا کا بچے گا اس میں سے بجائے دس کے تین سو روپے سال مصارف مذکورہ بالا مندرجہ وقف نامہ ہذا میں سے کسی مصرف میں صرف ہوا کریں گے اور باقی منافع میرے ان ورثاء کو حصہ شرعی دیا جائے گا جو ورثاء میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد میں سے ہوں، خواہ وہ از قسم ذکور ہوں یا اناث۔

اور جب میرے ایسے ورثاء بھی جو میرے والد احمد سعید خان صاحب کی اولاد میں سے ہوں باقی نہ رہیں تو بعد ادائے مالگذاری ودیگر اخراجات ضروری متعلق تحصیل وصول ودیگر مطالبات سرکاری جو متعلقہ جائیداد موقوفہ کا ہوگا، اس میں سے مبلغ ۵۰ سو روپے سالانہ مصارف خیر مذکورہ بالا وقف نامہ ہذا میں سے کسی مصرف میں صرف ہوا کریں گے اور باقی منافع جو بچے گا وہ متولی کو بطور حق الخدمت دیا جائے گا۔

۹... اور مجھ کو ان قواعد وقف نامہ ہذا کے تبدیل تغیر وترمیم کا ہر وقت اختیار رہے گا۔ مگر وہ ترمیم اگر رجسٹری شدہ ہوگی تو معتبر و قابل عمل ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحت وقف کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے متولی کی بھی ہمیشہ کے لئے تعیین کر دی جائے، بلکہ اگر کسی کو بھی متولی مقرر نہ کرے تب بھی مفتی بہ قول کے موافق وقف صحیح ہو جاتا ہے (۱):

"لو وقف رجل أرضاً له، ولم يشترط الولاية لنفسه ولا لغيره، ذكر هلال والناطفي: أن الولاية تكون للواقف. وذكر محمد رحمه الله تعالى عليه في السير الكبير: أنه إذا وقف ضيعة وأخرجها إلى القيم، لاتكون له الولاية بعد ذلك، إلا أن يشترط لنفسه. وهذه المسئلة مبنية على ما تقدم من أن التسليم شرط عند محمد رحمه الله تعالى، فلا تبقى له ولاية إلا بالشرط منه له، وليس بشرط عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، فتكون الولاية له من غير شرط لنفسه، وبه أخذ مشايخ بلخ. ولو شرط أن تكون الولاية له ولأولاده في الولية القود وعزلهم والاستبدال بالوقف وفي كل ما هو من جنس الولاية وسلمه إلى المتولي، جاز ذلك". إسعاف (۲)۔

(۱) "وإذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، وقول الأئمة الثلاثة، وهو قول أكثر أهل العلم، وعلى هذا مشايخ بلخ. وفي المنية: وعليه الفتوى كذا في فتح القدير، وعليه الفتوى كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه، الخ: ۳۵۱/۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۲/۶، ۲۰۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: يزول ملكه بمجرد القول". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۳۷/۲، شركت علميه ملتان)

(۲) لم أجده

البتہ "خانیہ" میں یہ مسئلہ موجود ہے جیسا کہ آ رہا ہے:

اور بھی کوئی شرط وقف نامہ میں خلاف شرع معلوم نہیں ہوئی، لہٰذا یہ وقف نامہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

تولیت کے متعلق جو کچھ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، صحیح ہے، باقی اور دفعات میں اکثر جگہ اجمال ہے۔ جس جگہ رقم مقرر کی گئی ہے اگر بجائے اس کے آمدنی کا حصہ رکھ جائے تو اچھا ہے، اسی طرح متولی کے لئے دفعہ نمبر ۱۵ کے آخر میں "جو کچھ بچے، وہ حق الخدمت تجویز کیا گیا ہے" یہاں بھی تعیین ہونی چاہئے۔

تولیت کے شقوق میں گو تفصیل کی گئی ہے مگر پھر بھی ابہام اور اجمال باقی ہے، نمبر: ۱ میں "وقف کرتی ہوں" کے بجائے "میں نے جائیداد مندرجہ ذیل کو مصارف ذیل بشرائط ذیل وقف کردیا" ہو تو مناسب ہے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

متولیٔ وقف کیسا ہونا چاہئے؟

سوال [۶۹۲۵]: ۱..... تولیت مسجد کے لئے متشرع ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ مسلمان متدین موجود ہو تو اس کو چھوڑ کر تاحق جو غیر متدین ہو اس کو متولی بنانا کیسا ہے؟

۲.. متولیٔ مسجد کس درجہ کا مسلمان ہونا چاہئے؟

۳.. اگر واقف جائیداد کو خود ہی متولی قرار دیا جائے تو کیسا ہے؟

= "رجل وقف أرضاً على جهة ولم يشترط الولاية لنفسه ولا لغيره، ذكر هلال والناطفي رحمه الله تعالى: أن الولاية يكون للواقف. وذكر محمد رحمه الله تعالى في السير: أنه إذا وقف ضيعة وأخرجها إلى القيم، لا تكون له الولاية بعد ذلك، إلا أن يشترط الولاية لنفسه". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، إلخ ۳/۲۹۵، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي ومن يملكه أولاً: ۶/۲۵۲، ۲۵۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے جو امین ہو (خائن نہ ہو)، قادر ہو (عاجز نہ ہو)، انتظامِ وقف کی اہلیت اور اس سے دلچسپی رکھتا ہو، اس کو باوجود ... یا ابتداءً کسی فاسق غیر متدین کو متولی بنانا گناہ ہے:

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به". بحر (۱)۔

۲... اس کا جواب نمبر ۱ سے واضح ہے۔

۳... درست ہے: "وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية إليه صح، فلو شرط عند الإيقاف ذلك اعتبر شرطه". بحر (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیے؟

سوال[۱۰۳۲]: مہذب حسین ولد محمد حسن متولی مسجد ہونے کا خواہش مند ہے۔ مہذب حسین کی

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف الخ: ۲/۴۰۸، رشيدية)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيدية)

"جعل الواقف الولاية لنفسه، جاز بالإجماع، وكذا لو لم يشترط لأحد، فالولاية له عند الثاني، وهو ظاهر المذهب". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۸۵، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف و تصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۵، رشيدية)

والدہ بے نکاحی بی محمد حسن کے نکاح میں تھی جس سے مہذب حسین پیدا ہوا تھا۔ مہذب حسین کے پاس جو بیوی ہے وہ بھی بے نکاحی ہے، وہ ولی محمد کی بیوی ہے، ولی محمد سے دو بچے بھی ہیں، ولی محمد نے طلاق بھی نہیں دی ہے۔ دفعہ نمبر ۳۵۴ کے تحت مہذب حسین پر مقدمہ بھی چل رہا ہے، ایک غیر مسلم کے گھر چوری کی اور اس کی بیوی کی آبروریزی بھی کی، مسجد کا پیش امام ہونے کا اپنے کو اہل بتاتا ہے۔ کیا یہ متولی بنایا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا متولی ایسے آدمی کو تجویز کیا جائے جو دیانت دار ہو، مسجد کو آباد رکھنے کا انتظام کرسکتا ہو، آمد وخرچ کا حساب صحیح صحیح رکھ سکتا ہو(۱)۔ سوال میں جو اوصاف مذکور ہیں ان کے پیش نظر شخص مذکور کو مسجد کا متولی ہرگز نہ بنایا جائے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۲ھ۔

متولی مسجد اگر غافل یا خائن ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۷۱۹۳]: اگر کسی مسجد کے متولیان ومنتظمان مسجد کے انتظام میں غفلت وخیانت کریں،

---

(۱) "وفي الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل له". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۷۸/۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۴۰۸/۲، رشيديه)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي وعزله: ۲۵۴/۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۱۱/۵، رشيديه)

حساب وآمدنی وخرچ کو ظاہر نہ کریں اور ان کی غفلت سے مسجد کے انتظام میں خلل واقع ہو جاوے اور مسجد کے کسی حصہ کو نقصان پہونچے، یا مسجد کے کسی حصہ پر غیر مسلم کا قبضہ ہو جاوے اور مسجد کی شان وعظمت برقرار نہ رہے۔ تو ایسے منتظمان کو کیا شرعاً حق ہے کہ اپنی نظامت پر قائم رہیں اور کیا مسلمانوں کو حق ہے کہ ایسے لوگوں کو تولیت سے علیحدہ کر دیں اور ان کی جگہ ان لوگوں کو منتظم بنائیں جو کہ متدین ہوں اور انتظامِ مسجد کو مطابق حکم شرع کے قائم رکھیں؟ براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به ...... والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة، وأن الناظر إذا فسق استحق العزل، ولا ينعزل، كالقاضي إذا فسق، لا ينعزل على الصحيح المفتى به" اهـ. ردالمحتار: ۴/ ۳۸۰ (۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر متولی خائن ہے، یا غافل ہے، یا عاجز ہے کہ موافق شرع وقف کا انتظام صحیح طور پر نہیں کرسکتا اور اس سے وقف کو نقصان پہونچتا ہے، نیز یہ چیز شرعی شہادت سے ثابت ہے تو متولی مذکور اس تولیت سے علیحدگی کے قابل ہے، یعنی حاکم وقت کے یہاں درخواست دیکر اور متولی کی خیانت کو ثابت کر کے تولیت سے علیحدہ کرا دیا جائے اور اس کی جگہ کسی دیندار، صالح، امین اور لائق شخص کو متولی کیا جاوے تاکہ وقف کا انتظام شرع کے مطابق رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۶/ ۵۷ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/ ۳۸۰، سعيد)

"وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، ويستوي فيه الذكر والأنثى، وكذا الأعمى والبصير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف الخ: ۲/ ۴۰۸، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۹، رشيدية)

اگر سوال مطابق واقعہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے، اگر سوال خلاف واقعہ ہے تو ایک مسلم پر غلط اتہام لگانے اور بلاوجہ بدنام کرنے کا وبال اور گناہ سائل کے ذمہ ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/۳/۵۷ھ۔

کیا وقف کا متولی خود واقف ہو سکتا ہے؟

سوال[۱۹۳۸]: جائیداد موقوفہ کی ولایت کا مستحق کون ہے؟ اور کس کو ولی بنانا بہتر ہے؟ واقف بھی متولی بن سکتا ہے کہ نہیں؟ اس کی اہلیت کے جو شرائط ہوں تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

واقف خود بھی متولی بن سکتا ہے(۱)، جو شخص جائیداد موقوفہ کا حسب شرائط وقف دیانت داری سے انتظام کر سکے وہ اہل ہے(۲) فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۸۷ھ۔

بے نمازی کا متولیٔ مسجد ہونا

سوال[۱۹۳۹]: جو متولی نماز نہیں پڑھتا ہے، وہ قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کی اصل خدمت انتظام واہتمام مسجد ہے، اس میں ماہر ہونا ضروری ہے، لیکن چونکہ متولی کو امین اور دیانت دار ہونا بھی لازم ہے اور جو شخص تارک فرائض بھی ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں:

---

(۱) "جعل الواقف الولایۃ لنفسہ، جاز بالإجماع". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۴۲۹، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولایۃ الوقف وتصرف القیم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشیدیہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۷، رشیدیہ)

(وکذا في مجمع الأنہر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مکتبہ غفاریہ)

(۲) (راجع ص: ۳۵۰، رقم الحاشیۃ: ۱)

زبانی وقف اور خاندانِ واقف کا متولی ہونا

سوال [۱۹۳۱]: زید کے والد محترم نے مسجد کے لئے دینی اجتماع میں جگہ وقف کی زبانی، پنچوں نے قبول کیا اور نماز ہونا شروع ہوگئی۔ زید کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، زمین قانونی وقف نہیں تھی، اس لئے زید اور اس کے چچا جو پہلے وقف پر راضی تھے، اب ان لوگوں کی بھی نیت ہے کہ ہماری ملکیت رہے اور ہماری زیرِ نگرانی پکی مسجد ہے، اس کی نگہبانی اور نگرانی ہماری ہو اور اس کی آمد (؟ مدنی) ہمارے پاس ہی ہو، ہماری مرضی کے خلاف کچھ بھی نہ ہو۔ پنچوں کو اصرار ہے کہ قانونی وقف کریں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ابھی قانونا وقف کریں۔ اور لوگوں کا کہنا ہے کہ نیت زید کی اور اس کے چچا کی بدل گئی ہے۔ ایسی حالت میں اس مسجد میں یا اس جگہ پر نماز ہوتی ہے یا نہیں، پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بظاہر ان لوگوں کا مقصود یہ ہے کہ مسجد پکی ہمارے انتظام اور نگرانی میں رہے اور آباد رہے تو اس میں مضائقہ نہیں، کہ واقف کے خاندان کے لوگ متولی اور منتظم ہونے کے زیادہ مستحق ہیں جب کہ ان میں صلاحیت ہو (1)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

— "وینزع وجوباً لو غیر مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق" (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/ ۳۸۰، سعید)

"في الإسعاف: لا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر".

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۳۷۸، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولایة الوقف وتصرف القیم في الأوقاف: ۲/ ۴۰۸، رشیدیه)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/ ۳۸۰، سعید)

(۱) "وفي الأصل: الحاکم لا یجعل القیم من الأجانب ما دام من أهل بیت الواقف من یصلح لذلک، وإن لم یجد منهم من یصلح و نصب غیرهم، ثم وجد منهم من یصلح صرفه عنه إلی أهل بیت الواقف". =

بانی کے اہلِ خاندان تولیت کے زیادہ حق دار ہیں

سوال [۶۹۴۰]: پہلا متولی مسجد کو دے گیا، انہیں کو حق ہے کہ کسی دوسرے کو بانی کی طرف سے مقرر کردیں، جب کہ دوسرا متولی ایک مسجد کا بھائی اور یہ مسجد قدیمی میرے بزرگوں کی ہے، میرا خاندان سب خرچ کرتا تو اب میں خرچ کرتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بانی مسجد کے خاندان میں جب تک متولی ہونے کے قابل موجود ہیں تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۴ھ۔

= (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وما دام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف، لا يجعل المتولي من الأجانب". (الدر المختار) "(قوله: وما دام أحد) ولا يجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف وأهل بيته من يصلح لذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴/۴۲۵، سعيد)

(۱) "ما دام أحد يصلح للتولية من أقارب الواقف، لا يجعل المتولي من الأجانب". (الدر المختار)

"(قوله: وما دام أحد) ولا يجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف وأهل بيته من يصلح لذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يجعل الناظر من غير أهل الوقف: ۴/۴۲۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيدية)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۵۹۳، مكتبه غفاريه كوئٹه)

مسجد کی تولیت میں وراثت

سوال[۶۹۰۳]: ایک مسجد قدیم مشہور چھوٹی مسجد واقع ہے، عمارت مسجد میں ضرورت کے وقت مناسب ترمیم واضافہ ہوتا رہا ہے، عام دستور کے مطابق تعمیر مسجد میں اور اس کے بعد ضروریات مسجد میں عام مسلمانوں کا پیسہ ہی صرف ہوتا رہا ہے، عمارت مسجد ایک قاضی صاحب کی ہبہ شدہ موقوفہ زمین پر ہے۔ اور قریب ۲۲،۲۳/سال سے اس مسجد میں پیش امام واقف کے ورثاء میں تھا، اس کو اہل محلہ نے کسی خامی کی وجہ سے ہٹا کر دوسرا امام رکھ لیا جو فی الحال امامت کرتا ہے۔ اس مسجد کے متصل ایک کنواں رفاہ عام کے لئے بنا ہوا ہے، اس کی ضرورت ختم ہونے کی بناء پر حال ہی میں اہل محلہ نے کنویں کی تعمیر ختم کر کے چند دوکانیں تعمیر کی ہیں جو کرایہ پر اٹھی ہوئی ہیں۔

دوکانوں کی تعمیر وآمدنی دیکھ کر سابق امام کے ورثاء نے ۔ جو قاضی صاحب کے ورثاء میں ہیں ۔ مسجد کی دوکانوں پر اپنی ملکیت کا دعوی کر دیا ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کے بجائے واقف کے خاندان ہی کے لئے تیار کی گئی تھی اور ہم اس کے مالک ہیں، ہم ہی امامت کریں گے اور آمدنی لیں گے، جس کی مرضی ہو اس مسجد میں نماز پڑھے یا دوسری مسجد میں پڑھے۔

تو کیا سابق امام کا دعوی موروثی وامامت کا کرنا اور اپنی خاندانی مسجد بتانا جائز ہے؟ کیا مسجد میں اذان نماز جمعہ وپنجگانہ باجماعت ہونے پر وہ مسجد وقف ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی روپیہ سے مسجد بنا دے اور عام اجازت نماز کی دیدے تو کیا اس کے مرنے کے بعد ورثاء کو اختیار ہے کہ اس میں نماز سے لوگوں کو روک دے؟

نوٹ: یہ مسجد محکمۂ اوقاف میں بھی درج ہے اور سابق امام خاندانی قاضی نہیں ہیں، بلکہ محکمۂ اوقاف کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، دراصل وہ قریشی ہیں۔ اور "مسجد قاضیان" کے نام سے مشہور ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد ذاتی روپیہ سے وقف شدہ زمین میں تعمیر کر کے عام مسلمانوں کو اجازت دیدی اور وہاں اذان اور جماعت پنجگانہ اور جمعہ کی نماز شروع ہوگئی، کسی پر کوئی روک ٹوک نہیں اور محکمۂ اوقاف میں اس کا اندراج بھی

مسجد ہی کے نام سے ہے تو بلا شبہ وہ شرعی مسجد ہے(۱)، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، نہ اس پر کسی کا دعوائے ملک صحیح ہوگا(۲)، نہ وہاں کسی کو نماز پڑھنے سے روکا جائے گا۔

"مسجد قاضیان" یا کسی بھی نام سے موسوم ہوجانے کی وجہ سے اس کے مسجد شرعی ہونے میں کوئی خلل نہیں ہوگا۔ "مسجد کبری، مسجد شاہجہانی، جہانگیری، عالمگیری" بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔ بخاری شریف میں مستقل مضمون ہے کہ مسجد بنی فلاں سے موسوم کرنا صحیح ہے(۳)۔ جو شخص جس مسجد میں نماز پڑھتا ہے، یا جس

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قومه أن يصلوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً، ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۵، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو سقاية الخ: ۳/۲۹۰، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن كراچی)

"وإذا بنى مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه و يأذن للناس بالصلاة فيه، فإذا صلى فيه واحد، زال عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى عن ملكه". (الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ولو جعل له واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق؛ لأن أداء الصلاة على هذا الوجه كالجماعة". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه؛ لأنه يحرز عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالى". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "حدثنا عبد الله بن يوسف، قال: أنا مالك عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم سابق بين الخيل التي أضمرت من الحفياء، وأمدها ثنية الوداع، =

کے مکان کے قریب جو مسجد ہوتی ہے اس کو اپنی مسجد کہا کرتا ہے، اس کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مملوکہ مسجد ہے۔ تو جائیداد مسجد کی زمین میں بنائی جائے اور اہل محلہ چندہ کرکے مسجد کے لئے بنائیں، اس پر کسی خاص شخص یا خاندان کا دعوائے ملکیت ہرگز صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۹۳ھ۔

جو متولی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے، اس کا حکم

سوال [۱۹۳۴]: اگر کوئی متولی وقف شدہ عمارت سے اتنے عرصہ تقریباً ۱۴/سال سے بے تعلق رہے تو مسلمانوں کے کیا فرائض ہیں، نیز ازروئے شرع متولی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں کو ایسی حالت میں چاہئے کہ کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کردیں (۲) جو پوری ذمہ داری کے ساتھ وقف کی نگرانی اور خدمت کرے اور وقف کو ضائع نہ ہونے دے اور حتی الوسع غرضِ واقف کے پورا کرنے میں ساعی رہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ربیع الاول/۶۷ھ۔

= وسابق بين الخيل التي لم تضمر من الثنية إلى مسجد بني زريق، وأن عبد الله بن عمر كان فيمن سابق بها". (صحيح البخاري، باب: هل يقال مسجد بني فلان: ۱/۵۹، ۶۰، قديمي)

(۱) "فإذا تم ولزم، لايملك ولايملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولايملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

(۲) "وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۱۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، في نصب المتولي و ما يملكه أولا: ۶/۲۵۳، رشيديه)

(۳) "ولو أوصى الواقف إلى جماعة، وكان بعضهم غير مأمون، بدله القاضي بمأمون". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۹، رشيديه) =

متولی کا شرائط واقف کے خلاف عمل

سوال[۱۹۲۵]: چند مسلم واقفوں نے مسلمانوں کی ایک انجمن کو بذریعۂ رجسٹری ایک قطعۂ اراضی وقف مذکورہ انجمن کو متولی قرار دے کر حوالہ کیا تاکہ اس پر ایک عمارت دینی مدرسہ چلانے کے لئے تعمیر ہو اور ساتھ میں چند شرائط رکھی گئیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- متولی انجمن اس زمین پر ایک دو منزلہ پکی عمارت تعمیر کرائے جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا مدرسہ ہو۔

۲- اس زمین پر مدرسہ کی عمارت کے علاوہ کسی قسم کی دوکانیں رہائشی مکانات یا کسی قسم کی عمارت تعمیر نہ ہو۔

۳- ایک منزل لڑکوں کے لئے دوسری منزل لڑکیوں کے لئے مخصوص ہو۔

۴- جو نقد اس وقف نامہ اور زمین کے ساتھ دیا گیا ہے، وہ صرف تعمیر عمارت پر ہی صرف ہو۔

۵- اس مدرسہ میں دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے اور ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کا بھی خیال رہے۔

۶- مدرسہ میں داخلہ کے وقت محلہ کے لڑکے لڑکیوں کو اولیت دی جائے۔

۷- متولی انجمن جلد از جلد تعمیر کا مستقل حاصل کر کے عمارت کی تعمیر مکمل کرائے۔

۸- متولی انجمن واقف حضرات میں سے تعمیر کمیٹی میں دو صاحب کو لے۔

اب مذکورہ متولی انجمن تمام شرائط نامہ کی حسب ذیل خلاف ورزی کر چکا ہے۔

۱- تعمیر کمیٹی میں کسی دو واقف حضرات کو نہیں لیا گیا۔

۲- دوکان کی تعمیر زمین پر ہوئی۔

۳- بچوں کی تعلیم کے لئے دو منزلہ کے بجائے ایک منزلہ تعمیر ہوئی۔

۴- بجائے مدرسہ میں دینی تعلیم جاری کرنے کے متولی انجمن نے اپنا پہلے سے چلتا ہوا مڈل اسکول جو

"الثالث إذا ظهرت خيانته، فإن القاضي يعزله و ينصب غيره". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

دوسری جگہ تھا اس کو اس عمارت میں منتقل کردیا تا کہ حکومت سے ملنے والا گرانٹ و کرایہ بدستور ملتا رہے۔

اب مسلمانانِ محلہ مصر ہیں کہ انجمن مذکورہ کی تولیت کو ختم کیا جائے۔ کیا انجمن مذکورہ کی تولیت شرعی رو سے برقرار رہ سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کو واقف کے شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے جب تک وہ شرائط موافقِ شرع ہوں (۱) اور وقف کے لئے نافع ہوں، مضر نہ ہوں (۲)۔ جو متولی شرائطِ وقف کے خلاف کرے وہ تولیت سے علیحدگی کا مستحق ہوتا ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۸/۱ھ۔

ذمہ داری پوری نہ کرنے پر متولی کی علیحدگی

سوال [۶۹۲۶]: متولیانِ اوقاف اپنے فرضِ منصبی کو ادا کریں، اوقاف کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ

---

(۱) "فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة، الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ".

(الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(۲) "وبهذا علم أن قولهم: "شرط الواقف كنص الشارع" ليس على عمومه. قال العلامة قاسم في فتاواه: أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به، ومنها ما ليس كذلك".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۰۱/۵، رشيدية)

(۳) "إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان في نزعه مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعاً للضرر عن الوقف". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، في نصب المتولي وما يملكه أولا: ۲۵۳/۶، رشيدية)

"وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً، أو ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۸۰/۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف کے کسی حصہ کی بیع جائز نہیں (۱)۔ وقف کی آمدنی کرایہ وغیرہ سے مرمت کرنا درست ہے (۲)۔
اگر حاکم مسلم کے ذریعہ سے وقف میں ناجائز تصرف کرنے والے متولی کو علیحدہ کرنا دشوار ہو تو پھر قصبہ کے ارباب
حل وعقد علیحدہ کرسکتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۵/ ذیقعدہ/ ۵۶ھ۔

متولی مسجد اگر مسجد کا انتظام نہ کرے تو اس کی برطرفی

سوال [۶۹۰۸]: ۱ ..... ایک مسجد ہے، اس کے تین متولی ہیں، مسجد کی آمدنی سالانہ ایک ہزار روپیہ
ہے، حضرات متولین کا خیال ہے کہ آمدنی کا سارا روپیہ کھائیں اور مسجد میں گھڑے لوٹے تک کا انتظام نہ کریں۔

---

(۱) "وإذا خربت أرض الوقف وأراد القیم أن یبیع بعضها لیرمّ الباقي، لیس له ذلک، فإن باعه فهو باطل". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۴، رشیدیه)

(وکذا في النهر الفائق، کتاب الوقف: ۳/۳۲۷، إمدادیه ملتان)

(۲) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته". (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۶، سعید)

(وکذا في الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۳۱، مکتبه شرکت علمیه ملتان)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث في مصارف الوقف، الخ: ۲/۳۶۸، رشیدیه)

(۳) "وفي الجواهر: القیم إذا لم یراع الوقف، یعزله القاضي". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما یعزل به الناظر: ۴/۳۸۰، سعید)

"وینزع وجوباً لو غیر مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار، کتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعید)

"فاستفید منه أنه إذا تصرف بما لا یجوز، کان خائناً یستحق العزل". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۴، رشیدیه)

ایضاً

سوال[۷۱۲۹]: ۲... مسجد کی کچھ زمین ہے، جبراً انہیں لوگوں نے قبضہ کرکے اس پر مکان بھی بنوالیا ہے۔ یہ سب کیسا ہے؟ اگر ہم باہم مشورہ کرکے اسے وقف بورڈ کے حوالہ کردیں اور حکومت ہی کے زیرِ اہتمام کوآ متولی ہو تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲... ایسے متولیوں کو تولیت سے الگ کرنا واجب ہے(۱)، دیانت دار، متبعِ شریعت، باثر چند حضرات کی کمیٹی بنالی جائے(۲) اور موجودہ متولیوں کو برطرف کرکے وقف بورڈ کو اطلاع کردی جائے کہ فلاں تاریخ سے فلاں کمیٹی کے سپرد مسجد اور اس کی جائیداد کا انتظام کردیا جائے اور قانونی طور پر مسجد کی جائیداد اور آمدنی کو ان کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

---

(۱) "إذا لم يحكم ناظر لمصلحة الوقف، فإن كان في نزعه مصلحة، يجب عليه إخراجه دفعاً للضرر عن الوقف". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الثاني في نصب المتولي وما يملكه أولاً: ۶/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

"وصرح في البزازية أن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن، ولا شك فيه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، باب: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(۲) "في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

ایک متولی کے مظالم

سوال [۱۱۵۰] : ا..... ہمارے موضع سلطان پور کناری میں ایک جامع مسجد ہے، اس مسجد کے پیچھے ایک حصہ خالی پڑا ہوا تھا، مسجد کو بڑھانے کے لئے اس خالی حصہ میں ایک کھنڈ تعمیر کیا(۱)، مگر اس کی صرف دیواریں تیار ہوئی تھیں، چھت اس پر نہیں ڈال سکے تھے کہ اس کا کام رک گیا اور کام رکنے کی وجہ یہ ہوئی کہ منشی نور الحسن کا بھائی جس کے پاس مسجد کا روپیہ تھا وہ روپیہ لے کر بھاگ گیا۔

تقریباً ۱۸/سال ہو گئے وہ کھنڈ اسی طرح پڑا ہوا ہے۔ چند سال پہلے لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس حصہ کو چھوا دینا چاہئے، چنانچہ لوگوں نے پیسہ اکٹھا کر کے امام صاحب کے پاس رکھ دیئے۔ امام صاحب کا حج کا سفر تھا، اس لئے امام صاحب نے چلتے وقت لوگوں سے کہا کہ اس روپیہ کو تم جس کو دینا چاہو دیدو، میں سفر حج میں جا رہا ہوں اور پیسہ لا کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ منشی نور الحسن گاؤں کا بڑا آدمی ہے سب پر اس کا رعب ہے، اس نے کھڑے ہو کر کہا کہ پیسہ میں رکھوں گا، لوگ ناراض ہوئے کہ مسجد کا پیسہ اس کے پاس نہیں رکھنا چاہئے، یہ بھی اپنے بھائی کی طرح ضبط کر جائے گا۔ اس جملہ پر منشی نور الحسن کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ اس پیسہ کو ہم سے کون لے سکتا ہے، کسی کی طاقت نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص مجلس میں سے کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ منشی صاحب! تم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ مسجد کا روپیہ ہے، یہ تو امانت ہے۔ منشی کو اس پر سخت ناراضگی ہوئی اور اس شخص کی خوب پٹائی کی اور خود جبراً متولی بن بیٹھا اور کوئی حساب ان پیسوں کا آج تک نہیں دیا۔

اس مسجد کی چار دوکانیں ہیں، تیس روپے ماہوار ان کو کرایہ پر دے رکھا ہے، سب پیسہ خود ہی وصول کرتا ہے اور اس پیسہ کا حساب نہ تو گاؤں والوں کو دیتا ہے ورنہ ہی اس کو مسجد میں لگواتا ہے۔ اس سال پھر لوگوں نے مشورہ کیا کہ مسجد کے اس نئے حصہ کو مکمل کر لیا جائے، اور مشورہ سے خزانچی دوسرا مقرر کیا، چنانچہ چندہ وصول کرنا شروع کر دیا، ہر چندہ دینے والا یہ کہتا ہے کہ ہم تمہارے اعتماد پر روپیہ دے رہے ہیں، اس کو مسجد میں لگانا ضروری ہے، اگر نہ لگایا تو ہمارا روپیہ واپس کر دینا۔

جب کچھ پیسے جمع ہو گئے اور کچھ سامان بھی آ گیا تو لوگوں نے منشی نور الحسن سے دوکانوں کے کرایہ کا

---

(۱) "کھنڈ: منزل، درجہ، ٹکڑا، حصہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۲، فیروز سنز، لاہور)

حساب مانگا، منشی نورالحسن نے حساب دینے سے انکار کردیا، لوگوں نے کہا کہ اگر تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے یا تم مسجد کا پیسہ نہیں دیتے تو مسجد کی دوکانیں چھوڑ دو، اس پر منشی کو غصہ آیا اور یہ کہا کہ میری بادشاہت ہے، مجھ پر کوئی ایسے کسی کو نہیں دے سکتا اور میں کسی سے اپنا قبضہ ختم نہیں کرسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پھر خود بجبر آستوں میں بیٹھا اور مسجد میں اپنی حکومت جمائی۔ کسی کو مسجد میں بولنے کا حق نہیں ہے، سوائے اس کے، اگر کوئی مسجد کے متعلق بولتا ہے تو اس کے ساتھ مار پیٹ کرتا ہے اور برا بھلا گالی گلوچ کرتا ہے۔

اس طرح اس نے چھ اماموں کو ذلیل کر کے مسجد سے نکالا ہے، گاؤں کا کوئی بھی آدمی ان سے ناراض نہیں تھا سوائے منشی نورالحسن کے، ورنہ ان میں سے کسی کے اندر ایسا نقص تھا جو قابل اعتراض ہو اور امام کی شان کے خلاف ہو، مگر منشی نے ان پر اعتراض کیا۔ ایک امام صاحب کے گھر میں آگ لگادی اور اس کو بھگادیا، ایک امام صاحب نے بچوں کو حفظ شروع کرادیا تو اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ تم نے مکتب خراب کردیا اور سب بچوں کو بھگادیا اور امام صاحب کو بھی رخصت کردیا، حالانکہ گاؤں کی ۸/ ہزار کی آبادی ہے، مگر کوئی حافظ نہیں ہے۔

جنازہ کی نماز پڑھانے والا بھی کوئی نہیں ہے، امام صاحب اگر نہ ہوں تو جنازہ کی نماز کیلئے پریشانی ہوجاتی ہے۔ کسی امام کو خطبہ پڑھنے پر جھڑک دیا جس کی وجہ سے امام صاحب خود چلے گئے کہ میں کسی کا تابع بن کر نہیں رہوں گا، کسی پر یہ اعتراض کیا کہ تم دوکانوں پر بیٹھتے ہو، گاؤں میں گھومتے ہو اور اسی کو بنیاد بنا کر رخصت کردیا، کسی امام صاحب کو اس بناء پر نکالا کہ وہ لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ اسلام کو اپناؤ، قوم کی ترقی کرو، اپنے مکتب کی ترقی کرواؤ، مسجد کا حصہ مکمل کرو، ورنہ اس کا بوجھ گاؤں والوں پر پڑے گا۔ امام صاحب کے کہنے پر لوگوں نے چندہ شروع کیا، جب ہزاروں روپیہ سے زائد ہوگئے تو منشی کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ میری موجودگی میں امام صاحب نے ایسا کیوں کیا، اس پر طرح طرح کے اعتراضات لگا کر رخصت کردیا، مگر سب اعتراضات و الزامات تصدیق کے بعد غلط ثابت ہوئے۔

الغرض دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا شخص جو مسجد کو مسجد نہ سمجھ کر لوگوں کو تنگ کرتا ہو اور اماموں کو ذلیل کرتا ہو اور جس نے بچوں کو حفظ کرنے سے روک دیا ہو، اس کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ یہ شخص امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ خارج عن الامامۃ نہیں ہوتا؟

۲... مسجد مذکورہ کا کچھ روپیہ جو زیادہ وسیع ہوگیا تو مسجد کا حصہ چھپوانے کے واسطے مگر کسی کے جھگڑا کرنے کی وجہ سے نہیں چھپوا سکے تو وہ پیسہ رکھا ہوا ہے، اور چندہ دیتے وقت لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اگر تم یہ پیسہ مسجد میں نہیں لگاؤ گے تو واپس کردینا تو اب وہ لوگ پیسہ طلب کرتے ہیں، یا یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اس روپیہ کو دوسری مسجد میں لگاؤ، مسجد مذکورہ میں لگانے سے منع کرتے ہیں کہ اس پر کسی کی حکومت ہے، لہٰذا یہاں پر یہ پیسہ صرف نہ کیا جائے گا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس روپیہ کو واپس کردیں یا دوسری مسجد میں خرچ کردیں جب کہ لوگ اجازت دے رہے ہیں دوسری جگہ خرچ کرنے کی؟ اور یہ بات بھی طے ہے کہ ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں نہیں لگا سکتے، اس لئے جواب توجہ سے لکھیں کہ ان حالات مذکورہ کی موجودگی میں کیا ہونا چاہئے؟

۳... جس مسجد میں ایک ہی شخص کی چلتی ہو، دوسرے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے، اگر بولتا ہے تو اس کی پٹائی ہوتی ہے اور وہ شخص مسجد میں اپنی حکومت چلاتا ہو اور دوسروں کو حق بات میں ذلیل کرتا ہو، مسلمانوں کو ذلیل کرتا ہو اور ان کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہو جب سب لوگوں کو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے اور مسجد میں اذان عام نہ ہوتی ہو کیا ایسی مسجد میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... مسجد وقف اور خدا کا گھر ہے، کسی اور کی ملک نہیں (۱)، دعوائے ملک کرنا غلط ہے، اور کسی کے دعویٰ کرنے سے وہ اس کی ملک نہیں ہو جائے گی (۲)۔ جو شخص متولی ہے وہ امانت دار ہے، مالک نہیں (۳)، اس

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾. (سورة الجن: ۱۸)

(۲) "ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه، لأنه يحرز عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالیٰ". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك، الخ". (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ:

"(قوله: لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، (ولا يملّك) أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

(۳) "وقد صرح علماؤنا قاطبة بأن يد الناظر على الوقف يد أمانة لا يد عدوان". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام الناظر الخ: ۲۱۵/۱، مكتبه ميمنيه مصر)

کے ذمہ مسجد کا اور مسجد کے متعلق اشیاء کا حفاظت کرنا اور صحیح انتظام کرنا ہے جس سے مسجد آباد ہو (اور وقف کی ترقی ہو)۔ مسجد کا کوئی پیسہ اپنی ذاتی ملک تصور کرنا، بے محل خرچ کرنا ظلم ہے، خیانت ہے، غصب ہے، اگر یہ چیز ثابت ہو جائے تو ایسے متولی کو معزول کردینا چاہئے (۱) اور امانات و انتظامات اس سے لے کر کسی صالح شخص بادیانت کے سپرد کردیے جائیں (۲)۔

اپنے اقتدار کی خاطر کسی اور شخص کو بھی ذلیل کرنا جائز نہیں، ہر مسلمان کی آبرو کا احترام لازم ہے چہ جائیکہ امام کو کہ وہ مقتدا ہے اور خدائے پاک کی بارگاہ میں ادائے فرض کے لئے نمائندہ اور سفیر کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا احترام بہت لازم ہے (۳)۔

---

(۱) "ولو أنكر المتولي الوقف وادعى أنه ملكه، يصير غاصباً له، ويخرج من يده، فيصير ورثته غاصبين لو أنكروا" (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظار: ۱/۲۲۳، مكتبة ميمنية مصر)

"فإن خيف منه أنه إذا تصرف فيه لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۲، رشيدية)

"لأن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة، ويجب الإفتاء والقضاء بكل ما هو أنفع للوقف، وحيث رأى القاضي المصلحة في عزله لتعطيل مصالح الوقف بذلك، فقد صح عزله" (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف، الباب الثالث في أحكام النظار: ۱/۲۰۸، مكتبة ميمنية مصر)

(۲) "في الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود" (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۰، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۵، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۳) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله" (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۱۵۰۲، رقم الحديث: ۳۶۹۳، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

"أكرموا حملة القرآن، فمن أكرمهم فقد أكرمني" (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۲/۶۹۵، رقم الحديث: ۱۴۰۴، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

جو واقعات سوال میں درج ہیں، اگر یہ صحیح ہیں تو شخص مذکور عند اللہ وعند الشرع نہایت قبیح ومبغوض ہے۔ سب مسلمانوں کو کوشش کرکے اپنی مسجد کی دیکھ بھال کرنا ضروری ہے اور اس شخص کو اہل علم حضرات کے ذریعہ تفہیم کرائی جائے اور اس کے لئے دعاء بھی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے افعال کی قباحت وشناعت اس کے دل پر واضح فرما کر توبہ وندامت اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو اس سے مسجد کی امانتیں جس طرح بھی ممکن ہو حاصل کرلی جائیں اور انتظام میں دخیل ہونے سے بالکل روک دیا جائے۔

تنبیہ: بغیر ثبوت کے کسی کی طرف افعالِ قبیحہ کا منسوب کرنا بھی تہمت ہے جو کبیرہ گناہ ہے، اس سے ہر ایک کو اجتناب لازم ہے(۱)۔ ان افعال کی وجہ سے شخص مذکور کو حرامی کہنا بھی جائز نہیں، نہ اس کو اسلام سے خارج کہا جائے۔

۲..... روپیہ دینے والوں نے اس شرط پر روپیہ دیا کہ اس مسجد میں لگا دیا جائے اور جس کو دیا ہے اس کو وکیل بنایا ہے، لیکن نہیں بنایا، اب جب کہ ان کے منشاء کے مطابق اس مسجد میں روپیہ نہیں لگا اور وہ اپنا روپیہ واپس مانگ رہے ہیں تو ان کو واپس لینے کا بھی حق ہے اور دوسری مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت دے رہے ہیں تو دوسری مسجد میں خرچ کرلے کے لئے وکیل بنا رہے ہیں، ان کو اس کا بھی حق ہے، موکل کو اپنے وکیل کے معزول کردینے کا حق کتب فقہ میں بصراحت مذکور ہے(۲)، البتہ وکیل کو بغیر اجازت موکل دوسری جگہ خرچ

---

(۱) "وأخرج أحمد: "خمس ليس لهن كفارة: الشرك بالله، وقتل النفس بغير حق، وبهت مؤمن، الخ".

والطبراني: "من ذكر امرءً بشيء ليس فيه ليعيبه به، حبسه الله في نار جهنم حتى يأتي بنفاذ ما قال فيه". (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الرابعة والخمسون بعد المائتين: ۲/۳۰، دار الفكر بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه قيل: يا رسول الله! ما الغيبة؟ قال: "ذكرك أخاك بما يكره". قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: "إن كان فيه ما تقول، فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهته". (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: ۲/۳۶۸، دار الحديث ملتان)

(۲) "فللموكل العزل متى شاء ما لم يتعلق به حق الغير". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۵/۵۲۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوكالة، باب عزل الوكيل: ۷/۳۰۱، رشيديه)

کرنے کا حق نہیں(۱)، یہ حکم چندہ کا ہے جو مقصد مذکور کے لئے دیا گیا۔

اگر کوئی جائیداد کسی مسجد کے لئے وقف ہو تو اس کی آمدنی کو اسی مسجد میں خرچ کرنا ضروری ہے، دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں: "لأن شرط الواقف كنص الشارع"(۲)۔ الا یہ کہ وہ مسجد خدانخواستہ ویران ہوجائے اور وہاں نماز پڑھنے والے موجود نہ رہیں اور وقف پر کسی کے غاصبانہ تسلط کا خوف ہو تو مجبوراً اس کی آمدنی بھی دوسری مسجد میں خرچ کی جاسکتی ہے، كذا في البحر الرائق(۳)۔

۳... جب یہ مسجد وقف اور شرعی مسجد ہے تو بلاشبہ اس میں نماز درست ہے اور مسجد کی نماز کا ثواب بھی ملے گا۔ جو شخص اس کو اپنی ملک قرار دیتا ہے وہ جھوٹا اور خدا کے نزدیک بہت مجرم ہے مگر اس کے اس دعویٰ سے وہ مسجد اس کی ملک نہیں بن جاوے گی، قرآن: ﴿وأن المساجد لله﴾ (٤)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۸/۹۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۸/۹۸ھ۔

---

(۱) "أي لأن الوكيل عامل لغيره، فمتى عمل لنفسه فقط، بطلت الوكالة، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالخصومة و القبض: ۵/۵۲۲، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳-۴۳۴، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، اهـ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الوقف: ۱/۱۲۶، مكتبه ميمنيه مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "وفي القنية: حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

"ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۴) قال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله، فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن: ۱۹)

"ومن اتخذ أرضه مسجداً، لم يكن له أن يرجع فيه و لا يبيعه و لا يورث عنه؛ لأنه يحرر عن حق العباد، وصار خالصاً لله تعالى". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۵، مكتبه شركت علميه ملتان)

متولی کا اپنے آپ کو رجسٹری کرالینا

سوال[۷۴۵۱]: ایک مسجد کے متولی صاحب ایک عرصہ دراز سے بحسن وخوبی مسجد کا کام انجام دے رہے تھے، انہوں نے کسی وجوہات سے دوسرے شخص کو متولی بنادیا۔ جدید متولی صاحب نے مسجد کی جگہ میں دوکانیں وغیرہ بنا کر مسجد کی آمدنی میں اضافہ کیا، جدید متولی نے بغیر جماعت کو معلوم کرائے اپنے نام سرکاری طور سے رجسٹری کرائی کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا ہے، میں ہی مسلمانوں کا صدر اور متولی رہوں گا۔ متولی صاحب کا اس طرح رجسٹری کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قدیم متولی صاحب نے بغیر اہل الرائے کے مشورہ کے خود بخود کسی نئے آدمی کو متولی بنادیا، یہ غلطی کی جس کی وجہ سے اب پریشانی ہو رہی ہے(۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے متعلق کوئی کمیٹی بھی نہیں، اب جب کہ جدید متولی صاحب نے اپنے نام رجسٹری کرائی ہے کہ پانچ سال تک مجھے کوئی ہٹا نہیں سکتا تو قانوناً ان کی پختگی حاصل ہوگئی، ان کا اپنے حق میں اس طرح رجسٹری کرالینا اور اپنے صدر اور متولی ہونے کا اختیار حاصل کرلینا شرعاً درست نہیں تھا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "وإذا أراد المتولي أن يقيم غيره مقام نفسه في حياته وصحته، لا يجوز، إلا إذا كان التفويض إليه على سبيل التعميم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل السادس: الولاية في الوقف: ۵/۷۳۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "رجل طلب التولية في الأوقاف، قال: لا يعطى له التولية، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۶، رشيديه)

"طالب التولية كطالب القضاء لا يولى بالنص". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، =

جدید متولی کا امام کو پریشان کرنا

سوال [۶۶۵۲]: جدید متولی صاحب پیش امام مسجد پر اپنی فوقیت جتاتے ہوئے تکلیفیں دے رہے ہیں، ان پر ظلم کر رہے ہیں۔ جدید متولی صاحب کا کہنا ہے کہ پیش امام نوکر ہے اور ہم ان پر افسر ہیں، ہماری بات کو ماننا چاہیے۔ پیش امام نے مجبور ہو کر جمعہ کی نماز کے بعد متولی صاحب نے جو تکلیفیں دی ہیں وہ بیان کیں۔ متولی صاحب پیش امام پر برہم ہو گئے کہ تم کو کس نے اجازت دی تھی، بغیر اجازت کے تم نے غیر مذہبی باتیں کیوں بیان کیں؟ ہم تم سے قانونی کارروائی کریں گے۔ متولی جو کہتے ہیں وہ حق بات ہے یا جو پیش امام نے کہا وہ حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب کا منصب بہت بلند ہے، متولی صاحب کا امام کو اپنا نوکر سمجھنا اور ذلت آمیز معاملہ کرنا غلط ہے، ناجائز ہے(۱)۔ امام کو بھی اس طرح جمعہ کے بعد مجمع میں متولی کی زیادتیوں کو بیان کرنا نہیں چاہیے تھا، خود متولی صاحب سے دو چار بااثر آدمی کی موجودگی میں افہام وتفہیم کے طور پر اپنی تکلیفوں اور پریشانیوں کا تذکرہ کر لیتے کہ یہ یہ پریشانی ہے، اس کا حل کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر مسلم کو درگاہ اور مسجد کا متولی بنانا

سوال [۶۶۵۳]: ایک درگاہ کی جائیداد کا انتظام ایسے غیر مسلم کے ہاتھ میں ہے جو بڑے معتقد ہے

• کتاب الوقف، الثانی فی نصب المتولی ۲/۶: ۴۵۱، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیۃ، کتاب الوقف، الولایۃ فی الوقف: ۵/۷۳۹، ادارۃ القرآن کراچی)

(۱) "حامل القرآن حامل رایۃ الإسلام، من أکرمہ فقد أکرم اللہ، ومن أہانہ فعلیہ لعنۃ اللہ". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۳/۶۹، ۲۰۱۳ (رقم الحدیث: ۳۷۹۰)، نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ)

"أکرموا حملۃ القرآن، فمن أکرمہم فقد أکرمنی". (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۳/۱۲۹۵، (رقم الحدیث: ۱۳۲۰)، نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ)

ساتھ انتظام اور آمدنی کی حفاظت کرتا ہے اور مصارف میں خرچ کرتا ہے، اگر اس کا انتظام کسی متقی مسلمان کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے۔ کیا ایسی حالت میں وقف بورڈ اس کو معزول کر سکتا ہے یا نہیں؟ تولیت کے لئے مسلم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یا یہ اوقاف ہے جن کی تولیت نامزد نہیں ہے اور نہ واقف کا کوئی موصیٰ لہ موجود ہے۔ عوام و معتقدین انتظام کریں۔ جنوبی ہند میں چند ایسی مساجد بھی ہیں جن کا انتظام باقاعدہ ہنود چلا رہے ہیں، مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ جواب اس انداز سے لکھیں کہ سوال کی ضروری باتیں اس میں آجائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا، آپ نے لکھا ہے کہ "اگر جائیداد وقف کا انتظام مسلمانوں کے سپرد کیا جائے تو ضیاع کا قوی اندیشہ ہے" اور یہ کہ "غیر مسلم بڑے اعتماد کے ساتھ انتظام اور آمدنی کی حفاظت کرتے ہیں اور مصارف مقررہ میں خرچ کرتے ہیں"، نیز "جنوبی ہند میں چند ایسی مساجد بھی ہیں جن کا باقاعدہ انتظام ہنود چلا رہے ہیں، مؤذن اور امام نمازیوں کے مشورہ سے رکھتے ہیں اور تمام مصارف بروقت ادا کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟"

مسلمان اتنا گر گیا ہے کہ اس میں نہ انتظام کی صلاحیت رہی، نہ دیانتداری رہی، حتیٰ کہ اس کی عبادت گاہ کا انتظام وہ کرتا ہے جو خود ہی اس عبادت کا قائل نہیں۔ جب ایسی مجبوری ہے کہ وقف کو محفوظ رکھنے اور انتظام کے برقرار رہنے کی صرف یہی صورت ہے تو مجبوراً برداشت کیا جا سکتا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "ولا تشترط الحرية والإسلام للصحة لما في الإسعاف: ولو كان عبداً يجوز قياساً واستحساناً، والذمي في الحكم كالعبد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، ۳۷۹، رشيديه)

بلا اجازت متولی جنگل کو نیلام اور مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کرنا

سوال [۶۵۸۶]: ایک جنگل جامع مسجد سکروڈہ کے نام وقف ہے عرصہ تیس سال سے، اور اس وقف کے متولی خاص کوئی نہیں، وقف نامہ میں یہ تحریر ہے کہ "جملہ ممبران دو (۱) مذکورہ عرصہ تیس سال سے باہتمام واتفاق جملہ ممبران وہ جنگل کو نیلام کیا جاتا تھا اور آمدنی مسجد کے اخراجات میں صرف کی جاتی تھی"۔ امسال جو نیلام کیا گیا وہ صرف چند اشخاص کے ذریعہ سے نیلام ہو، جملہ ممبران کی رائے واتفاق سے اس کا نیلام نہیں کیا گیا۔ وقف ہونے سے اب تک جنگل کو منڈ پولا وغیرہ نیلام ہو کر دیا جاتا تھا، مگر مویشیوں پر جو وہاں چرنے اور پانی پینے جاتے تھے کسی قسم کی چونگی یا ٹیکس یعنی ان کی چرائی پر کوئی محصول باتفاق جملہ ممبران نہیں لیا جاتا تھا۔

امسال کے نیلام میں چند آدمیوں نے بوقت نیلام مویشیوں کی چرائی پر محصول قائم کردیا جس سے عوام کو بہت تکلیف ہوئی، کیونکہ گرد و نواح سے دور دور تک مویشیوں کو پانی پلانے کا موقع نہیں ہے اور قدیم ایام سے اس جنگل سے مویشیوں کو لے جانا پڑتا ہے اور اسی جنگل سے پانی پلایا جاتا ہے اور عام طور سے کاشتکار اپنے کھیتوں میں اپنے مویشیوں کو اسی راستہ سے لے جاتے ہیں کہ یہ عام گذرگاہ ہے اور جنگل کی کوئی حدود بھی خاص نشان سے قائم نہیں، بلکہ اس کی حدود دوسری زمینوں کی حدود سے مخلوط ہیں، ایسا کرنے سے لڑائی جھگڑے کا بھی ہر وقت اندیشہ رہتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ کسی چراگاہ پر مویشیوں کے چرانے کے لئے یا کسی پانی کے موقع پر مویشیوں کو پانی پلانے پر محصول قائم کردینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، خصوصاً جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ جملہ ممبران (حسب تصریح وقف نامہ) اس کے مہتمم ومتولی ہیں تو پھر بعض کا اس کو بلا دوسروں کی رائے نیلام کرنا شرعاً جائز نہیں:

"ليس لأحد الناظرين التصرف دون الآخر عندهما خلافاً لأبي يوسف رحمه الله

---

(۱) "ممبر: رکن" (فیروز اللغات، ص: ۲۵۸، فیروز سنز لاہور)

تعالیٰ" بحر: ۵/۲۴۱(۱)۔

نیز پانی پر ٹیکس قائم کرنا بھی ناجائز ہے(۲)۔ اور جب کہ عام گذرگاہ کا اور کوئی راستہ نہیں، بلکہ صرف وہی راستہ ہے تو عام گذرگاہ میں گذرنے کا شرعاً سب کو حق حاصل ہوتا ہے(۳)، لہٰذا گذرنے والوں سے محصول لینا درست نہیں۔ گھاس جو خودرو ہو بغیر کاٹے اس کو فروخت کرنا ناجائز ہے(۴)، البتہ کاٹ کر فروخت کرنا درست ہے(۵)۔ جو تصرفات کئے جائیں، وقف نامہ کی شرائط کے مطابق کئے جائیں، اس کے خلاف

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۲۴۳، رشیدیہ)

"إذا جعل الواقف الولاية إلى اثنين أو صارت الولاية إلى الوصي والمتولي، لم يكن لأحدهما بيع غلة الوقف، وينبغي على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن يكون له ذلك. فإن باع أحدهما وأجاز الآخر، أو وكل أحدهما صاحبه به، جاز، كذا في الحاوي" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيديه)

(۲) "ولا يباع الشرب، ولا يوهب، ولا يؤجر ولا يتصدق به؛ لأنه ليس بمال متقوم في ظاهر الرواية، وعليه الفتوى". (رد المحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع الشرب: ۵/۶۰، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد ۲/۱۵۳، رشيديه)

(۳) "أما النافذة، فلا منع من الفتح فيها؛ لأن لكل أحد حق المرور فيها". (رد المحتار، باب التحكيم، مسائل شتى، مطلب في فتح باب آخر للدار: ۵/۴۴۳، سعيد)

"بخلاف النافذة؛ لأن المرور فيها حق العامة". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات: ۴/۳۴۳، رشيديه)

(۴) "عن رجل من المهاجرين من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: غزوت مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ثلاثاً أسمعه يقول: "المسلمون شركاء في ثلث: في الماء، والكلأ، والنار". (السنن لأبي داود، كتاب الإجارة، باب في منع الماء: ۲/۱۳۴، إمداديه ملتان)

(وسنن ابن ماجة، أبواب الرهون، باب المسلمون شركاء في ثلاث، ص: ۱۷۸، قديمي)

(۵) "أما إذا أحرز الماء بالاستقاء في آنية والكلأ بقطعه، جاز حينئذ بيعه؛ لأنه بذلك ملكه ... فلما —

کرنا جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/۱/۵۷ھ۔

کمیٹی کے ایک آدمی کا تنہا مسجد میں تصرف

سوال [۱۱۵۵]: ایک مسجد کے نمازیوں نے مسجد کا نظم پانچ آدمیوں کے سپرد کر رکھا ہے، ان میں زید بھی شامل ہے، مگر زید بغیر باقی آدمیوں کے مشورہ کے اپنی رائے سے مسجد کے نظم میں تصرف کرتا رہتا ہے، خود ہی امام رکھتا ہے، خود ہی کچھ دنوں بعد کچھ الزام لگا کر نکال دیتا ہے۔ ایسے ہی تعمیرات کے بارے میں لوگ کچھ کہتے ہیں تو مانتا ہی نہیں، آپس میں بات بڑھتی ہے۔ اس صورتِ حال کو دس سال ہو چکے ہیں۔ شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں کے سمجھدار آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ زید کے ان تصرفات سے مسجد کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس کو ایسے تصرفات سے روک دیں، ہرگز اجازت نہ دیں(۲)، بغیر پانچوں آدمیوں کے وہ تنہا کرنے کا

"لو كان صفي الأرض وأصلحها للإحياء، لبنت، فلي الذخيرة والمحيط والنوازل: يجوز بيعه، لأنه ملكه، وهو مختار الصدر الشهيد". (فتح القدير، باب البيع الفاسد: ۶/۱۸۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب إحياء الموات، فصل في الشرب: ۶/۴۳۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثاني في بيع الشمار الخ: ۳/۱۰۹، رشيديه)

(۱) "شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۲) "لا شبهة عنده أنه إذا تصرف بما لا يجوز، كان خائناً يستحق العزل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۴، رشيديه)

"وينزع وجوباً لو غير مأمون، أو عاجزاً أو ظهر به فسق". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، مطلب في نصب المتولي وما يملكه أولاً: ۶/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

حقدار نہیں (۱)، سب ہی کو صاف رکھنا ضروری ہے اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے مسجد ویران ہو اور نفرت پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

واقف کا متولی کو تبدیل کرنا

سوال[۶۹۵۶]: مسجد اہل سنت والجماعت وقف کردہ محمود خاں ہے، بوقت تبدیلی حکومت پاکستان میرے بھائی سید حامد حسین کو متولی کرگئے تھے۔ وہ شرائط پورا کرنے کی وجہ سے اب پاکستان سے خط رجسٹری آیا ہے کہ سابق متولی کے بجائے دوسرے بھائی عبدالحفیظ خاں کو دے دی جائے۔ تو کیا مالک مسجد پاکستان سے متولی تبدیل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اللہ تعالیٰ کی ہے، کسی کی کوئی مسجد ذاتی ملک نہیں: ﴿وأن المساجد لله﴾ الآیۃ (۲)۔ بانیٔ مسجد کو حق ہے کہ جس کو مناسب سمجھے انتظام کے لئے متولی بنادے، البتہ جو شخص دیانت دار نہ ہو یا انتظام کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اس کو بنانا درست نہیں (۳)۔ اگر بنادیا تو اس کو الگ بھی کیا جاسکتا ہے (۴)، بلاوجہ

---

(۱) "ولیس لأحد الناظرین التصرف بغیر رأی الآخر". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۸۷، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/۱۰۴، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۰۳، رشیدیہ)

(۲) (سورۃ الجن: ۱۸)

(۳) "وفی الإسعاف: لا یولّی إلا أمین قادر بنفسہ أو بنائبہ؛ لأن الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر، ولیس من النظر تولیۃ الخائن؛ لأنہ یخل بالمقصود، وکذا تولیۃ العاجز؛ لأن المقصود لا یحصل بہ، ویستوی فیہ الذکر والأنثی ... وقالوا: لا یعطی لہ، وہو کمن طلب القضاء لا یقلد. والظاہر أنہا شرائط الأولویۃ لا شرائط الصحۃ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی: ۴/۳۸۰، سعید)

(والفتاوی العالمکیریۃ، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف، الخ: ۲/۴۰۸، رشیدیہ)

(۴) "وینزع وجوباً لو غیر مأمون، أو عاجزاً أو ظہر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ". (تنویر الأبصار مع

الگ کرنا بھی درست نہیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

بغیر اجازتِ متولی امامت کرنا

سوال[۶۱۵۷]: بغیر اجازتِ متولی آفاق حسین مسجد میں امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر متولی کا تجویز کردہ امام صالح، پابند موجود ہو تو کسی دوسرے کو امامت کا حق نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بغیر اجازتِ متولی مسجد میں رہنا

سوال[۶۱۵۸]: بغیر اجازتِ متولی آفاق حسین مسجد میں رہ سکتے ہیں یا نہیں، جب کہ ان کا ذاتی مکان مسجد کے قریب ہے؟

- الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/[illegible]، رشیدیہ)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، في نصب المتولي وما يملکه أولا: ۶/۲۵۳، رشیدیہ)

(۱) "لأن طعن في أولي فاعلاً لم يخرجه القاضي من الولاية لاستحالة ظاهراً" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف الخ: ۲/۴۱۲، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۶۰۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً [illegible] الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة، ثم الأورع" (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۷، سعید)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني: ۱/۸۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں سونا مکروہ ہے، اپنے مکان پر سویا کریں، متولی کو اجازت دینے کا بھی حق نہیں۔ جو شخص معتکف ہو یا مسافر ہو اس کے لئے گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

مرمت مسجد بلا اذن متولی

سوال[۱۱۵۹]: بغیر اجازت متولی کے کوئی مرمت مسجد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

متولی کے اختیارات میں کسی کو دخل نہیں دینا چاہیے(۲)، اگر مرمت وغیرہ کی ضرورت ہو تو متولی

---

(۱) "ویکرہ النوم والأکل فیه أی المسجد لغیر المعتکف" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشیدیه)

"والنوم فیه لغیر المعتکف مکروه، وقیل: لا بأس للغریب أن ینام فیه" (الحلبی الکبیر، ص: ۶۱۲، فصل فی أحکام المسجد، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلوة، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۱/۶۶۱، سعید)

(۲) "فی الکبری: مسجد مبنی، أراد رجل أن ینقضه ویبنیه ثانیاً أحکم من البناء الأول، لیس له ذلک؛ لأنه لا ولایة له، کذا فی المضمرات" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۷، رشیدیه)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع فی المسجد الخ: ۶/۲۶۸، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۵/۴۲۴، رشیدیه)

"أما إذا أحدث رجل عمارة فی الوقف بغیر إذن المتولی، فللمتولی أن یأمره بالرفع، إن لم یضر رفعه بالبناء القدیم" (مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۹۰، مکتبه غفاریه کوئٹه)

سے کہا جائے اور اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۳/۹۳ھ۔

شیعہ صاحبان اپنی مسجد سنیوں کو دیں تو قدیم شیعہ منتظم کے ہاتھ سے انتظام لے لینا

سوال [۶۹۹۰]: ڈیڑھ سو سالہ ایک قدیم مسجد شیعہ صاحبان کی تھی، انہیں کی نماز ہوتی تھی، زمانے کے ردوبدل سے صرف ایک گھرانہ کا رہ گیا۔ وہ مسجد ان کے متولی صاحب نے اہل سنت والجماعت کو دے دی کہ تم پنج وقتہ اذان وجماعت کرو، مگر انتظام ان کے ہاتھ میں ہے، ہم چاہتے ہیں کہ انتظام دوسرے ہاتھ میں ہو، وہ انتظام چھوڑنا نہیں چاہتے۔ تو ان سے انتظام لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب زمانہ قدیم سے وہ مسجد کے انتظامات کرتے چلے آرہے ہیں اور کوئی نقصان یا خیانت ثابت نہیں ہے تو ان کو اس انتظام سے الگ نہ کیا جائے (۱)، بلکہ ان کے ساتھ تعاون کیا جائے، ہاں! اگر وہ خود ہی انتظام سے دست بردار ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۳ھ۔

مسجد کی اشیاء چوری ہوئی تو کیا متولی پر ضمان ہوگا؟

سوال [۶۹۹۱]: ایک مسجد سے ایک کوٹھی کے قریب وزن کے تانبے کے برتن ایسی حالت میں چوری ہوگئے کہ نہ تو صدر دروازہ پر کسی قسم کا تالا تھا، اور نہ ہی کوئی محافظ مسجد کی حفاظت کے لئے مقرر تھا، البتہ جس کمرہ میں برتن تھے اس پر تالا لگا تھا جسے چوروں نے بآسانی توڑ کر برتن نکال لئے۔ ایسی صورت میں یعنی

---

(۱) "الوبی طعن فی الولی صاحبہ، لم یخرجہ القاضی من الولایۃ إلا بخیانۃ ظاہرۃ" (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف الخ: ۲/۴۲۵، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: یأثم بتولیۃ الخائن: ۴/۳۸۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۱، رشیدیہ)

معقول حفاظت نہ کرنے پر متولی مسجد پر کوئی جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر جرم عائد ہوتا ہے تو تلافی کے لئے کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مساجد کے صدر دروازے پر عموماً تالا نہیں لگایا جاتا، تاکہ جو شخص جب بھی دن چاہے مسجد تک آکر عبادت کر سکے۔ نیز ہر مسجد میں محافظ بھی مقرر نہیں ہوتا، بلکہ اوقاتِ نماز میں مؤذن آتا ہے اور مسجد کی صفائی اور صف بچھانے کا کام کرتا ہے۔ اگر یہی صورت آپ کے یہاں بھی ہے تو حجرہ پر قفل کا ہونا ہی حفاظت کے لئے کافی ہے (۱)، متولی پر کوئی ضمان لازم نہیں (۲)۔ ہاں! اگر وہ جگہ چوروں کی ہے اور چوری کے واقعات مسجد وغیرہ میں پیش آتے رہتے ہیں اور صرف حجرۂ مسجد پر قفل کا ہونا حفاظت کے لئے کافی نہیں سمجھا جاتا تھا تو پھر حکم دوسرا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۲/۹۲ھ۔

---

(۱) "كره غلق باب المسجد، وقيل: لا بأس بغلق المسجد في غير أوان الصلوة صيانةً لمتاع المسجد، وهذا هو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: كره غلق باب المسجد: ۱/۱۰۹، رشيديه)

"كره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه، به يفتى". (الدر المختار). "(قوله: إلا لخوف على متاعه) هذا أولى من التقييد بزماننا؛ لأن المدار على خوف الضرر، فإن ثبت في زماننا في جميع الأوقات، ثبت كذلك، إلا في أوقات الصلوة، أولا فلا، أو في بعضها، ففي بعضها". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۵۹، ۶۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وهي أمانة مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها، فلا تضمن بالهلاك مطلقاً سواء أمكن التحرز أم لا؛ لحديث الدار قطني: "ليس على المستودع غير المغل ضمان"". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الإيداع: ۵/۶۶۳، سعيد)

اولادِ واقف کو انتظام میں دخل دینے کا حق

سوال [۷۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص نے اپنی جدوجہد اور قوتِ ارادی سے ایک مدرسہ دینی اپنے مکان پر قائم کیا اور ہمیشہ اس مدرسہ کی ترقی کی کوشش و نگرانی کرتا رہا، اس نے یہ بھی کیا کہ شہر کے چند معززین اور علماء کی ایک کمیٹی بنائی جو مدرسہ کے انتظام اور اس کی ترقی کے مشورے دے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدرسہ کے قائم اور برقرار رکھنے کے لئے کوئی جائیداد موقوفہ کا انتظام ہوگیا، لیکن پرانے ممبران جب یکے بعد دیگرے مرگئے تو اس شخص نے جدید ممبران قائم کئے اور خود بھی مرگیا۔

اس کے انتقال کے بعد چند ممبروں کی وجہ سے مدرسہ کی ترقی میں صورتِ زوال پیدا ہوگئی، لہذا بانی مدرسہ کی اولاد نے چاہا کہ چونکہ ہمارے بزرگوں کا قائم کردہ مدرسہ ہے، لہذا ہم کو اس کی نگرانی کرنی چاہیے تاکہ مفید صورت تعمیر و ترقی بن جائے، لیکن موجودہ ممبران بانی مدرسہ کی اولاد کو مدرسہ کی نگرانی کرنے دیتے ہیں نہ کمیٹی میں شامل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ مدرسہ کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور بانی مدرسہ کی اولاد کے دخل کو برا جانتے ہیں۔

السائل: محمد سید عبدالستار صاحب، ساکن ہونس بریلی محلہ چھاؤنی شرف خان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں جبکہ موجودہ ممبران اصل متولی مرحوم کے مقرر کردہ ہیں اور اصل متولی کو حق تھا کہ جس کو چاہے متولی مقرر کردے، کما هو مصرح به في العالمگيرية: ۲/۴۹۹: "للمتولي أن يفوض إلى غيره عند موته"(۱)۔ لہذا متولی مرحوم کی اولاد کو بغیر رضامندی ممبران مدرسہ محض ترقی رک جانے

---

(۱) "وللمتولي أن يفوض لغيره عند موته كالوصي له أن يوصي إلى غيره، الخ" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۰، رشيدية)

"المتولي إذا أراد أن يفوض إلى غيره عند الموت فالولاية بالوصية يجوز" (التاتارخانية، كتاب الوقف، الولاية في الوقف: ۵/۷۴۶، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۲۴، سعيد)

کی وجہ سے نگرانی یا انتظامات میں دخل دینے کا حق نہیں تاوقتیکہ ممبران کی جانب سے کوئی خیانت ظاہر ہو، البتہ اگر ممبر خیانت کریں تو واقفین کو اختیار ہے کہ قاضی کے یہاں دعویٰ کرکے ان ممبران کی تولیت کو باطل کرادیں۔ عالمگیری میں ہے:

"رجل وقف أرضاً أو داراً، ودفعها إلى رجل وولاه القيام بذلك، فجحده المدفوع إليه، فهو غاصب يخرج الأرض من يده، والخصم فيه الواقف". ۲/۴۶۰(۱)

موجودہ متولیوں کا اس کو اپنی ملک قرار دینا بڑی سخت خیانت ہے، بلکہ خیانت در خیانت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبدالرحمن غفرلہ، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذیقعدہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۲/۴۶۰، رشيدية)

"إذا أنكر ولي الوقف أي قيم الوقف فهو غاصب، فيخرج من يده، فإن نقص منها شيء بعد الجحود فهو ضامن". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الدعاوى والخصومات، الخ: ۵/۸۰۹، رقم: ۸۴۱۰، إدارة القرآن كراچي)

"رجل جعل أرضاً له صدقة موقوفة لله أبداً على قوم بأعيانهم، ثم من بعدهم على المساكين، ودفعها إلى رجل وولاه إياها، فجحد الرجل المدفوع إليه الوقف ذلك وادعى أنه ملك له، قال: هو غاصب، ويخرج الوقف من يده". (أحكام الأوقاف للخصاف، كتاب الوقف، باب الأرض أو الدار يوقف ثم يغصب، ص: ۲۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "إذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شركة علمية ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيدية)

"وصرح في البزازية بأن عزل القاضي للخائن واجب عليه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشيدية)

مزار کی حفاظت کا طریقہ اور اس کے محافظ کا وظیفہ

سوال[۷۰۹۳]: یہاں گاؤں میں ایک درگاہ شریف ہے، اس کی مجاوری کے لئے مہاراجہ گائکواڑ نے کچھ زمین دی ہے کہ جو مجاوری کرے، وہ اس زمین کو کاشت کرکے اس کی پیداوار کھائے، اور مجاوری کا کام ایک مؤذن کرتا ہے۔ اور گاؤں کے لوگ سب درگاہ پر پھول چڑھاتے ہیں اور دیا بھی جلاتے ہیں۔ مؤذن کا کہنا ہے کہ میں اس قبر پرستی کو برا سمجھتا ہوں، اگر میں یہ کام نہ کروں تو اس زمین کی پیداوار کھا سکتا ہوں کہ نہیں؟ چونکہ اس کی تنخواہ بہت کم ہے اس لئے اس نے ایسا کام اختیار کیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درگاہ کی حفاظت کرے، اور پھول چڑھانے والوں کو نرمی وشفقت سے سمجھایا کرے کہ اس چڑھاوے سے نہ تم کو فائدہ ہے نہ صاحبِ مزار کو فائدہ ہے(۱)، اگر دو رکعت نفل پڑھ کر ان کو ثواب پہونچا دو تو تم کو بھی نفع ہے اور ان کو بھی نفع ہے اور اس طریقہ پر ثواب پہونچانا حدیث شریف سے ثابت بھی ہے(۲)۔ درگاہ سے متعلق

= (وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الثاني في نصب المتولي وما يملك، الخ: ۶/۲۵۳، رشيدية)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۸۰، سعيد)

(۱) "ذكر ابن الحاج في المدخل: أنه ينبغي أن يجتنب ما أحدثه بعضهم من أنهم يأتون بماء الورد، فيجعلونه على الميت في قبره، وإن ذلك لم يرو عن السلف، فهو بدعة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قديمي)

(۲) "عن عبد الله بن بريدة عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: كنت جالساً عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إذ أتته امرأة فقالت: يا رسول الله! إني كنت تصدقت على أمي بجارية وإنها ماتت، قال: "وجب أجرك وردها عليك الميراث". قالت: يا رسول الله! كان عليها صوم شهر أفأصوم عنها؟ قال: "صومي عنها". قالت: يا رسول الله! إنها لم تحج قط أفأحج عنها؟ قال: "نعم، حجي عنها". (جامع الترمذي، أبواب الزكوة، باب ماجاء في المتصدق يرث صدقته: ۱/۱۴۴، سعيد)

"من صام أو صلى أو تصدق، جعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء، جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة". (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه ملتان)

جو زمین ہے اس کی پیداوار کھانا اس کے لئے جائز ہوگا (۱)، مگر جو چیز مزار پر چڑھائی جائے، اس کا کھانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "قال في خزانة الأكمل: لو وقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم، اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۳، رشيديه)

"والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته بشرط الواقف أولاً، ثم ما هو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة، يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۱، رشيديه)

(۲) "واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل و حرام". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم و مالايفسد، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۳۹، سعيد)

باب أحكام المساجد

(مسجد کے احکام کا بیان)

مسجد کبیر کی تعریف

سوال[۱۹۹۴]: کیا مسجد کبیر جو چالیس ذراع کی ہوتی ہے، وہ عرض ذراع مراد ہے یعنی کل چالیس ذراع، یا لمبائی چوڑائی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چالیس ذراع لمبی، چالیس ذراع چوڑی، ایک قول میں ساٹھ ذراع(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۵ھ۔

مسجد صغیر اور کبیر کی تعریف

سوال[۱۹۹۵]: خورجہ کی جامع مسجد میں ایک صف میں تقریباً پچاس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں اور پوری مسجد میں تقریباً چھ سو یا سات سو آدمی آسکتے ہیں، تو یہ مسجد کبیر کا حکم رکھتی ہے یا مسجد صغیر کا؟ اور مسجد صغیر اور کبیر کی کیا تعریف ہے؟ اور ان دونوں مساجد کے متعلق نمازیوں کے لئے کیا کیا احکامات ہیں؟ ایک مولوی صاحب اس مسجد کو مسجد کبیر کہتے ہیں اور دیگر علمائے کرام اس مسجد کو صغیر کہتے ہیں۔

---

(۱) "(قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل: من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في الجواهر، قهستاني" (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو أن يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر، والصغير بعكسه، أفاده القهستاني، وأفاد أن المختار الأول الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل فيما لا يفسد الصلوة، ص: ۳۴۲، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد چالیس گز (شرعی) لمبی اور اتنی ہی چوڑی ہو وہ مسجد کبیر ہے، جو اس سے چھوٹی ہو وہ مسجد صغیر ہے، کذا فی رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۹/۲/۹۰ھ۔

حدِ مسجد

سوال [۶۹۹۱]: مسجد کی حد کہاں تک شمار کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد وہ جگہ ہے جس کو نماز کے لئے متعین کر دیا گیا ہو (۲)، وہاں جنابت کی حالت میں جانا منع ہے (۳)، وضو کی جگہ

---

(۱) "(قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل: من أربعين، وهو المختار، كما أشار إليه في الجواهر. قهستاني". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۳۴، سعيد)

"(قوله: في المسجد الكبير) هو أن يكون أربعين فأكثر، وقيل: ستين فأكثر، والصغير بعكسه، أفاده القهستاني، وأفاد أن المختار الأول". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الصلوة، فصل فيما لا يفسد الصلوة، ص: ۳۴۲، قديمي)

(۲) "عرفاً: الموضع المبني للصلوة". (القاموس الفقهي، حرف السين، ص: ۱۶۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية)

(۳) "قال: حدثتني جسرة بنت دجاجة قالت: سمعت عائشة رضي الله تعالى عنها تقول: جاء رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ..... فقال: "وجهوا هذه البيوت عن المسجد، فإني لا أحل المسجد لحائض ولا جنب". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۲، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، إمدادية ملتان)

"ومنها أنه يحرم عليهما وعلى الجنب الدخول في المسجد سواء كان للجلوس أو للعبور، هكذا في منية المصلي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيدية) ....

عام طور پر خارج مسجد ہوتی ہے(۱)، مسجد کے فرش پر بغیر رکھتے ہی نیت اعتکاف مناسب ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۸۹ھ۔

مسجد ہونے کا حکم کب ہوگا؟

سوال[۷۱۹۶]: ایک عرصہ دراز سے ایک مقام لب سڑک سرکاری ایک پختہ چبوترہ مسجد ہے اور وہ مسجد بھی مشہور ہے، مؤذن امام مقرر ہیں، اذان وجماعت باقاعدہ ہوتی ہے۔ ایک عرصہ ہوا کہ ایک حاکم وقت نے مجمع عام مسلمانان وشہر میں زبانی اس کے مسجد ہونے کو تسلیم کیا اور اس کے مسجد ہونے کا اعلان کیا۔ یہ مسجد ہوئی یا نہیں اور اس کو مسجد قرار دینا صحیح ہے یا نہیں؟

سائل: بندہ عبداللطیف، مدرسۃ المؤمنین، قصبہ منگلور۔
بندہ محمد علی عفی عنہ، محلہ قلعہ قصبہ گنگوہ، ضلع سہارنپور۔

= (وكذا في الهداية، كتاب الطهارات، باب الحيض والاستحاضة: ۱/۶۴، شركت علميه ملتان)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۱/۲۹۷، سعيد)

(۱) "والوضوء فيما أعد لذلك" (الدر المختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "(قوله: والوضوء)، لأن ماءه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم، بدائع". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

"ومنها حرمة البصاق فيه. أقول: المراد من الحرمة هنا كراهة التحريم، كما في البدائع. ويكره الوضوء في المسجد، لأنه مستقذر طبعاً، فيجب تنزيه المسجد عنه، كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم". (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثالث، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۸۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي)

(۲) "قوله: (ولو ساعة نفلاً) لقول محمد رحمه الله تعالى في الأصل: إذا دخل المسجد بنية الاعتكاف، فهو معتكف ما أقام، تارك له إذا خرج، فكان ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۲۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس چبوترہ کا مسجد مشہور ہونا، امام ومؤذن مقرر ہونا، اذان وجماعت کا وہاں باضابطہ ہونا، نیز حاکم وقت کا مجمع عام مخالف وموافق میں اس کے مسجد ہونے کو تسلیم کرنا اور اس کا اعلان کرنا یہ امور ایسے ہیں کہ اس کے مسجد ہونے کے لئے شاہدِ عدل اور بہت کافی ہیں(۱)، اگر وقف نامہ موجود نہ ہو، یا واقف کا علم نہ ہو تب بھی اس کے مسجد ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا، کیونکہ امورِ مذکورہ کا مسجد کے ساتھ مختص ہونا کسی پر مخفی نہیں۔

بے شمار مسجدیں ملیں گی کہ نہ ان کا وقف نامہ موجود ہے، نہ واقف کا حال معلوم ہے، کبھی ایک شخص یا چند اشخاص نے مل کر کچھ حصۂ زمین کو، کبھی چھت چبوترہ بنا کر اور کبھی (عدمِ وسعت کی وجہ سے) کچا ہی رکھ کر نماز وغیرہ عبادات کے ساتھ خاص کردیا اور عام طور پر مسلمانوں کو اس میں نماز کی اجازت دے دی ہے۔ اور صورتِ مسئولہ میں تو امام ومؤذن بھی مقرر ہیں، اذان وجماعت بھی باقاعدہ ہوتی ہے، اس کے مسجد ہونے کو حاکم وقت نے تسلیم کر کے اعلانِ عام بھی کردیا ہے، لہٰذا اس کے مسجدِ شرعی ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کو غیر مسجد قرار دینا صحیح نہیں:

"التسليم في المسجد أن يصلي الجماعة بإذنه، ويشترط مع ذلك أن يكون الصلوة بأذان وإقامة جهراً لا سراً. ولو جعل رجل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، اهـ". فتاوی عالمگیری مختصراً: ۲/۱۰۳(۲)۔ "والحكم بالظاهر واجب عند تعذر الوقوف على الحقيقة، اهـ". مبسوط: ۱۷/۱۳۰(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "في الذخيرة ما نصه: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۵/۴۰۳، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد ۴/۳۵۶، سعيد)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيدية)

"وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً، ويشترط مع ذلك أن يكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: ۶/۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) (المبسوط للسرخسي، باب الحمل والمملوك والكافر: ۹/۵۹، غفاريه كوئٹه)

کیا بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم ہو جائے گا؟

سوال[۶۱۶۸]: مسجد کو پوری عمارت تعمیر ہونے کے بعد مسجد کہا جائے گا یا صرف بنیاد کا پڑنا ہی کافی ہے؟ اگر بنیاد ہی کافی ہے تو ایسی مسجد میں جس کی صرف بنیاد ہی پڑی ہو، وضو کرنا، غسل کرنا، کھیتیاں کرنا، جانوروں کو چرانا، یا معماروں کا بیڑی سگریٹ پینا، چپل قدمی کرنا، ننگے بدن وہاں جانا سب ممنوع ہونا چاہیے؟

مولوی: ابو طلحہ سرائے میر اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کی وہ زمین ہے، اگر اس نے مسجد بنانے سے پہلے لوگوں کو وہاں اذان، نماز، جماعت کی اجازت دے دی اور یہ نیت کرلی کہ یہاں ہمیشہ اذان، نماز، جماعت ہوا کرے گی اور اس کو مسجد قرار دے دیا تو وہ شرعی مسجد بن گئی، اب جو چیز مسجد میں منع ہے وہاں بھی منع ہے، مسجد کا پورا احترام لازم ہے فتاویٰ عالمگیری: ۴۳۸/۲(۱)۔

اگر ایسا نہیں کیا بلکہ نیت یہ ہے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد اذان، نماز، جماعت شروع کی جائے گی اور

---

(۱) "رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة، هذا على ثلاثة أوجه: أحدها: إما إن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصاً بأن قال: صلوا فيها أبداً، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوى الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۳۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

"التسليم في المسجد أن تصلي فيه الجماعة بإذنه ...... ويشترط مع ذلك أن تكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً، ..... ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۵/۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۹/۵، ۸۳۰، إدارة القرآن كراچى)

اسی وقت اس کو مسجد قرار دیا جائے گا تو اس پر مسجد کا حکم تکمیلِ عمارت کے بعد جاری ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی بنیاد رکھنے سے حکمِ مسجد

سوال [۲۹۹۵]: ۱..... مسجد کی بنیاد رکھنے سے مسجد کے احکام جاری ہوجاتے ہیں یا اذان جماعت ہونے پر جاری ہوں گے؟

۲..... جس مسجد کا ذکر ہے اس مسجد کا مصلی اور سمت قبلہ کی دیوار قدِ آدم تک تیار ہوچکی ہے اور دونوں بغلوں یعنی شمال وجنوب کی دیواریں قائم ہوچکی ہیں اور بھراؤ صحن مسجد بھی بھردیا گیا ہے۔ یہ مسجد مدرسہ فیض القرآن کی جگہ میں ہے جو کہ مدرسہ کی ہے۔ اس محلہ میں چار مسجدیں ہیں، ایک مسجد تو تعمیرِ مسجد سے چالیس قدم پر ہے دو اذان کی آواز بھی دو مسجدوں سے آتی ہے۔ اس قدر تعمیر ہوجانے کے بعد بانیانِ مسجد کو اس طرف توجہ ہوئی کہ اگر قریب مساجد کی وجہ سے یہ مسجد آباد نہ ہوئی تو ہم عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوں گے، اس لئے کہ اس مسجد میں صرف طلباء ہی نماز پڑھ سکتے ہیں، محلے والوں کو تو دوسری مساجد کافی ہیں، طلباء یہاں صرف ظہر وعصر اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ مدرسین مدرسہ خاص اہتمام طلباء کو روکنے کا کریں اور ان دو وقتوں کے علاوہ اوقات میں تو اذان کا اہتمام بھی دشوار ہے، اس وجہ سے بھی کہ طلباء عموماً نو عمر ہیں یعنی دس گیارہ سال سے زیادہ کوئی بچہ نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب کہ مسجد کی تعمیر (جس میں سو روپیہ چندہ سے لگ چکا ہے اور پچیس روپیہ ایک شخص کا دیا ہوا محض تعمیر کے لئے امانت ہے) ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اس کی تعمیر کو روک کر اس مکان کو موجودہ شکل میں یا

---

(۱) "وأما القبض والتسليم فشرط لصيرورته مسجداً عند أبي حنيفة ومحمد، وعند أبي يوسف ليس بشرط، حتى أن عنده يصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم. وبالصلوة بجماعة يقع القبض والتسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً .... وفي "ملتقط الناصري": وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يقر بلسانه أنه مسجد، لا يباع ولا يوهب ولا يرهن ولا يورث، وفتح الباب وأذن فيه وأقيم وأذن للناس بالدخول فيه عامة، فيصير مسجداً إذا صلي بجماعة فيه". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/ ۸۳۹، ۸۴۰، إدارة القرآن كراتشي)

آبادی اور غیر آبادی سے متعلق پہلے سوچنے کی بات تھی، کارکنان مدرسہ کا فریضہ ہے کہ مسجد مذکور کو آباد رکھنے کی سعی کریں، پانچوں وقت کچھ آدمی ضرور وہاں اذان دے کر نماز پڑھا کریں اور جہاں تک ہو سکے مدرسہ کو ترقی دیں اور اس میں بیرونی طلباء کو رکھیں تاکہ مسجد و مدرسہ ہر دو آباد رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مسجد کیسے مسجد بن جاتی ہے؟

سوال [۱۱۷۰]: ایک شخص نے تقریباً چالیس سال قبل ایک مسجد بنائی، لوگوں کو نماز پڑھنے کے لئے کہا اور زبانی وقف کر دیا۔ اس وقت اس کی پوتی مسجد کے احاطہ میں دیوار وغیرہ کرنے سے لوگوں کو روکتی ہے جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ مسجد تو وقف نہیں کی گئی، بلکہ اس زبانی وقف کو توڑتی ہے اور مصلیین مسجد کا خیال یہ ہے کہ جب کاغذ میں لکھ کر وقف نہ کیا جائے تو وقف صحیح نہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح زبانی وقف کرنے سے وقف صحیح ہو جائے گا یا نہیں اور اس عورت کو روکنا درست ہے یا نہیں اور مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ مسجد بنائی اور زبانی وقف کر کے لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور وہاں اذان وجماعت ہونے لگی اور اپنی ملک سے اس مسجد کو راستہ وغیرہ سے ممتاز کر دیا تو وہ بالاتفاق شرعی مسجد بن گئی، اگرچہ تحریر وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو، وہاں نماز دوسری مسجدوں کی طرح بلا تامل درست ہے، واقف کے ورثاء کو اس میں کوئی ایسا تصرف درست نہیں جو وقف کے خلاف ہو اور بطور وراثت ملک کا دعویٰ کرنا غلط ہے (۱)۔

= إلى مسجد آخر، صراه كانوا يصلون فيه أولاً، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۲، رشيدية)

(۱) "وأما المسجد: فليس له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه، لأن الوقف اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة". (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/ ۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل: ۶/ ۲۰۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل: أي بالصلوة فيه، ففي شرح الملتقى: إنه يصير مسجداً بلا خلاف. ثم قال عند قول الملتقى: "وعند أبي يوسف يزول بمجرد القول": ولم يرد أنه لا يزول بدونه لما عرفت أنه لا يزول بالفعل أيضاً بلا خلاف، اهـ. قلت: وفي الذخيرة ما نصه: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بني مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً اهـ. ويصح أن يراد بالفعل الإفراز، ويكون بياناً للشرط المتفق عليه عند الكل لما قدمناه من أن المسجد لو كان مشاعاً لا يصح إجماعاً، وعليه فقوله عند الثاني مرتبط بقول المتن بقوله: جعله مسجداً اهـ". درمختار وشامی: ۳/۴۰۱ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/۶۶ھ۔

اذان وجماعت کی اجازت سے اس جگہ کا مسجد بن جانا

سوال [۷۰۹۱]: ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور صورتِ خاص کی صورت میں احاطہ کرکے نماز پڑھنی شروع کردی، مگر اس کا دروازہ اپنی ہی طرف رکھا، ابھی کوئی راستہ جدا نہیں کیا تو یہ مسجد شرعی ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، فی أحكام المسجد: ۴/۳۵۵، ۳۵۶، سعید)

"وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بني مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً. ويشترط مع ذلك أن يكون الصلاة بأذان وإقامة جهراً لا سراً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيدية)

نے منع نہیں کیا تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کو حق نہیں کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے روکے، یا اس کو بند کرے:

"التسليم في المسجد: أن تصلي فيه الجماعة بإذنه، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى فيه روايتان: في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلوة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعداً، كما قال محمد رحمه الله تعالى، والصحيح رواية الحسن، كذا في فتاوى قاضيخان. ويشترط مع ذلك أن تكون الصلوة بأذان وإقامة جهراً لا سراً، حتى لو صلى جماعة بغير أذان وإقامة سراً لا جهراً لا يصير مسجداً عندهما، كذا في المحيط والكفاية. ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلى وحده، صار مسجداً بالاتفاق، كذا في الكفاية وفتح القدير". فتاوی عالمگیری: ۲/۴۰۳ (۱)۔

"وكره غلق باب المسجد؛ لأنه يشبه المنع من الصلوة، قال تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ اهـ". رد المحتار: ۱/۶۸۶ (۲)۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيديه)

"التسليم في المسجد أن تصلي فيه الجماعة بإذنه، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى فيه روايتان: في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلوة فيه بالجماعة بإذنه اثنان فصاعداً. وقال محمد رحمه الله تعالى في رواية أخرى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: إذا صلى واحد بإذنه يصير مسجداً، إلا أن بعضهم قالوا: إذا صلى فيه واحد بأذان وإقامة، في ظاهر الرواية لم يذكر هذه الزيادة، اهـ". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ ۳/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(ومنحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۹، سعيد)

"(قوله: وغلق باب المسجد) لأنه يشبه المنع من صلاة، قال تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ (البقرة، آيت: ۱۱۴)، والإغلاق يشبه المنع، فيكره". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۵۹، رشيديه)

بانی مسجد کون ہے؟

سوال [۷۱۴۳]: ۱... کوئی آدمی کس وقت بانی مسجد کہا جاسکتا ہے؟

مسجد کا بانی اول اور بانی دوم

سوال [۷۱۴۴]: ۲... زید کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے لڑکوں میں سے کسی نے وقف شدہ زمین پر مسجد بنائی ۲۰/۲۵ برس کے بعد دوسرے لڑکے نے پہلی مسجد کے سامان کو فروخت کر ڈالا اور روپیہ اور مزید خود کا روپیہ ڈال کر نیز لوگوں سے چندہ پیسہ وصول کرکے دوسری مسجد بنائی، تو ان میں سے مسجد کا بانی کون ہوگا یا سب کو مسجد کا بانی کہا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جو آدمی جس وقت مسجد بنائے وہی بانی مسجد ہے۔

۲... پہلا شخص بانی اول ہے، دوسرا شخص بانی دوم ہے اور جن لوگوں نے اس میں پیسہ دیا اور محنت کی وہ بھی بناء میں شریک ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۰ھ۔

بغیر صراحتِ وقف کے اذان وجماعت کی اجازت سے بھی مسجد بن جاتی ہے

سوال [۷۱۴۵]: ۱... ایک آدمی نے زمین وقف نہیں کی اور جس میں عرصہ اٹھارہ برس ہوتے ہیں مسجد بن چکی ہے، تو اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۲... میں بھی اس مسجد کا نمازی ہوں، اس مسجد کا مینارہ بنانا چاہتا ہے، لیکن لوگ مجھ سے چندہ نہیں لیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مالکِ زمین نے مسجد بنا کر اپنا قبضہ اٹھالیا اور ہر ایک کو اجازت دیدی اور وہاں نماز شروع ہوگئی تو اتنی بات سے وہ مسجد بن گئی، وہاں نماز وجماعت سب ٹھیک ہے(۱)۔

---

(۱) "في الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس —

۲..... یہ تو ان سے ہی دریافت کرنے کی بات ہے کہ وہ آپ کا چندہ کیوں قبول نہیں کرتے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۸۹ھ۔

عارضی ضرورت کے لئے بنی ہوئی مسجد کا حکم

سوال[۲۹۷۹]: دربھنگہ کے ایک گاؤں موضع کٹھیلہ میں پرانی مسجد خستہ حالی ہو جانے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اسے توڑ کر از سر نو بنانے کا ارادہ کیا ہے، جب تک نماز پڑھنے کے لئے عارضی طور پر مسجد کے احاطے سے باہر ایک مسجد بنائی گئی ہے، جس کو پختہ مسجد کے تیار ہونے کے بعد توڑ دیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ خام مسجد جو کہ عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہے، اس میں نماز کے علاوہ دوسرے مصرف (مثلاً: مکان، کھیتی، پیشاب و پاخانہ وغیرہ) لے سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ یہ جامع مسجد ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں عارضی طور پر مسجد تیار ہونے تک نماز کا انتظام کر لیا گیا ہے اور اس کو وقف کر کے مسجد نہیں بنایا گیا تو وہ شرعی مسجد نہیں بنی، اس کا وہ حکم نہیں جو شرعی مسجد کا ہوتا ہے، اس کا حال ایسا ہی ہے جیسے مکان میں کسی جگہ نماز پڑھتے ہوں، یا باغ اور کھیت میں نماز پڑھتے ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسجد نہیں (۱)۔ نیز عیدگاہ میں مسجد کے

= بالصلاة فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً" (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۴، سعيد)

(ومنحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

"حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً"

(التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۳۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه)

(۱) "رجل له ساحة لابناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها ...... وإن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنةً ثم مات يكون ميراثاً عنه، لأنه لابد من التأبيد، والتوقيت ينافي التأبيد". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيديه) =

سب احکام جاری نہیں ہوتے، جیسا کہ بحر و ردالمحتار اور قاضی خان وغیرہ میں تصریح ہے(۱)۔ جب وہاں نماز پڑھنا موقوف کر دیا جائے تو مالک کو اپنی ملک میں تصرف کا اختیار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں آتش زدگی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی

سوال[۶۹۷۷]: ایک گاؤں ہے جس میں آج سے تقریباً سو سال قبل ایک چھوٹی مسجد تھی۔ گاؤں میں جب آتش زدگی ہوئی تو مسجد میں لپیٹ آگئی۔ پھر سے اس جگہ مسجد نہیں بنائی گئی، بلکہ گاؤں کے ایک حاجی صاحب جو دو بھائی تھے ان کے دروازے پر دونوں کی مشترکہ زمین پر مسجد بنائی گئی تاکہ حاجی صاحب مسجد

(وکذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر، الفصل الأول: ٢/٤٥٥، رشيدية)

(١) "المسجد المتخذ لصلاة الجنازة أو لصلاة العيد هل يكون له حكم المسجد ...... والمتخذ لصلاة العيد لا يكون مسجداً مطلقاً، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام ...... وأما فيما سوى ذلك، فليس له حكم المسجد. وقال بعضهم: له حكم المسجد حال أداء الصلوة لا غير، وهو والجبانة سواء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ٣/٢٩١، رشيدية)

"وأما المسجد المتخذ لصلوة العيد، فالمختار أنه مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصلت الصفوف، وفيما عدا ذلك فلا، رفقاً بالناس". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ٢/٤٥٧، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ١/٦٥٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل، كره استقبال القبلة: ٢/٦٠، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد: ٥/٨٦٥، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٣، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ٤/٤٢٠، رشيدية)

کی پوری حفاظت کریں۔ گاؤں والے اس وقت سے آج تک پنج وقتہ نماز کے علاوہ جمعہ کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے متفق ہو کر مسجد بناتے تھے۔ پہلے والی مسجد کی زمین صرف تمن: اس زمین جو آبادی سے قریب ہوتی آرہی ہے، کاغذی اعتبار سے اس مسجد کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ زمین مالک کے نام سے ہے۔

گزشتہ سال محلہ والوں نے گاؤں سے چندہ جمع کرکے موجودہ زمین کو پختہ بنانے کی نیت سے اینٹ خریدی۔ حاجی صاحب مرحوم کے ایک پوتے نے کہا کہ ہم مسجد میں ایک بیگہ زمین وقف کردیں گے۔ جس سے اختلافی صورت اس نے پیدا ہوئی کہ گاؤں کے کچھ لوگ کہنے لگے کہ قبالہ بس آپ ہی کے نام سے ہے(۱)، پھر فروخت کرکے اس رقم کو مسجد میں لگادیں گے۔ واقف کہتے ہیں کہ فروخت نہیں ہوگی، بلکہ اس کی آمدنی مسجد کی حفاظت اور آئندہ ترقی کے لئے صرف ہوگی۔

شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اب نصف گاؤں والے کہتے ہیں کہ مسجد پرانی زمین پر بنے گی، چونکہ اول وہاں مسجد تھی یہاں جائز نہیں۔ نصف گاؤں والے کہتے ہیں کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا یا نہیں، ہم لوگوں کو کوئی علم نہیں، نہ کوئی شہادت ملتا ہے۔ نیز اینٹ اس جگہ کی نیت سے خریدی گئی ہے، یہاں وہاں کرنے سے کھیل تماشہ بن جائے گا۔ چونکہ ہمارے صوبہ بہار میں نائب قاضی القضاۃ لگے ہیں، انہوں نے فیصلہ دیا ہے کہ پرانی ہی جگہ مسجد بنائی جائے، وہیں جمعہ کی نماز ادا کرنی درست ہے، موجودہ مسجد پنج وقتہ نماز کے لئے رہے۔ برخلاف حکم پرانی جگہ کے حامیوں نے اس جگہ نئی مسجد بنا کر جمعہ ادا کرنا شروع کردیا ہے۔ دونوں مسجد شمالاً جنوباً سو گز کے فاصلہ پر ہے۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ حاجی صاحب کے دروازہ والی مسجد کی خریدی ہوئی اینٹ سے چندہ بنا کر نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں، یا قاضی کے فیصلہ پر؟ امید ہے کہ خلاصۃ جواب مدلل عنایت فرمائیں گے۔ حاجی صاحب کی مسجد کی زمین کی کھیتیں بھی وقف برائے مسجد ہے۔

---

(۱) "قبالہ: مسلمہ دستاویز، کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ثابت ہو، مکان کا قبضہ نامہ" (فیروز اللغات، ص: ۹۴۲، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو پرانی مسجد ہے وہ بھی شرعی مسجد ہے، تنگ دامانی کی وجہ سے وہ مسجد ہونے سے خارج نہیں ہوئی (۱) اور جو نئی مسجد ہے وہ بھی مسجد ہے (۲)۔ جس جگہ مسجد بنانے کے لئے زمین خریدی گئی تھی اس کی اجازت سے وہیں مسجد بنائی جائے (۳)۔ یہ کوئی اختلاف و نزاع کی بات نہیں، آپس کی ضد کو ختم کر دیں۔ اگر وہاں شرائط جمعہ موجود ہوں تو جس مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اس میں جمعہ بھی ادا کرتے رہیں اور دونوں مسجدوں کو آباد رکھیں (۴)۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوي القدسي". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۴۲۱/۵، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۹۰/۳، رشيدية)

(۲) "إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه فصلى فيه جماعة فإنه يصير مسجداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن، كراچي)

"ولو جعل له وحده مؤذناً وإماماً فأذن وأقام وصلى وحده صار مسجداً بالاتفاق". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيدية)

(۳) "إذا ذكر للوقف مصرفاً لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة حقيقةً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب متى ذكر للوقف، إلخ: ۳۶۵/۴، سعيد)

"والوقف لو عين إنساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۹۱/۵، رشيدية)

(۴) "تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق". (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، سعيد)

"قوله: (وشرط أدائها المصر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر، حتى لا تصح في قرية ولا مفازة، لقول علي رضي الله تعالى عنه: لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة". (البحر الرائق، باب صلوة الجمعة: ۲۴۵/۲، رشيدية)

قاضی صاحب نے حالات سے واقفیت پر جو فیصلہ دیا ہے اس کو رد کرنے کی بھی کوئی حاجت نہیں، اگر اس پر عمل کرتے میں کوئی رکاوٹ ہو تو قاضی صاحب سے دریافت کرکے رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۲ھ۔

مسجد کا نام ''مسجد حرم'' رکھنا

سوال[۷۰۹۹]: یہاں پر ایک مسجد ''مسجد حرم'' کے نام سے تعمیر ہو رہی ہے، بعض حضرات اس کے نام سے اعتراض کر رہے ہیں کہ یہ نام مسجد حرم خانہ کعبہ کا ہے، اس لئے یہ نام بدل دیا جائے۔ آپ سے گذارش ہے کہ مسجد کا نام ''مسجد حرم'' رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلام احمد قادیانی نے بھی تلبیس کی تھی کہ اپنا نام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام تجویز کیا، اپنی بیوی کا نام ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام تجویز کیا اور اپنی مسجد کا نام سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد کا نام تجویز کیا، اپنے قبرستان کا نام مدینہ پاک کے قبرستان کا نام تجویز کیا، اس طرح اس نے اپنی امت کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے بے نیاز و بے تعلق بنانے کی کوشش کی۔

اپنی مسجد کا نام آپ حضرات بھی مسجد حرم نہ رکھیں کہ بے علم مسلمانوں کو اس سے دھوکہ لگ سکتا ہے اگرچہ آپ حضرات کی نیت تلبیس کی نہ ہو تا ہم دھوکہ اور مغالطہ سے بچنا ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۹ھ۔

غیر آباد مسجد کو محفوظ کرنے کی صورت

سوال[۷۱۰۰]: جالندھر شہر میں ایک مسجد تھی جو بالکل مسمار ہو چکی ہے، اس مسمار شدہ مسجد کی ایک

---

(۱) ''اتقوا مواضع التهم'' هو معنی قول عمر: ''من سلك مسالك التهم، اتُّهم'' رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق عن عمر موقوفاً بلفظ: ''من أقام نفسه مقام التهم، فلا يلومن من أساء الظن به''.

(الموضوعات الكبرى للملا علي القاري، ص: ۴۹، (رقم الحديث: ۱۵۱)، قديمي)

جانب مسجد کی ملکیت میں دو دکانیں ہیں۔ اگر مسمار شدہ مسجد کی جگہ صحن کو موجودہ دوکانوں میں شامل کرکے ان دوکانوں کی چھت پر جدید مسجد تعمیر کرادی جائے تاکہ مسلمان نماز ادا کرسکیں اور مسجد کی جگہ محفوظ ہوجائے، ورنہ اس جگہ پر غاصبانہ قبضہ کا احتمال ہے۔ اس وقت مسجد کی جگہ پر غلاظت اکٹھی ہورہی ہے۔ جدید مسجد کی تعمیر دوکانوں کا کرایہ دار (غیر مسلم) اپنی لاگت سے کرائے گا۔ کل رقم کرایہ میں ادا ہوتی رہے گی، کل جائیداد وقف ہے اور آئندہ بھی وقف ہی رہے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ وقف کرکے نماز کے لئے مسجد بنادی گئی وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے، اس کو کسی دوسرے کام میں لانا ہرگز ہرگز جائز نہیں(۱)۔ آپ قاعدہ کلیہ کے ماتحت اس جگہ کو محفوظ رکھنا اور اپنے امکان کی حد تک نماز کے لئے آباد رکھنا ضروری ہے۔ اور دوکانیں بنانا جو اصل مسجد کا حصہ تھا اس کو دوکانوں کی صورت میں تعمیر کردیا جائے اور چھت پر مسجد ہے، درست نہیں(۲)۔

قانون تحفظ اوقاف کے تحت اس جگہ کو محفوظ کرنے اور نماز کے لئے مخصوص کرنے کی پوری کوشش کی

(۱) "(ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتى) حاوي القدسي". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيدية)

(۲) "(ولا بد من إفرازه) أي تمييزه عن ملكه من جميع الوجوه، فلو كان العلو مسجداً والسفل حوانيت أو بالعكس، لا يزول ملكه لتعلق حق العبد به". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

تہ خانہ کے اوپر کی جو چھت ہے وہ شرعی مسجد نہیں، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے(۱)۔ اگر اتفاقیہ کبھی دو چار آدمی جماعت سے رہ گئے مثلاً مغرب کے ایسے وقت آئے کہ جماعت ہوچکی ہے تو ان کو وہاں جماعت کرنا ممنوع و مکروہ نہیں (۲)، لیکن اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔ جو مسجد بن چکی ہے اس کے نیچے تہ خانہ یا استنجاء خانہ بنا کر دینے کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

☆...☆...☆...☆...☆

= كره استقبال القبلة، الخ: ۱/۱۰۹، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۱۴۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۱) "وفي فتاوى الفضلي: بيت فوقه بيت، وهو متصل بالمسجد، يتصل صف المسجد بصف البيت الأسفل، ويصلي في البيت الأسفل في الصيف والشتاء، اختلف أهل المسجد وأرباب البيت الذين يسكنون العلو، قال الأرباب: إن ذلك ميراث لنا، فالقول قولهم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل العشرون في المسائل التي تتعلق بالدعاوى والخصومات والشهادات: ۵/۸۴۹، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: إذا لم تكن على الهيئة الأولى، لا تكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۹۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المساجد، ص: ۶۱۴، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۳) "وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدر المختار) "ولو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"وإذا أراد الإنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه، ليس له ذلك، كذا في الذخيرة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۵، رشيديه)

الفصل الأول في بناء المسجد وتعميره

(مسجد کے بنانے اور اس کی تعمیر کا بیان)

مسجد کی بنیاد رکھتے وقت کی دعاء

سوال [۶۹۸۱]: مسجد کی بنیاد رکھتے ہوئے کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

﴿وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسماعيل، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم﴾(۱) - فقط واللہ اعلم۔

بضرورت نئی مسجد بنانا

سوال [۶۹۸۲]: ہمارے موضع لداخ کا ایک علاقہ ہے، اس علاقہ میں آبادی دور تک پھیلی ہوئی ہے، موسم سرد اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے گنجان آبادی والا موضع بنا مشکل ہے، ان ہی حالات کے پیش نظر حضرات علماء نے یہاں نماز جمعہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ جامع مسجد تعمیر کی گئی، لیکن اب مسجد فوجی تحویل میں آگئی ہے، چنانچہ فوجی کے قبضہ میں ہے، پنج وقتہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، صرف نماز جمعہ کی اجازت ہے اور جب ایمرجنسی حالات ہوتے ہیں تو ان دنوں میں نماز جمعہ کی اجازت بھی نہیں ہوتی، جس سے یہاں کے لوگ عام طور سے نماز باجماعت سے محروم رہتے ہیں۔

اور چونکہ اس جامع مسجد کے علاوہ اور کوئی مقامی مسجد نہیں ہے، یہاں کے چند عوام نے نئی مسجد کی

---

(۱) "فجعل إسماعيل يأتي بالحجارة وإبراهيم يبني، حتى إذا ارتفع البناء، جاء بهذا الحجر فوضعه له، فقام عليه وهو يبني وإسماعيل يناوله الحجارة، وهما يقولان: ﴿ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم﴾ قال: فجعلا يبنيان حتى يدورا حول البيت وهما يقولان: ﴿ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم﴾". (تفسير ابن كثير: ۱/۲۳۳، البقرة: ۱۲۷، دار السلام رياض)

تعمیر کے لئے فراہمی چندہ کا پروگرام بنایا۔ دو ہزار روپیہ بھی جمع ہو چکے، لیکن بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ جامع مسجد کی موجودگی میں نئی مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی ہے، نہ اسے منہدم کیا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے فراہمی چندہ میں رکاوٹ ہوگئی۔ یہ طے ہوا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے پورے حالات لکھ کر فتویٰ حاصل کیا جائے۔ کیا جو جامع مسجد فوجی تحویل میں ہے اس کو اس طرح رکھ کر دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز ہے؟ کیا موجودہ مسجد کو منہدم کر کے تعمیری لکڑی کو نئی مسجد میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جب کہ پرانی مسجد کو چہار دیواری سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شریعت کے مطابق مسجد بنائی جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے بن جاتی ہے (۱)، نہ اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ درست ہوتا ہے (۲)، نہ کسی کو نماز سے روکنے کا حق ہوتا ہے (۳)، نہ اس کو گرانا درست ہے (۴)۔ اگر وہ پرانی مسجد دوسروں کے قبضہ میں ہے اور وہ پانچ وقت نماز کی اجازت اس میں نہیں دیتے، صرف جمعہ کی اجازت دیتے ہیں، اور وہ مسجد محفوظ ہے تو اس کو منہدم نہ کیا جائے، بلکہ محفوظ ہی رکھا جاوے اور پنجگانہ نماز کے لئے دوسری مسجد تعمیر کرلی جائے۔ اینٹ لکڑی وغیرہ کا نئی مسجد کے لئے مستقل انتظام کیا جائے، پرانی مسجد کو توڑ کر نئی مسجد میں

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۲/۴۵۸، رشيدية)

(۲) "والفتوى على قول أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا يعود إلى ملكه أبداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۶، إدارة القرآن كراچي)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ الآية. (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

خرچ نہ کریں(۱) اور پرانی مسجد کو واگذار کرانے کی آئینی کوشش کی جائے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۴۰۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۱۴۰۷ھ۔

نئی آبادی میں نئی مسجد بنانا

سوال[۱۹۸۴]: ایک نو آباد محلہ جس سے موضع کی قدیم دونوں مسجدیں تقریباً ایک ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہیں، اذان کی آواز بھی بمشکل سنائی دیتی ہیں، نئی محلہ میں نمازیں با جماعت ادا کرنے والے بھی بہت کم ہیں۔ چنانچہ انہی وجوہات کے تحت محلہ مذکور میں نئی مسجد بنانے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔ تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد مسلمانوں کی اہم ضرورت ہے، جہاں آباد ہوں گے مسجد کا بھی اہتمام کریں گے، اور کرنا چاہیے، اس نو آباد محلہ میں ضرورت ہو تو وہاں بھی بنائی جائے(۳)، مگر اس کو آباد رکھنے کی فکر وکوشش بھی لازم ہے، ایسا نہ

---

(۱) "وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(۲) "واگذار کرنا: چھڑانا، رہا کرنا، قبضہ اٹھالینا، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم: إنكم أكثرتم، وإني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من بنى مسجداً - قال بكير: حسبت أنه قال: "يبتغي به وجه الله - بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري، باب من بنى مسجداً: ۱/۶۴، قديمي)

"فيه أن التعاون في بنيان المسجد من أفضل الأعمال؛ لأنه مما يجري للإنسان أجره بعد موته". (عمدة القاري، باب التعاون في بناء المسجد: ۳/۴۰۹، إدارة الطباعة المنيرية)

"عن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (روح المعاني، (سورة التوبة: ۱۰۷): ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہاں مسجد تو جوش میں بنالیں اور آباد نہ رکھ سکیں، اس سے تبلیغ کر کے مسلمانوں کو نمازی بنانا زیادہ ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۶/۹۲ھ۔

مالک کی اجازت سے اس کی زمین میں مسجد بنانا

سوال [۱۹۸۳]: یہ عبدل محلہ کٹرہ میں رہتی ہے اور محلہ کٹرہ میں ایک بڑا مکان ہے، ایک دروازہ اور چھوٹا سا صحن ہے اور عام راستہ ہے، جس میں علی رضا خان اور احمد رہتا ہے جس نے ایک قتل بھی کیا ہے، یہ شرابی بھی ہے۔ یہ سب لوگ میرا ای صحن میں مسجد بنوانا چاہتے ہیں، وہ صحن تقریباً ۲۰/ سال سے میرے قبضہ میں ہے اور وہ اراضی حکیم ایوب صاحب کی ہے، تقریباً دو سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ حکیم صاحب نے ہم کو مسجد بنوانے کے لئے صحن دیا ہے، مگر ہم ان کی رعایا ہیں، ہم کو انہوں نے کوئی علانیہ مسجد ہونے کی نہیں دی ہے، البتہ اب حکیم صاحب کے بیٹے کہتے ہیں کہ اس جگہ مسجد بنے گی۔ کیونکہ علی رضا وغیرہ شوروپشت ہیں (۱)۔ میں غریب بیوہ عورت مجبور ہوں، کیا کر سکتی ہوں۔ یہاں پر کیا شرعاً مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ میری مرضی نہیں ہے، جبراً بنوانا چاہتے ہیں اور وہ لوگ بے نمازی ہیں۔

زوجہ ظہیر مرحوم۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس جگہ کے مالک نے یہاں مسجد بنانے کے لئے کہہ دیا ہے اور اس کا ثبوت موجود ہے تو جن لوگوں کو کہا ہے ان کو وہاں مسجد بنانا درست ہے (۲)، آپ کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ اگر آپ کے

= (وكذا في معالم التنزيل للبغوي، سورة التوبة: ۲/۳۲۰، تاليفات رشيديه ملتان)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن تتخذ المساجد في الدور وأن تطهر وتطيب" (سنن ابن ماجة، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، قديمي)

(۱) "شوروپشت: سرکش، نافرمان"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۴۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وعلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالى التسليم ليس بشرط لا في المسجد ولا في غيره من =

لئے رہنے کی جگہ نہیں ہے تو اللہ سے دعاء کیجئے کہ وہ آپ کو جگہ دے اور اللہ کا گھر بنانے کے لئے جب آپ جگہ چھوڑ دیں گے تو یقیناً آپ کے اخلاص کی برکت سے دوسری جگہ مل جائے گی۔ مسجد بنانے والے شاروپشت ہوں یا بے نمازی ہوں وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں، اللہ پاک ان کو ہدایت دے اور آپ کی پریشانی کو دور کردے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانے کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہیے

سوال [۶۸۸۵]: ایک مسجد پہلے سے ہے اور اس کے قریب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں تو شرعاً دونوں مسجدوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس مسجد میں نمازی نہیں سماسکتے، جگہ تنگ ہے، اس لئے دوسری مسجد کی ضرورت پیش آئی تو اتنی دور بنائیں کہ قراءت امام کی آواز نہ ٹکرائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۰/۹۱ھ۔

= الأوقاف، فإذا قال: جعلت هذا مسجداً وأذن الناس بالصلاة فيه، يتم ذلك". (فتاوی قاضی خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۰/۳، رشيديه)

"وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: يزول ملكه بمجرد القول الذي قدمناه صحة الوقف به". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۰۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى: يزول بمجرد قول الواقف، ولا يجوز بيعه، ولو مات لا يورث عنه". (فتاوی قاضی خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۵/۳، رشيديه)

"لأنهم اتفقوا على صحة الوقف بمجرد القول". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرط الواقف معتبر الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

(۱) حضرت مفتی صاحب نے یہ احتیاط کی بنا پر بات کہی ہے ورنہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر ایک مسجد کے درمیان=

مسجد قدیم میں پنجوقتہ نماز ہو اور جمعہ کے لئے مستقل مسجد بنانا

سوال [۱۰۹۰]: اگر کسی مسجد میں صرف پنجوقتہ نماز ادا کرلیا کریں، دو یا ایک یا دو آدمی اور قریب کی مسجد صرف جمعہ پڑھنے کے ارادہ سے بنائی جائے تو اس صورت میں اس قریب موضع میں مسجد صرف جمعہ کے لئے بنانا جائز ہے یا نہیں؟

زین العابدین راجستھانی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد قدیم میں لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے نہیں آتے اور دوسری جگہ جامع مسجد کی ضرورت ہے تو دوسری جگہ جامع مسجد بنانا جائز ہے(۱)، لیکن علاوہ جمعہ کے دوسری نمازیں بھی اس میں پڑھا کریں تاکہ وہ آباد

= دیوار کھڑی کی جائے اور دونوں میں الگ الگ جماعت ہو تو بھی جائز ہے

"أهل المحلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۰۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: ۱/۶۶۳، سعيد)

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۴، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/۳۲۴، تاليفات رشيديه ملتان)

"وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع" (الدر المختار). "(قوله: تغلق) لئلا تجتمع فيها جماعة" (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يتخذ المساجد في الدور، وأن تطهر وتطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهير المساجد وتطيبها، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

رہے، صرف جمعہ کیلئے مخصوص نہ کریں اور مسجد قدیم کو بھی آباد رکھنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۰/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۲/شوال/۵۵ھ۔

اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد مشترک زمین میں بنانا

سوال [۶۹۸۱]: ایک موضع میں پہلے سے ایک پختہ مسجد موجود ہے، چند روز سے مسلمانوں میں نا اتفاقی ہو کر دو پارٹی ہو گئیں، ایک پارٹی نے اس نا اتفاقی کے باعث ایک مسجد جدید تعمیر کی، لیکن جس جگہ میں مسجد تعمیر کی چونکہ مسلمانوں کی مشترک ہے اور اس کے مالک دونوں پارٹیوں کے لوگ ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کون سی مسجد میں ثواب زیادہ ہے، مسجد کی زمین دونوں پارٹیوں کی ملک ہے، لیکن قبضہ صرف دوسری پارٹی کا ہے۔ والسلام۔

سائل: مبارک حسین، دہلی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مشترک زمین میں سب مالکوں کی اجازت سے بنائی گئی تو دونوں میں نماز جائز ہے(۱) اور یہ کوشش کریں کہ کسی ایک مسجد میں نماز بند نہ ہونے پائے(۲)، لیکن پرانی یعنی پہلی مسجد میں افضل ہے(۳)، نئی مستقل مسجد جب بنالی ہے تو اس کو بھی آباد رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر نئی مسجد بغیر سب مالکوں کی اجازت کے بنائی ہے

---

(۱) "الحنفي إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً". (التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "لو الأقدم أقرب يسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ لسبقه حقيقة وحكماً، وذكر قاضي خان وصاحب منية المفتي وغيرهما أن الأقدم أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل أكيڈمي لاهور)

تو جب تک سب مالک اجازت نہ دے دیں اس میں نماز نہ پڑھی جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱/۵۷ھ۔

دفع نزاع کے لئے دو مسجدیں بنانا

سوال [۱۰۵۸۸]: ایک دیہات میں دو جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو دونوں مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے بعض مسلمان جن کی زمین میں مسجد ہے منع کرتے ہوں تو جن مسلمان کو منع کیا گیا ہے تو کیا وہ ایک نئی مسجد بنا کر جمعہ کی نماز وغیرہ ادا کر سکتے ہیں، یا جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز مسجد میں، یا اپنے گھر میں ادا کریں گے؟

نوٹ: ان دونوں مسجدوں میں پہلے سے جمعہ رائج ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص اپنی زمین میں مسجد بنادے، یا مسجد بنانے کے لئے زمین دیدے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی بھی مسلمان کو وہاں نماز پڑھنے سے روکے، نماز پڑھنے سے روکنا بڑا ظلم ہے:

﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه﴾ الآية (۲)۔

جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں، وہاں حسب ضرورت ایک سے زائد جگہ بھی جمعہ درست ہے (۳)۔ جب مسلمانوں کو ان دونوں مسجدوں میں نماز سے روکا جاتا ہے اور وہاں جانے میں جھگڑے کا قوی

---

(۱) "وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ... وأرض مغصوبة" (الدر المختار).

"وفي الواقعات: بنى مسجداً في سور المدينة، لاينبغي أن يصلي فيه، لأنه حق العامة، فلم يخلص لله تعالى كالمبني في أرض مغصوبة اهـ ... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً في قول، وغير صحيحة في قول آخر" (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ۱/۳۸۱، سعيد)

(۲) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب، وعليه الفتوى" (الدر المختار). "وقوله: على المذهب: فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر، وبه نأخذ" (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۴، سعيد) =

اندیشہ ہے کہ لڑائی ہوکر سر پھوٹیں گے، مقدمات چلیں گے تو جھگڑے سے بچنے کے لئے علیحدہ مسجد بنالینا درست ہے(۱)، پھر وہاں جمعہ بھی پڑھتے رہیں۔ نیز جمعہ کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں، کسی بھی کھلی جگہ جہاں کسی کو آنے کی رکاوٹ نہ ہو، جمعہ پڑھ سکتے ہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۱۴۰۲ھ۔

گھر کو مسجد بنادینا

سوال [۱۹۸۹]: زید کا اپنا ذاتی مکان ہے، اس نے قبضہ کے عام مسلمانوں کو تحریری اقرار نامہ روبرو عدالت کے ہوکر مسلمانوں کو دیا اور کہا کہ اس وقت سے ہمیشہ کے لئے عام طور پر میرے مکان کے اندر باجماعت نماز پنج وقتہ پڑھنے کا حق ہے، میں اور میری بیوی جب تک زندہ رہیں مکان کے اس کونہ میں رہیں گے، بقیہ تمام مکان پر کل مسلمانوں کا حق رہے گا۔

چنانچہ عام مسلمان پنج وقتہ نماز اس مکان میں جاکر ادا کرتے رہے، عدالت کا فیصلہ بھی یہی ہو چکا تھا کہ مسلمان اس مکان میں نماز ادا کرسکتے ہیں، باہر گاؤں میں مسجد بنا کر نماز ادا نہیں کرسکتے۔ گویا عدالت نے اس مکان کو مسجد قرار دے دیا تھا۔ اب زید کا انتقال ہوگیا، اس کی بیوی موجود ہے، گاؤں کے چند ہندوؤں کے ورغلانے سے اور اس کے بعض اعزاء کے کہنے پر وہ عورت اور اس کے بعض اعزاء اب نماز کے ادا کرنے میں

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة: ۱/۱۴۵، رشيدية)

(۱) "أهل المحلة قسموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۰، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: ۱/۶۶۳، سعيد)

(۲) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر الخ ... أو فنائه وهو ما حوله". (الدر المختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲/۲۴۵، رشيدية)

سکتی ہیں اور اس کو پھر مکان بنا لینے کا حق ہونا چاہتے ہیں۔

ایسی حالت میں عام مسلمانوں کو از روئے شرع شریف کیا عمل درآمد کرنا چاہئے اور ان مسلمانوں کے ساتھ جو کہ نماز پڑھنے اور مکان میں داخل ہونے سے روکتے ہیں کیسے تعلقات رکھنے چاہئیں؟ فقط والسلام۔

تحریر یوم ۱۷ دسمبر ۱۹۳۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید نے بحالت صحت وتندرستی اس مکان کو مسجد بنا دیا اور اس کا راستہ بھی الگ کر کے اس سے اپنا قبضہ ہٹا دیا اور عام مسلمانوں کو اجازت دے دی اور انہوں نے باقاعدہ اس میں اذان وجماعت شروع کر دی تو شرعاً وہ مسجد بن گئی، اب زید کی بیوی یا کسی کا اس پر کوئی حق نہیں رہا، جو دعویٰ کرے وہ لغو اور باطل ہے۔ اگر مرض الموت کی حالت میں اس مکان کو مسجد بنایا تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اور ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی اور دو تہائی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے:

"فلما جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق صار مسجداً في قولهم جميعاً، وإلا فلا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. وقالا: يصير مسجداً، ويصير الطريق من حقه من غير شرط، كذا في الكفاية. ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم يصير مسجداً" عالمگیری: ۲/ ۴۵۶(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ رجب/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرس مدرسہ مظاہر علوم۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ رجب المرجب/ ۵۸ھ۔

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً، الخ: ۲/ ۴۵۵، ۴۵۶، رشيدية)

"وإن جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول فيه، فله أن يبيعه، وفي السعالي: ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم يصير مسجداً" (التاتارخانية، كتاب الوقف، احكام المسجد: ۵/ ۸۴۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/ ۲۹۱، رشيدية)

=

غیر مسلم سے مسجد ومدرسہ کی بنیاد رکھوانا

سوال [۶۹۹۰]: کسی غیر مسلم سے کسی مسجد یا مدرسہ کی بنیاد رکھوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم اگر معمار ہو یا انجینئر ہو اور صحت سے خوب واقف ہو اور اسلام کی تعریف یا اعزاز کی نیت ہو، اس سے بنیاد رکھوانا شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۴/۹۷ھ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴/۲۷۰، ۲۷۲، سعيد)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۵، ۴۱۶، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله، لايستوون عندالله، والله لايهدي القوم الظلمين﴾ (التوبة: ۱۹)

قال الحافظ ابن كثير تحتها: "قال العوفي في تفسيره عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في تفسير هذه الآية قال: إن المشركين قالوا: عمارة بيت الله وقيام على السقاية خير ممن آمن وجاهد، وكانوا يفتخرون بالحرم، ويستكبرون به من أجل أنهم أهله وعماره ...... فخير الله الإيمان والجهاد مع النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على عمارة المشركين البيت وقيامهم على السقاية، ولم يكن ينفعهم عندالله مع الشرك به، وإن كانوا يعمرون بيته ويحرمون به". (تفسير ابن كثير: ۲/۴۰۵، مكتبة دارالسلام، رياض)

(وكذا في روح المعاني: ۱۰/۷۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "عمارتِ مسجد جس کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ مشرک کا فر نہیں کر سکتے، بلکہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری درو دیوار وغیرہ کی تعمیر سواس میں غیر مسلم سے کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)"۔ (معارف القرآن: ۴/۳۳۱، إدارة المعارف كراچی)

نئی تعمیر میں مسجد کا فرش اونچا رکھ کر نیچے تہہ خانہ بنادیا تو نماز کہاں پڑھی جائے؟

سوال [۹۹۹]: ایک پرانی مسجد کو توسیع کی غرض سے منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کی گئی اور ابتدائی شہر بنیاد کے موقع پر فرش مسجد کو پرانے فرش سے اونچا رکھنے کی تجویز بالاتفاق طے پائی، لیکن مٹی سے پاٹ کر اونچا کرنے کے بجائے یہ صورت آسان سمجھی گئی کہ دیواروں کی کرسی اونچی اٹھا کر درمیان میں پڑے بنا کر بجائے مٹی سے پُر کرنے کے بجائے لنٹر ڈال دیا جائے تاکہ نچلا حصہ بھی بوقت ضرورت کارآمد ہو سکے اور جمعہ کے دن یا جب بھی مصلیوں کی کثرت ہو اس کا دروازہ کھول کر اس حصہ سے بھی کام لیا جائے۔

اور اس بارے میں مقامی علمائے کرام اور مفتی مدرسہ مظاہر علوم ناظم وغیرہ حضرات سے مشورہ بھی کیا گیا اور بہت سے علمائے کرام نے مسجد مذکورہ کو تشریف لا کر ملاحظہ بھی کیا۔ چنانچہ تقریباً ۶ فٹ زمین سے اونچی کرسی اٹھا کر پرانے فرش کے قائم مقام فرش کے واسطے لنٹر ڈال دیا گیا اور اس فرش تک چوڑا زینہ بنوا دیا گیا کہ ہر شخص جو مسجد میں داخل ہونا چاہے وہ سیدھا اس فرش پر پہنچے۔ اور اس فرش سے نچلے حصہ میں سامنے دروازہ نہیں رکھا گیا، بلکہ شبہ سے بچنے کے لئے دوسری طرف دروازہ رکھا گیا۔

اب مسجد کی موجودہ حیثیت یہ ہے کہ باہر سے کوئی شخص مسجد کے سامنے آئے تو فرش مذکورہ ہی کو اصل مسجد سمجھے گا، نچلے حصہ کی طرف اس کا ذہن بھی نہ جائے گا اور اگر یا فرض نچلے حصہ میں جماعت کی نماز ہو رہی ہو تو اس سے اس کو علم بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ بغیر رہنمائی کے اس نچلے حصہ میں وہ بآسانی پہنچ بھی سکتا ہے۔

۱... یہ فرش جو نماز پنجگانہ کے لئے بنایا گیا یہ فرش کے حکم میں ہے یا چھت کے، جب کہ پہلا فرش نچلے حصہ کی صورت میں ہے؟

۲... مسجد کا اصل حصہ کون سا حصہ ہے، یہ فرش جو پرانے فرش کا قائم مقام سمجھا گیا یا وہ نچلا حصہ جسے ہنگامی ضرورتوں کے لئے بنوایا گیا، مسجد کے حکم میں مسجد کا کل حصہ ہوتا ہے یا بعض (یعنی باعتبار تحت وفوق کے)؟

۳... نماز پنجگانہ کس حصہ میں ادا کی جانی چاہئے؟

۴... اگر اوپر والے فرش پر نماز پڑھی جائے جس کو اسی غرض سے بنایا گیا ہے اور اس میں ہر طرح کی سہولت بھی ہے (کیونکہ نچلا حصہ بوجہ پست ہونے کے اس میں تاریکی وحبس ہے، نہ اس میں ہوا آنے کی کوئی صورت ہے) تو نماز بلا کراہت درست ہوگی یا نہیں؟

۵... حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتاویٰ دار العلوم جدید ۳/۱۵۰، سوال: ۱۲۳۱، کے تحت فرماتے ہیں کہ:

"بعد نقل عبارت شرح خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارات سے جواز نماز فرش مسجد معلوم ہوتا ہے، اور بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے"(۱)۔

صورت مسئولہ میں اس فتوے سے گنجائش فرش مذکور پر نماز ادا کرنے کی نکل سکتی ہے یا نہیں؟

۶... اگر اصل مسجد نچلا حصہ ہے، وہ اسی میں نماز پڑھنی ضروری ہے اور اس کو خالی چھوڑ کر اوپر کے فرش پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، تو چونکہ یہ حصہ پست ہونے کی وجہ سے تاریک بھی ہے، اس میں حبس بھی ہے اور دروازہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے اجنبیوں کے لئے غیر معروف بھی اور دوسری کئی دقتوں کے پیش نظر اس اصل مسجد کی پوری عمارت کو مٹی بھر کر ضائع اور بیکار کر دینا کیا درست ہے؟ یعنی اس سے وقتی ضرورتوں پر مصرف میں لانے کے لئے کارآمد اور باقی رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے، یا نا قابل استعمال اور بیکار رہنے دینا ضروری ہے، یا پھر طوعاً وکرہاً اسی حصہ میں نماز ادا کرنا لازمی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقہاء نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا اور اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے(۲)، اسی پر قیاس کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیری میں تحریر ہے کہ ہر مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے، لہذا شدت گرما کے وقت مسجد کی چھت پر جا کر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے:

"الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ، ولهذا إذا اشتد الحر یکره أن یصلوا بالجماعة

---

(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مسجد کی دوسری منزل میں نماز پڑھنا کیسا ہے: ۳/۱۵۰، (رقم السوال: ۱۲۲۱)، إمدادیہ ملتان)

(۲) "ویکره الصلاة علی سطح الکعبة لما فیه من ترک التعظیم". (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة وما لا یکره: ۱/۱۰۸، رشیدیه)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الصلاة في الکعبة: ۲/۲۵۳، سعید)

(وکذا في الحلبي الکبیر، کراهة الصلاة، الفرع، ص: ۳۹۳، سهیل اکیڈمی، لاهور)

فوقه، إلا إذا ضاق المسجد، فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة، كذا في الغرائب".

عالمگیری: ۵/۳۲۲، ہندی(۱)۔

لیکن صورتِ مسئولہ میں مسجد کی جو چھت بن چکی ہے، اس فرشِ مسجد کو مسجد کی چھت کا حکم نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس نئی عمارت کی جو چھت ہے، وہ سطحِ مسجد ہے اور سابقہ مسجد بمنزلہ سرداب کے ہے، جس کو مصالحِ مسجد کے لئے محفوظ کردیا گیا ہے، سخت دھوپ اور لو کے وقت میں اس میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لئے اس کو مٹی سے پُر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسجد تحت الثریٰ سے فوق الثریا تک مسجد ہوتی ہے یعنی اس سے حق العبد منقطع ہوتا ہے، جیسا کہ البحر الرائق اور شامی وغیرہ میں تصریح ہے(۲)۔

جس طرح عامۂ مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں: ایک شتوی، ایک صیفی (مسقف اور صحن) اور دونوں حصوں میں حسبِ مصالح نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر مسجد کے دو حصے ہوں: ایک فوقانی، ایک تحتانی تو ان دونوں میں بھی نماز درست ہے(۳)، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ سطحِ مسجد پر چڑھنے کی وجہ سے

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۲، رشيدية)

"ويحكى عن شمس الأئمة الحلواني: الصلاة على الرفوف في المسجد الجامع من غير ضرورة مكروهة، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد ولم يجد موضعاً يصلي فيه، فلا بأس به".

(التاتارخانية، كتاب الصلوة، مايكره للمصلي ومالايكره: ۱/۵۹۹، ادارة القرآن كراچي)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۷۰، سعيد)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) "وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]، بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۳) "ويكره المجامعة فوق المسجد والبول والتخلي، لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (الهداية، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة: ۱/۶۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۲/۶۰، رشيدية) —

احترام مسجد باقی نہیں رہا، عرفاً اس کو سطح نہیں کہتے، بلکہ سطح تو اوپر والی منزل کی چھت ہے اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاویٰ سے تو سطحِ مسجد پر بھی نماز میں کراہت معلوم نہیں ہوتی۔

امید ہے کہ آپ کے تمام سوالات کے جواب واضح ہو جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۱۳۹۹ھ۔

اختلافِ مکتبِ فکر کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال [۱۱۹۰۲]: دیوبندیوں کو بریلوی صاحبان بُرا بھلا کہتے ہیں، نیز اکابر علمائے دیوبند کو بُرا کہتے ہیں، مسجد میں نماز پڑھنے سے جھگڑے کا زبردست خطرہ ہے۔ کیا اس صورت میں دوسری مسجد بنا سکتے ہیں؟ دیوبندیوں نے ایک جگہ مسجد کے لئے مقرر بھی کر لی ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دوسری مسجد کی ضرورت بھی ہے اور اس میں جھگڑے سے بھی امن ہے تو دوسری مسجد بنانا درست ہے، بلکہ قرینِ مصلحت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۲ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل: يكره استقبال القبلة الخ: ۱/۳۲۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، فصل: وكره عنه توجه الخ: ۱/۱۹۰، مكتبه غفاريه كوئته)

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، التوبة: ۱۰۷، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/۳۲۷، تاليفات اشرفيه، ملتان)

عاشورہ خانہ کو مسجد بنانا

سوال [۶۹۹۴]: ایک ہندو نے لیبری کے لئے مسلمانوں سے اراضی مانگی اور اس کے عوض ایک عاشورہ خانہ بنوادیا تو اب گاؤں میں مسجد کی ضرورت ہے۔ تو اس عاشورہ خانہ کو مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں مسجد کی ضرورت ہے تو مشورہ سے اس عاشورہ خانہ کو مسجد بنا لینا درست ہے ( )۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

سڑک پر مسجد کی ڈاٹ اور وہ منزلہ مسجد

سوال [۷۰۰۰]: مسجد واقع سبزی منڈی شاہجہاں پور میں تنگ ہونے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے، لہذا متولی مسجد واہل محلہ کی رائے ہوئی کہ مسجد دو منزلہ بنوائی جائے اور صحن بالا خانہ سڑک تک جانب پورب (۲) بنایا جائے، اس طریق سے مسجد میں توسیع ہو جائے گی اور نمازیوں کے واسطے خارج سڑک

( ) "فلو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس في الدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۳، رشيدية)

"رجل له ساحة لا بناء فيها، أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة . . . إن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصاً بأن قال: صلوا فيها أبداً . . . صارت الساحة مسجداً، لو مات لا يورث عنه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۵۵، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۰، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "پورب: مشرق"۔ (نور اللغات، ص: ۸۹۳، فیروز سنز لاہور)

"مشرق: سورج نکلنے کی سمت، پورب، مشرقی علاقہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۰۸، فیروز سنز، لاہور)

پر ڈاٹ لگانا جائز ہے (۱) جب کہ چونگی اجازت دیدے، صرف ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنے کی اور زمین چونگی کی ملک ہے اور راہگیروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، کیونکہ ڈاٹ زمین سے بارہ چودہ فٹ بلند ہوگی، نماز اس ڈاٹ پر جائز ہوگی یا نہیں اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس مسجد میں تالاب پر ڈاٹ لگانے کی اجازت دی جا چکی ہے اور اس پر بھی نماز ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سڑک پر ڈاٹ لگا کر نماز پڑھنا صورت مسئولہ میں شرعاً درست ہے اور جب کہ صحن مسجد کے ساتھ یہ ڈاٹ متصل ہے اور صفوف مسجد وہاں تک متصل ہیں تو جماعت کا ثواب بھی ملے گا (۲)، لیکن یہ ڈاٹ مسجد شرعی کے حکم میں نہ ہوگی، کیونکہ مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک کسی کی ملک نہیں ہوتی، بلکہ محض خدا وقف ہوتی ہے (۳) اور یہاں ڈاٹ کے نیچے سڑک ہے جو چونگی کی ملک ہے۔ مقامی مصالح (مثلاً اندیشہ فساد) کی خیر

---

(۱) "ڈاٹ دوسری منزل میں جو محض چار فٹ چھت پر لگا ہوا ہے"۔

(۲) "لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به، ليس بينهما طريق، فاقتدى به، صح اقتداؤه عندنا؛ لأنه إذا كان متصلاً به، صار تبعاً لسطح المسجد، وسطح المسجد له حكم المسجد". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۱/۵۸۶، سعيد)

"ولو قام على دكان خارج المسجد متصل بالمسجد، يجوز الاقتداء، لكن بشرط اتصال الصفوف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء الخ: ۱/۸۸، رشيدية)

(۳) "ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق، وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس بالدخول، فله بيعه ويورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالى، لبقاء حق العبد متعلقاً به ..... وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸]". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيدية)

مذہبی جلوس کے گزرنے کے وقت) کا مشورہ ارباب حل وعقد اور وہاں کے تجربہ کار بڑوں اور علماء سے موقع دکھلا کر لیا جائے۔

دو منزل مسجد بنا کر عام طور پر نیچے کا حصہ بیکار کر دیا جاتا ہے، معمولی سی گرمی کو بہانہ بنالیا جاتا ہے، صرف اوپر کے حصہ پر نماز ہوتی ہے، حالانکہ اصل مسجد نیچے کا حصہ ہے اور مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ بھی ہے، اس لئے ایسی حالت میں دو منزلہ مسجد بنانا مناسب نہیں۔ ہاں! اگر بالاصالۃ مسجد کے نیچے کے حصہ میں جماعت ہو اور مجمع کی تنگی کی وجہ سے متصل چھت پر کھڑے ہو جائیں تو شرعاً جائز ہے، اور اس سہولت کے لئے دو منزل مسجد بنانے یا مسجد کی چھت پر سائبان ڈالنے میں مضائقہ نہیں، مگر سہارنپور میں تو یہی مشاہدہ ہے کہ نیچے کا حصہ اکثر بیکار رہتا ہے:

"ویکرہ تحریماً الوطء فوقہ والبول والتغوط؛ لأنہ مسجد إلی عنان السماء اھ". درمختار۔ قال الشامی: "ثم رأیت القہستانی نقل عن المفید کراہۃ الصعود علی سطح المسجد اھ ویلزمہ کراہۃ الصلوۃ أیضاً فوقہ، فتأمل. (قولہ: لأنہ مسجد) علۃ الکراہۃ ما ذکر فوقہ. قال الزیلعی: ولہذا یصح اقتداء من علی سطح المسجد بمن فیہ إذا لم یتقدم علی الإمام. (قولہ: إلی عنان السماء) وکذا إلی تحت الثری اھ". رد المحتار: ۱/۶۸۶ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۷/۵۸ھ۔

صحیح: عبداللطیف، عفی عنہ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/رجب/۵۸ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی أحکام المسجد: ۱/۶۵۶، سعید)

"الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ، ولہذا إذا اشتد الحر، یکرہ أن یصلوا بالجماعۃ فوقہ، إلا إذا ضاق المسجد، فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ، کذا فی الغرائب". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشیدیہ)

"قولہ: (والوطء فوقہ والبول والتخلی) أی یکرہ الوطء فوق المسجد، وکذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد لہ حکم المسجد، حتی یصح الاقتداء منہ بمن تحتہ". (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا، فصل: کرہ استقبال القبلۃ: ۲/۶۰، رشیدیہ)

محلہ میں مسجد تعمیر ہونے کے بعد نماز کہاں ادا کی جائے؟

سوال[۶۰۰۵]: شیخ انصاریوں نے مسجد کا سلسلہ قائم کیا اور بنیاد کھود دی گئی اور پھر سب لوگوں نے چندہ دیا اور تمام مسلم ہر وقت پر جد وجہد کرتے رہے کہ مسجد تیار ہو جائے، لیکن ہم لوگوں کی بدقسمتی کہ تیار تو کرنہ سکے البتہ جھگڑا ضرور کرلیا۔ برادران جھوجھہ تقریباً بائیکاٹ ہیں، اگر وہ اس میں نماز پڑھنے آتے ہیں تو لوگ اعتراض کرتے ہیں، اور مسجد کے قریب زیادہ تر برادران جھوجھہ ہی ہیں اور کم برادران انصاری ہیں۔

یہ لوگ مسجد پر کوئی توجہ بھی نہیں دیتے، نماز کا اہتمام بھی نہیں کرتے، اذان بھی کسی وقت پر نہیں ہوتی، کبھی کبھی جماعت بھی نہیں ہوتی ہے۔ اگر ان کو بطور مشورہ کے کہا جاتا ہے تو جھگڑا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسجد ہماری ہے۔ تقریباً چار سال کا عرصہ ہوا کہ اس میں نماز شروع کردی تھی۔ ہم کو اس بات کا خوف ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو جائے اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں۔ اگر کوئی ان کی برادری سے الگ کا انسان ان کو مسجد کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے ایک بیٹھک ہماری ہے اور حقہ بھر کر رکھ دیتے ہیں، بس جس کی سمجھ میں آئے پیئے نہ پیئے، ہم تو کہنے کے لئے نہیں جائیں گے۔

براہِ کرم مطلع فرمائیں کہ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس وجہ سے کہ ہم لوگوں کا رہنا اس کے قریب ہے، ورنہ ہماری مسجد دوسری ہے جو ہمارے بڑوں کی تھی، اب ہم کو محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم ہے یا مسجدِ سابق میں؟ اور یہ سب باتیں مسجد میں پیش آئی ہیں۔ براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدِ محلہ کو آباد رکھنا لازم ہے، اس کو ویران چھوڑنا بہت بڑا جرم ہے(۱)۔ مسجد کسی کی ذاتی ملک

■ (وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة: ١/١٤٣، شركة علمية ملتان)

(١) "رجل صلى في المسجد الجامع لكثرة الجمع لا يصلي في مسجد حيه، فإنه يصلي في مسجد منزله. وإن كان قومه أقل، ولم يكن في مسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إلى مسجد منزله ويؤذن فيه ويصلي وإن كان واحداً؛ لأن لمسجد منزله حقاً عليه، فيؤدي حقه ...... قالوا: يؤذن هو ويقيم ويصلي وحده، ذلك أحب من أن يصلي في مسجد آخر". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في المسجد: ١/٦٧، رشيدية)

نہیں(۱)، ہر مسلمان کو اس میں نماز پڑھنے کا حق ہے، لیکن وہ جھگڑا نہ کریں، نماز پڑھنے دیں(۲)، تو پھر دوسری مسجد میں جا کر پڑھ لیا کریں، جھگڑا نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۰ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۵۵، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل السادس والعشرون في المسجد: ۱/۲۲۸، رشيدية)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ الآية (الجن: ۱۸)

"وإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن" (الدر المختار) "(قوله لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، شركت علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

قال العلامة الآلوسي: "وظاهر الآية العموم في كل مانع وفي كل مسجد، وخصوص السبب لا يمنعه ...... ﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها". (روح المعاني: ۱/۳۶۲، ۳۶۳، (البقرة: ۱۱۴)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الفصل الثاني في مسجد الضرار

(مسجد ضرار کا بیان)

مسجدِ ضرار

سوال[۱۱۰۶]: ایک مسجد نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے تعمیر کی گئی تھی، پھر کسی مصلحت کی وجہ سے مثلاً یہ مسجد محلہ سے ایک طرف ہے، یا پانی وغیرہ کا انتظام درست نہیں، یا اور کوئی صورت پیش آئے اور یہیں جگہ سے دوسری جگہ، تعلق نہیں تھا اس مسجد کے چھپر یا اینٹ وغیرہ کو منتقل کر دیا۔ اب اس دوسری مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اس کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس دوسری مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق آئے گی یا نہیں اور مسجد منتقل کرنا کیسا ہے؟

طیب الدین، متعلم مدرسہ، ۸/ جمادی الثانیہ ۵۵ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"قيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". مدارک: ۲/۱۱۱(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس مسجد سے مقصود ریا وشہرت ہو اور کوئی خلاف شرع امر ہو، یا غیر طیب مال سے بنائی جائے، مسجد ضرار کے حکم میں ہے، در سوال میں کوئی ایسا امر ظاہر نہیں کیا گیا جس سے اس مسجد کو مسجد ضرار کے

---

(۱) (تفسير المدارك: ۱/۴۹۵، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء وسمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربي بيروت)

نظر میں باطل نہیں جاتی۔ سو مسجد ثانی کا حکم تو یہ ہے کہ اگر وہاں باقاعدہ مسجد بن گئی اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو اس میں نماز درست ہے، اس کا احترام ضروری ہے، کوئی کام اس میں احترامِ مسجد کے خلاف کرنا جائز نہیں، کیونکہ جو مسجد کہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتی ہے۔

"فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملّك عند الإمام، ولا يعار ولا يرهن"(۱)۔ "ولو خرب ما حوله، واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني، وبه يفتى اهـ". تنوير ۳/۳۷۲(۲)۔

مسجد کا منتقل کرنا بھی: ایک مسجد کو جگہ کے عوض دوسری جگہ مسجد بنانے کے لئے بیچنا جائز نہیں۔

"لو كان مسجد في محلة ضاق على أهله، ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له ليدخله في داره، ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خير له، فيسع فيه أهل المحلة، قال محمد رحمه الله تعالى: لا يسعهم ذلك، كذا في الذخيرة

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"(قوله لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء ... أما امتناع التمليك، فلما بيّنا من قوله عليه السلام: "تصدق بأصلها لا يباع ولا يورث ولا يوهب" (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۲۲، رشيدية)

(۲) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/ ۴۵۸، رشيدية)

"إذا خرب وليس له ما يعمر به، وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية، أو لم يخرب لكن خربت القرية بنقل أهلها واستغنوا عنه، فإنه يعود إلى ملك الواقف أو ورثته. وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي" (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/ ۴۵۸، رشيدية)

اھ" عالمگیری: ۲/۴۶۲-۴۶۳ (۱)۔

دوسری مسجد اول کا سامان نقل کرنا مسجد ثانی کی طرف جب تک کہ مسجد اول آباد ہے ناجائز ہے(۲)، ہاں! اگر ایسی صورت ہوجائے کہ مسجد اول بالکل غیر آباد ہوجائے اور کوئی اس میں نماز پڑھنے والا موجود نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ مسجد کا سامان دوسرے لوگ اٹھا کر لیجائیں گے، تب اجازت اس سامان کو مسجد ثانی میں لگا دینا شرعاً درست ہے، کذا فی رد المحتار: ۳/۳۷۲ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۹/۵۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ جمادی الثانیہ/۵۵ھ۔

ذاتی اغراض کی وجہ سے قدیم آباد مسجد کو مسجد ضرار کہہ کر ویران کرنا

سوال[۷۱۱۶]: ایک مسجد بہت مدت سے آباد ہے، متولی مسجد نے اغراض ومقاصد کی وجہ سے

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۶۳، رشيدية)

"ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخله في داره، ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خير له، فيسع فيه أهل المسجد ذلك، قال محمد رحمه الله تعالى: لا يسعهم ذلك" (التاتارخانية، كتاب الوقف، احكام المساجد: ۵/۸۶۶، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "(قوله: عند الإمام الثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى. حاوي القدسي" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، احكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(۳) "سئل شيخ الإسلام عن أهل القرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۵۹، سعيد)

اس مسجد کو توڑ کر ۲۰۰ قدم یا ۵۰۰ قدم پر ایک دوسری مسجد بنوائی ہے، آیا اس طرح مسجد قدیم کو ویران کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر شخص مذکور ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا﴾ (۱) کی وعید میں داخل ہوگا یا نہیں؟

آیت کریمہ ﴿اتخذوا مسجداً ضراراً﴾ کے تحت میں تفسیر کبیر میں ہے:

"قال الواحدي: قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ومجاهد وقتادة وعامة أهل التفسير: ﴿الذين اتخذوا مسجداً ضراراً﴾ كانوا اثني عشر رجلاً من المنافقين، بنوا مسجداً يضارون به مسجد قباء" (۲)۔

تفسیر احمدی ص: ۴۷۸ میں ہے:

"قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه" (۳)۔

اس تفسیر کے مطابق آیا وہ مسجد ضرار میں داخل ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد کہ شرعاً مسجد بن چکی ہو، اس کو بلا ضرورت شدیدہ منہدم کرنا جائز نہیں (۴) اور ضرورت شدیدہ مثلاً تنگی، کہنگی (پرانی ہونا) کی وجہ سے توڑ کر از سر نو تعمیر کرنا جائز ہے (۵)، لیکن ویران کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) (التفسير الكبير: ۱۶/۱۴۲، (التوبة: ۱۰۷)، دار الكتب العلمية طهران)

(۳) (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، حقانيه پشاور)

(۴) "وأما لو تمت المسجدية ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۵) "المسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه أحكم، ليس له ذلك، لأنه لا ولاية له، إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، وتأويله إن لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهلها فلهم أن يهدموه ويجددوا بناءه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

لقوله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ قال البيضاوي تحت قوله: ﴿في خرابها﴾: "بالهدم أو التعطيل". (البيضاوي (۱))۔

تفسیر مدارک التنزیل ص: ۴۹۰ میں ہے:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار" (۲)۔

بنا بریں اگر متولی نے واقعی اغراض فاسدہ کی وجہ سے دوسری مسجد بنائی ہے اور پہلی مسجد کو ویران کرنا مقصود تھا اور للہیت مقصود نہ تھی تو یہ مسجد ضرار کے ساتھ لاحق ہے۔ البتہ اگر وہ مسجد مال حلال سے بنائی گئی ہے اور شرعی طور پر وقف ہو چکی ہے تو نماز پڑھنا اس میں بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبد اللطیف، ۳/صفر/۵۳ھ۔

نئی مسجد، مسجد ضرار نہیں

سوال [۶۹۱۸]: کچھ عرصہ ہوا ہمارے قصبہ میں ایک مکان سے تقریباً ۹۰/ ہاتھ کے فاصلہ پر شمال جانب ایک مسجد پکی تھی، محلہ کے لوگ جو کہ اس میں تقریباً ۴۸، ۴۹/ سال سے نماز جمعہ و جماعت ادا کرتے تھے اور مسجد کی جانب شمال مشرق میں ایک عام سڑک ہے جو اس صورت پر ہے: جہاں دن رات اکثر موٹر و سواری کا ہجوم رہتا ہے، مصلیان مسجد بوقت نماز تنگی اور بہت اکثر ہجوم کے شور و غل سے پریشان رہتے تھے اور آخر اوقات

(۰) (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به ۲/۴۵۶، رشيدية)

(۱) (تفسير البيضاوي (البقرة: ۱۱۴)، ص: ۱۰۲، مير محمد كتب خانه)

(۲) (مدارك التنزيل: ۱/۵۱۹، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء وسمعة، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار" (الكشاف: ۲/۳۱۰، (التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۰، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مستورات کی آوازیں بھی پہونچ جایا کرتی تھی جس کی وجہ سے خطرات وتفکرات پیدا ہوتے تھے۔ لہٰذا اکثر نمازیوں کی دلی خواہش تھی کہ اس ضرر کو کسی طرح دفع کرنا چاہئے۔

اسی اثناء میں ایک متولی صاحب نے ایک مسجد چمن سے ہٹانے کا شوق ظاہر کیا تو تمام نمازیوں اور مقتدیوں، متولیوں نے مسجد کے لئے بصد خوشی ایک قطعہ تقریباً ۲۵×۳۰ گز فاصلہ پر مسجد مذکورہ سے مشرق کی جانب متعین کردی۔ متولی مذکور نے اس متعینہ جگہ پر ایک مسجد کچی کی دیوار اور ٹین کی چھت لوجہ اللہ تیار کردی اور محلہ کے تمام نمازی باتفاق رائے اس میں نماز جمعہ اور پنج وقتہ نماز باجماعت اکتالیس ۴۱/سال سے بلاشک وشبہ پڑھتے ہیں اور وہ پھونس کی مسجد آہستہ آہستہ منہدم ہوگئی ٹوٹ پھوٹ گئی اور کوئی چیز اس کی نہ تو کہیں منتقل ہوئی اور نہ استعمال کی گئی۔ اس کے بعد مالک جگہ نے تقریباً ۱۵/سال کے بعد ایک بیٹھک گھر ۲۲×۳۵/ہاتھ تیار کردیا، عام طور پر اس کو استعمال کرتے ہیں۔

فی الحال کوئی عالم صاحب کہتے ہیں جو مسجد بنائی گئی وہ مسجد ضرار ہے، لہٰذا وہ مذکورہ پھونس کی مسجد کی جگہ میں جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر محلہ کے نمازی دو فریق ہوکر ایک فریق مسجد منتقلہ میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں، دوسرا فریق اسی گھر میں آج تین چار مہینہ سے نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ اب اس میں سے کون مسجد ضرار ہوگی؟ بینوا توجروا۔

احمد علی، مقام مرزا نشلا، پوسٹ ہنڈو باڑی، ضلع رنگ پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسری مسجد جب کہ ضرورت مذکورہ کی وجہ سے بنائی گئی ہے اور مالک زمین نے بخوشی وہ جگہ مسجد کے لئے دیدی اور اس پر باقاعدہ نماز وجماعت ہونے لگی اور مالک اصلی کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں رہا تو وہ شرعی مسجد بن گئی وہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل نہیں (۱)، لہٰذا اس میں نماز وجماعت بلاشبہ درست ہے۔ اگر جمعہ کے شرائط اس

---

(۱) "حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه، فصلى فيه جماعة، فإنه يصير مسجداً .... وفي ملتقط الناصري: وإذا بنى مسجداً لا يصير مسجداً حتى يقرّ بلسانه أنه مسجد، لا يباع، ولا يوهب، ولا يرهن، ولا يورث. ... ... وقال أبو يوسف: يصير مسجداً بقوله: جعلته مسجداً". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۳۹، ۸۴۰، إدارة القرآن كراچی)

بستی میں پائے جاتے ہیں تو جمعہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں (۱)۔ پہلی مسجد بھی جب کہ باقاعدہ مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہے، منہدم ہوجانے اور ٹوٹ جانے سے بھی وہ مسجد ہی رہے گی (۲)۔

بہتر یہ تھا کہ ضرورتِ مذکورہ کی وجہ سے دوسری مسجد نہ بناتے، بلکہ شور وغل وغیرہ جو نماز میں مخل ہوتا اس کو دفع کرنے کا کوئی اچھا انتظام کردیتے، تاہم جب دوسری مسجد بن گئی تو دونوں کو آباد رکھنا چاہئے، قصداً کسی مسجد کو چھوڑنا اور غیر آباد کرنا جائز نہیں (۳)۔

اگر پہلی مسجد بالکل گر گئی اور اس کو درست کرنے کی گنجائش نہیں اور غیر آباد ہے، کسی صورت سے اس کو آباد نہیں کیا جاسکتا ہے تو اس کا ایک احاطہ بنا کر اس کو محفوظ کردیا جائے اور اس کا وہی احترام کیا جائے جو کہ ایک مسجد کا شریعت نے بتایا ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ذی الحجہ/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲/ذی الحجہ/۵۵ھ۔

نزاع سے بچنے کے لئے دوسری مسجد بنانا، کیا وہ مسجد ضرار ہے؟

سوال [۶۹۹۹]: ایک مسجد میں کچھ نزاع کی بنا پر نمازیوں میں اختلاف ہوگیا اور دو مسجدیں بن گئیں، ایک مسجد والوں نے اپنے ہم خیال بدعتی عالم کو بلوا کر قریب اذان کی صورت شروع کردی۔ بعض ان

---

(۱) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، رشيدية)

(۲) "ولو خرب ما حوله، واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي" (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيدية)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه، وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۲)

میں صلح پسند، دیو بندی خیال رکھنے والے لوگ ہیں، جو اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ تو کیا ان صلح پسندوں کے لئے یہ گنجائش ہے کہ ایک مستقل مسجد بنالیں اور اسے مسجد ضرار تو نہ کہیں گے؟ یہاں کے بعض عالم وہی بدعتی خیال اس کو مسجد ضرار کہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ویسے تو افتراق امت کا جھگڑا بہت برا ہے، لیکن اگر نزاع کی بنیاد اس قسم کی چیز ہے جو صورت مسئولہ میں مذکور ہے اور پھر جھگڑے کو دور کرنے کے لئے یہ طریق اختیار کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ صلح پسند لوگوں نے جس مسجد کے بنانے کا ارادہ کیا ہے ان کا مقصد تخریب اذہان کے فتنے سے بچنا ہے، اس مسجد کو مسجد ضرار کہنا بہت برا ہے (۲)۔

قرآن پاک میں جس کو مسجد ضرار کہا گیا ہے اول تو اُسے مسجد کہنا ان کفار کے نام رکھنے کی وجہ سے تھا (۳)، ورنہ فی الحقیقت وہ دشمنان خدا اور رسول کا اڈہ تھا اور پھر نص قرآنی بتلا رہی ہے کہ مسجد بنانے کا باعث چار چیزیں تھیں: مؤمنین کو نقصان پہنچانے کا قصور اور خود بنانے والوں کا کافر ہونا اور مؤمنین کے درمیان تفریق پیدا کرنا اور دشمنان خدا اور رسول کے لئے مورچہ فراہم کرنا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿والذين اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً وتفريقاً بين المؤمنين وإرصاداً لمن حارب الله ورسوله من قبل﴾ (۴)۔

---

(۱) "أهل المحلة قسموا المسجد، و ضربوا فيه حائطاً، و لكل منهم إمام على حدة، و مؤذنهم واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۳، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيراً من الظن، إن بعض الظن إثم﴾. (الحجرات: ۱۲)

(۳) "کفار کے نام رکھنے کی وجہ سے تھا" مطلب یہ نہیں کہ مسجد نام "ضرار" ان کفار نے رکھا تھا کیونکہ ضرار تو قرآن پاک نے کہا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کو "مسجد" کہنا ان کفار نے شروع کیا تھا ورنہ درحقیقت وہ مسجد تھی ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک سازش کا اڈہ تھی۔ (از واجبات تعلیم مولانا ابن الحاشی)

(۴) (سورة التوبة: ۱۰۷)

تاہم اگر مسجد جدید باقاعدہ مسجد بن چکی ہے تو اس میں جمعہ وغیرہ درست ہے اور اس کو مسجد ضرار کا حکم دیکر اس میں نماز کو ناجائز کہنا، یا اس کو منہدم کرنا قطعاً درست نہیں(۱) اور مسجد قدیمہ کی آبادی بھی حتی الوسع لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۹/۷/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبداللطیف، ۱۰/ رجب/۵۳ھ۔

بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۱]: ہمارے موضع کے چند شر پسند افراد و چند غیر پسند اور خادمانِ دین کے راستے میں برابر رکاوٹ ڈالتے رہے اور ان خادمانِ دین پر جنہوں نے اس علاقہ میں ایک مدرسہ اسلامیہ بھی قائم کیا ہو ان کے خلاف برابر شرانگیزی کرتے رہے ہیں۔ ۱۳/ رمضان/۱۳۹۸ھ کو ان شر پسند افراد نے ان خیر پسند لوگوں پر اچانک حملہ کردیا جب کہ وہ لوگ نماز مغرب ادا کرنے کے لئے جارہے تھے اور وہ لوگ گولیاں

= ويستغلوا بثمنه في الذي يليه. قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد، وعلى قول أبي يوسف لايجوز بيع المسجد بحال". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۸/۵، إدارة القرآن كراچی)

"في فتاوى الحجة: لو صار أحد المسجدين قديماً وتداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم وصرفه في المسجد الجديد، فإنه لايجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۱) "وأما لو تمت المسجدية ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لايمكن من ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر، وأقام الصلوة، وآتى الزكوة، ولم يخش إلا الله، فعسى أولئك أن يكونوا من المهتدين﴾. (سورة التوبة: ۱۸)

"وروى الترمذي عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "إذا رأيتم الرجل يعتاد المسجد، فاشهدوا له بالإيمان". (تفسير القرطبي، (سورة التوبة ۱۸) ۹۰/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور انھیوں سے منسلک تھے۔ اس لئے ان خیر پسند افراد کی جان کا خطرہ ہوگیا تھا، اس لئے ان لوگوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کرائی۔

چنانچہ انہیں لوگوں نے جنہوں نے اس حملہ کے بعد یہ نئی مسجد تعمیر کرائی ہے، مورخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۰۱ھ کو ایک جلسہ سیرۃ النبی منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا مفتی محمد واصف صاحب اور حضرت مولانا بلال اصغر صاحب اور حضرت مولانا رشید الوحیدی صاحب اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولانا حافظ اکرام الٰہی صاحب نے شرکت کی۔ اس کے بعد تقریر کی اعلان کے وہ لوگ اسی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے چلے گئے جہاں پر ان خیر پسند لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا، جب کہ دوسری جدید مسجد اس وقت دو آدمی نماز جمعہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد لوگوں نے یہ مشہور کردیا کہ مسجد جدید ناجائز ہے، اسی لئے ان علماء حضرات نے اس مسجد میں نماز جمعہ ادا نہیں کی۔

اس کے بعد لوگوں نے حضرت مولانا بلال اصغر صاحب سے گفتگو کی تو موصوف نے ہمارے اس فعل یعنی جدید مسجد بنانے اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز بتایا، ہم نے موافق طلب کرتے ہوئے ان سے کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی پیروی میں ایسا کیا ہے۔ تو اس پر موصوف نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اس لئے بیت اللہ شریف کو چھوڑا تھا کہ اس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ اس بات پر کافی مسلمانوں کو تشویش ہوئی اور مسلمانوں نے علماء کے ادب میں خاموشی اختیار کرلی۔

ہم لوگ جلسہ کے انتظام میں لگے ہوئے تھے اس لئے کسی حقیقت کا انکشاف نہ کرسکے۔ اس لئے اس بات کو بیان کرتے ہوئے ہم حضرت والا سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اگر علماء کی نظر میں یہ مسجد جدید ناجائز ہے تو پھر اس کو منکشف کیجئے کہ ہم اس مسجد کے ساتھ کیا برتاؤ کریں، کیا اس پھوس پھاس (۱) سے بنی ہوئی مسجد کو آگ لگادیں اور اس دین کو جب جان کا خطرہ ہونے کے باوجود کسی عذر کے قبول کرنے کی گنجائش نہ ہو۔ اسے بالکل الوداع کہہ دیں؟

(۱) ''پھوس: وہ سوکھی گھاس جس کا چھپر بناتے ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۰۳، فیروز سنز، لاہور)

''پھاس: پھوس، تنکا، پھانس، دھات کے پترے کی نوک''۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۸، فیروز سنز، لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد اللہ کی خوشنودی کے لئے بنانا بہت اجر وثواب کا کام ہے(۱)، آپس کی ناراضگی کی وجہ سے ایک مسجد کو ویران کرنے کے لئے دوسری مسجد بنانا شرعاً مذموم اور ناپسند ہے(۲)، لیکن اگر مسجد بنالی گئی اور وقف کردی گئی تو اس کو بھی آباد رکھنے کی ضرورت ہے، نہ اس میں آگ لگائیں، نہ ویران کریں(۳)۔

جس بستی میں شرائط جمعہ موجود ہوں اور وہاں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہو اور باہر سے آنے والے علماء جس کی مسجد میں جمعہ ادا کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے دوسری مسجد کو شرعی مسجد نہیں سمجھا یا دوسری جگہ جمعہ کو ناجائز قرار دیا۔ "دین کو اڑادیں گے" کہنے کا لفظ نہایت سخت ہے، ہرگز ہرگز ایسا لفظ زبان سے نہ کہا جائے نہ قلم سے لکھا جائے(۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۵/۱۴۰۲ھ

---

(۱) "أنه سمع عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم: إنكم أكثرتم وإني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من بنى مسجداً ... بنى الله له مثله في الجنة" (صحيح البخاري، ١/٦٤، كتاب الصلوة، باب من بنى مسجداً، قديمي)

(وسنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب من بنى لله مسجداً، ص: ٥٣، قديمي)

(۲) "قيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياءً وسمعة، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ١/٤٥٢، (سورة التوبة: ١٠٧)، قديمي)

(وكذا في الكشاف: ٢/٣١٠، (سورة التوبة: ١٠٧)، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ١١/٢٠، (سورة التوبة: ١٠٧)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"ولا تعجب من المشايخ المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء مآلهم". (تفسير الأحمدي، ص: ٤٧٨، حقانيه پشاور)

(۳) "لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ٤/٣٥٨، سعيد)

(۴) "ومن قال: أنا بريء من الإسلام، قيل: يكفر". (شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ١٨٣، قديمي)

خاندانی اعزاز کے لئے بلاضرورت مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۰]: ۱... ایک ایسے آدمی نے کہ جن کو خود نماز کی پرواہ ورنہ جماعت کی اور نہ اتباعِ سنت کے مطابق بلکہ غیر شرعی، ہی ایک قطعہ مختصر زمین مسجد کی تعمیر کے لئے اپنے خاندان کے لوگوں میں وقف کردی، مگر اس کے باوجود محض اپنی امتیازی حیثیت کے پیشِ نظر مستقل مسجد کی تعمیر کے لئے اپنی قوم سے درخواست بھی دیدی، ورانہ کے خاندان کے لوگ اپنی خاندانی حیثیت وامتیاز کے پیشِ نظر اپنی لوگوں میں چندہ فراہم کر کے تعمیر کریں۔ پھر اپنے خاندانی اعزاز کے پیشِ نظر آمادہ ہیں جب کہ اس خاندان کے افراد محلہ کی قدیم مسجد کے مستقل مصلی ہیں اور محلہ کی قدیم مسجد کے اہتمام کے پیشِ نظر اذان واقامت بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں، ان حضرات کے ہٹنے سے یقین ہے کہ قدیم مسجد غیر آباد ہو جائے گی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ محلہ کی قدیم مسجد کو غیر آباد کر کے محض اپنے خاندانی اعزاز میں نئی مسجد کی تعمیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۲... محلہ کی قدیم مسجد سے متصل اراضی ہوتے ہوئے دوسرا شرعاً کیا تعلق رکھتی ہے؟

۳... محلہ کی قدیم مسجد کی امداد و اعانت روک کر محض اپنے خاندانی اعزاز میں دوسری مسجد کی تعمیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۴... محلہ کی قدیم مسجد کا جو قرض ہے اس کی ادائیگی کا لحاظ کئے بغیر دوسری مسجد کی تعمیر شرعاً کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱-۳... مسجد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بنائی جائے تو اس میں اجرِ عظیم ہے(۱)، کسی دوسری غرض

---

(۱) "عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من بنى مسجداً يذكر فيه اسم الله، بنى الله له بيتاً في الجنة". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب من بنى لله مسجداً، ص: ۵۴، مير محمد كتب خانه)

"أنه سمع عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم: إنكم أكثرتم وإني سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم —

کے خاندان میں سے بعض افراد نے اپنے طور پر انہیں خرید کر موقوفہ زمین کی اعانت بندی کے لئے انہیں وقف کردی ہیں مگر مسجد کی تعمیر ابھی شروع نہیں ہوئی۔ اس جدید مسجد کی تعمیر سے محلہ کی قدیم مسجد کو بایں طور ضرر پہنچ جانے کا قوی امکان ہے۔

۱۔ یہ کہ واقف خاندان کے تقریباً تمام حضرات محلہ کی قدیم مسجد سے متصل مقیم ہیں، بلکہ قدیم مسجد کے نظم ونسق کے ذمہ دار بھی ہیں اور باضابطہ متولی ہیں اور وقتاً فوقتاً اذان واقامت کے امور بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ نئی مسجد کی تعمیر کے بعد یہ تمام حضرات قدیم مسجد سے منتقل ہوجائیں گے اور محلہ کی قدیم مسجد غیر آباد ہوجائے گی۔

۲۔ محلہ کی قدیم مسجد جدید تعمیرات کے باعث کافی مقروض ہے اور ابھی خود اس کی تعمیر وتوسیع نامکمل ہے۔ اس جدید مسجد کی تعمیر کی وجہ سے قدیم مسجد کے لئے یہ رکاوٹ ہے۔ تو اس حالت میں جدید مسجد کا کیا حکم ہے، تعمیر ہونی چاہئے یا تعمیر روک دینی چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں پہلے سے مسجد موجود ہے اور نمازیوں کے لئے کافی ہے تو دوسری مسجد بنانا بے ضرورت ہے، قرینِ دانشمندی نہیں ہے(۱)، اس سے پہلی مسجد کے نمازی بھی تقسیم ہوکر کم ہوجائیں گے، اخراجاتِ تعمیر مستقل ہوں گے، پھر اس کے آباد رکھنے کے بھی مصارف درکار ہوں گے، قدیم وجدید مسجدوں کو پوری طرح آباد رکھنا بھی دشوار ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس قطعہ میں نئی مسجد تعمیر نہ کی جائے، بلکہ دیگر مکانات، دوکانیں وغیرہ بنا کر قدیم مسجد میں ان کو صرف کیا جائے تاکہ وقف بھی رہے اور اس کی آمدنی مسجد کے لئے صرف ہو(۲)۔ فقط

---

(۱) "قال المصنف من بعد: يعني المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم".
(تفسیر احمدی، ص: ۴۷۸، حقانیہ پشاور)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشيدية)

زمین دیدینے سے ابھی وہ مسجد نہیں بنی(۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نافذ فرمایا تھا کہ ایک مقام پر اس طرح دو مسجدیں نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہونچے(۲)، اگر دوسری مسجد کی ضرورت ہو تو پھر وہاں مسجد بنائی جائے(۳)، اگر ضرورت نہ ہو اور پھر بھی مسجد بنائی جائے تو نماز بہر صورت درست ہو جائے گی اور مسجد کی نماز کا ثواب مل

= (وكذا في الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۰۰، رشيديه)

(۱) "وعندهما لا يصير مسجداً بمجرد البناء ما لم يوجد القبض والتسليم". (التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، الحادي والعشرون في المساجد: ۸۳۹/۵، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة توبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار احياء التراث العربي بيروت)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يتخذ المساجد في الدور، وأن تطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهير المساجد وتطييبها، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

"يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۲۰، رشيديه)

"وفي الحاوي: سئل أبوبكر عن قوم ضاق مسجدهم، فبنوا مسجداً آخر، قال: يعمرون الأول ويستغفرون بشيء في الذي بنوه. قال الفقيه: هذا الجواب على قول محمد، وعلى قول أبي يوسف لا يجوز بيع المسجد بحال". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۸/۵، إدارة القرآن كراچى)

"في فتاوى الحجة: لو صار أحد المسجدين قديماً وتداعى إلى الخراب، فأراد أهل السكة بيع القديم وصرفه في المسجد الجديد، فإنه لا يجوز". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۸۹ھ۔

ایک مسجد کی ضد میں دوسری مسجد بنانا

سوال [۷۰۰۴]: مسجد کے ہونے والے سابقہ امام متولی کے ساتھ قبل ازیں تعمیر مسجد جعل سازی کرکے قید اور جرمانہ کا مستوجب ہوا تھا، یعنی اس وقت مسجد کے تعمیر کی وجہ صرف امام مسجد متولی کے ساتھ بدلہ لینے کی ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایک مسجد ضرورت کے موافق موجود ہے اور دوسری محض ضد کی وجہ سے بناتا ہے تو یہ ناجائز ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پرانی مسجد کو چھوڑ کر متصل میں نئی مسجد بنانا

سوال [۷۰۰۵]: یہاں پر ایک پرانی جامع مسجد تھی، عوام الناس نے ظلماً اس کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ۱۰۰ گز کے فاصلہ پر عمرو جامع مسجد بنائی، درمیان پرانی جامع مسجد کے اور نئی کے صرف سڑک ہے تقریباً

---

(۱) "وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، سورة التوبة: ۱۰۷، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فالعجب من المشايخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير أحمدي، ص: ۴۷۸، سورة التوبة: ۱۰۷، حقانيه پشاور)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياءً وسمعة، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (مدارك التنزيل: ۱/۴۶۹، سورة التوبة: ۱۰۷، قديمي)

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء وسمعة أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه. هذا لفظه. فالعجب من المشايخ المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مسجداً طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". الإكليل: ۲۸۶/۳ (۱) اھ

۳: سو جب کہ یہ دونوں مسجدیں بن گئیں تو دونوں شرعی مسجد ہیں، دونوں میں نماز درست ہے، اگر نئی اور جدید تر مسجد بنائی گئی ہے تو اس کے معصوم ہونے پر حکم نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر کوئی وجہ ترجیح نہ ہو تو مسجد قدیم میں نماز افضل ہے، کسی بھی مسجد کو بے وجہ معطل کرنا گناہ اور درست نہیں (۲)، نماز و جماعت دونوں میں ہونی چاہئے اور جس کے قریب جو مسجد ہو وہ وہاں نماز پڑھے۔

جامع مسجد پر کتب فقہ میں مسجد کا اطلاق بطریق اولیٰ آتا ہے، وہاں نماز کی فضیلت پانچ سو نماز کے برابر حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے (۳) اور جامع مسجد میں اعتکاف کی فضیلت کتب فقہ میں صراحۃ

---

(۱) "الاکلیل" کتاب بیروت سے اب تک نہیں چھپی، البتہ تفسیر احمدی میں اسی طرح کی عبارت موجود ہے:

"وقيل: كل مسجد بني مباهاة أو رياء وسمعة، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار. قال صاحب الكشاف: وعن عطاء: لما فتح الله الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لا يتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه. هذا لفظه. فالعجب من المشايخ المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مسجداً طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشأنهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم". (تفسير الأحمدي، ص: ٤٨٦، (سورة التوبة: ١٠٧)، حقانيه پشاور)

(وكذا في الكشاف: ٢/٣١٢، (سورة التوبة: ١٠٧)، دار الكتاب العربي بيروت)

(٢) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ١١٤)

(٣) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "صلوة —

مذکور ہے(۱)۔

"اختلفوا: هل الأفضل مسجد حيه أم جماعة المسجد الجامع؟ ..... وإن ستوى المسجدان فأقدمهما أفضل، فإن استويا فأقربهما اه"۔ طحطاوی، ص: ۱۵۶ (۲)۔

عبارت عالمگیری سے صورت مسئولہ کو کوئی تعلق نہیں، اس سے استدلال بالکل بے محل ہے اور مجیب نے اس کا جواب صحیح دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو مسجد ضرار کہنا

سوال[۷۰۰۴]: مسلمانوں کی تیار کردہ مسجد کو مسجد ضرار کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر مسجد قدیم کو نقصان پہونچانے کے لئے عداوت کی وجہ سے دوسری مسجد بنائی جائے تو اس سے

= الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف". الحديث. (مشكوة المصابيح، باب المساجد و مواضع الصلوة، الفصل الثالث، ص: ۷۲، قديمي)

(وكذا في إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب: الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجراً، ص: ۵۵، قديمي)

(۱) "وفي الخلاصة: الاعتكاف في المسجد الحرام أفضل، ثم في مسجد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في المدينة، ثم في مسجد بيت المقدس، ثم في المسجد الجامع". (التاتارخانية: كتاب الصوم، الاعتكاف، ۲/۴۱۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص: ۷۰۰، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ص: ۲۸۷، قديمي)

"ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ بسبقه حقيقة وحكماً، كذا في الواقعات". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۳، سهيل اكيڈمی لاهور)

ثواب نہیں ملے گا، ایسا کرنا شرعاً قبیح ہے(۱)، لیکن اگر شرعی طور پر وقف کر کے مسجد بنادی گئی تو اس کو آباد کرنا ضروری ہے، اس کو مسجد ضرار کہہ کر منہدم کرنا جائز نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "قيل: كل مسجد بني مباهاة، أو رياءً وسمعةً، أو لغرض سوى ابتغاء وجه الله، أو بمال غير طيب، فهو لاحق بمسجد الضرار". (تفسير المدارك: ۱/۱۵٦، (سورة التوبة: ۱۰۷)، قديمي)

(وكذا في الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي، بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱ /۱ ۲، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۱) "فالعجب من المشائخ المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم والرسم، واستعلاءً لشانهم، واقتداءً بآبائهم، ولم يتأملوا ما في هذه الآية والقصة من شناعة حالهم وسوء أفعالهم".

(التفسير أحمدي، ص: ۴۸۳، حقانيه پشاور)

(۲) "وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

أثر ذلك، فإنه بني في المساجد المحاريب من لدن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ولو لم تبن كانت السنة أن يتقدم في محاذاة ذلك المكان؛ لأنه يحاذي وسط الصف وهو المطلوب، إذ قيامه في غير محاذاته مكروه اهـ"(۱)۔

فقہاء محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو تو مکروہ لکھتے ہیں، لیکن نفس محراب بنانے کو مکروہ نہیں لکھتے، بلکہ محراب سے باہر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے اور محراب میں سجدہ کرنے کو بھی جائز لکھتے ہیں (۲)، مع ہذا القیاس محراب کے دوسرے احکام کو بھی ذکر فرماتے ہیں: اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں محراب بنانا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۹/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۹/۵۶ھ۔

محراب بنانے میں انہدامِ مسجد کا خطرہ ہو تو کیا کرے

سوال[۷۰۰۸]: کسی مسجد کو وسعت دینے کی وجہ سے محراب اگر درمیان میں نہ رہا بلکہ اور دیوار

---

(۱) (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی لإبراہیم الحلبی الکبیر، کتاب الصلاۃ، فصل فی ما یکرہ فعلہ فی الصلاۃ، فروع، ص: ۳۶۱، سہیل اکیڈمی لاہور)

"ولا يخفى أن امتياز الإمام مقرر مطلوب في الشرع في حق المكان، حتى كان التقدم واجبا عليه، وغاية ما هنا كونه في خصوص مكان، ولا أثر لذلك؛ لأنه يحاذي وسط الصف وهو المطلوب؛ إذ قيامه في غير محاذاته مكروه". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۲/۴۵، رشيدية)

(۲) "فالحاصل أن مقتضى ظاهر الرواية كراهة قيامه في المحراب مطلقا، سواء اشتبه حال الإمام أو لا، وسواء كان المحراب من المسجد أم لا، وإنما لم يكره سجوده في المحراب إذا كان قدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم في مكان الصلاة". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة، الخ: ۲/۴۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره: ۱/۵۶۷، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

توڑ کر محراب درمیان میں بنانے سے مسجد گر جانے کا اندیشہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دیوار توڑ کر درمیان میں محراب بنانا مسجد کے گر جانے کے خطرہ سے دشوار ہے تو بغیر بنائے ہی امام درمیان میں کھڑا ہو جایا کرے اسی طرح کہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۵ھ۔

دیوارِ پشت ودرِ درمیانی محراب کا حکم

سوال[۶۰۰۱]: محراب کا حکم کراہیت قیام امام مسجد کی پشت ہی کی دیوار میں ہے یا درمیانی دیوار کا بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درمیانی دیوار کے در میں کھڑا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسے کہ دیوارِ پشت کی محراب میں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد، وهي قد عينت لمقام الإمام اهـ" (الدر المختار). "وفي التاتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة اهـ" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره: ۲/۵۹۸، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لا لأن يقوم في داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة ... والأصح ما روي عن أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه أنه قال: أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو زاوية أو ناحية المسجد أو إلى سارية، لأنه بخلاف عمل الأمة" (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

مینار، محراب اور طاق بنانا

سوال[۷۰۱۰]: مسجد کے اندر محراب میں طاق بنانا عورتوں کے طاق بھرنے کی غرض سے کیسا ہے(۱)؟ مینار، محراب، طاق بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کا طاق بھرنا مسجد کی ضرورت میں داخل نہیں (۲)، گنبد، مینار، محراب کی اگر ضرورت ہو تو ان کا بنانا شرعاً درست ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۳/شعبان/۶۱ھ۔ صحیح: عبد اللطیف۔

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلاة، ما يكره للمصلي وما لا يكره: ۲/۴۹۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۲/۳۶، رشيديه)

(۱) "طاق بھرنا: مسجد یا مزار کے طاق میں چراغ جلا کر پھول بتاشے وغیرہ چڑھانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۷۴، طبع فیروز سنز لاہور)

(۲) "وكرهوا إحداث الطاقات في المساجد، روي ذلك عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه. لتم الجامع القديم اجعل موضعاً تحت ظلة لباب لبعض المسكين لا يصح". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

"ولا يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى بزازية". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الثاني في المتفرقات: ۶/۲۸۵، سعيد)

(۳) "ويجوز أن يبنى منارة من غلة وقف المسجد إن احتاج إليها، ليكون أسمع للجيران. وإن كانوا يسمعون الأذان بدون المنارة، فلا، كذا في خزانة المفتين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

محرابِ مسجد بھی داخلِ مسجد ہے

سوال[۷۰۱۱]: یہاں پر ایک مسجد بن رہی ہے، کیا اس مسجد کی محراب شاملِ مسجد ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کی کثرت کے وقت امام محراب کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محراب تو داخلِ مسجد ہے، مگر اس کے باوجود امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ اس کے پیر پورے خارجِ محراب ہوں یا کچھ حصہ خارجِ محراب ہو، اگرچہ داخلِ محراب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بھی نماز ادا ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۸/۹۵ھ۔

محرابِ مسجد کو منتقل کرنا

سوال[۷۰۱۲]: مسجد کی سابقہ محراب کو وسعت کے لحاظ سے منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو منتقل کر سکتے ہیں، محراب بیچ میں ہونی چاہیے تا کہ دونوں طرف کی صف برابر رہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۹۵ھ۔

---

(۱) "إذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام على القوم، لابأس بأن يقوم الإمام في الطاق؛ لأنه تعذر الأمر عليه. وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام، لاينبغي للإمام أن يقوم في الطاق؛ لأنه يشبه تباين المكانين .... وهو وإن كان المحراب من المسجد". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۴۶، رشيديه)

"أي لأن المحراب إنما بني علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة، لا لأن يقوم في داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد، لكن أشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة".

(رد المحتار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الصلوة، مايكره للمصلي ومالايكره: ۱/۵۶۷، إدارة القرآن كراچي)

(۲) "لأن المحراب إنما بني علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف، كما هو السنة". ←

منبر کا مقام اور اس کی کیفیت

سوال [۷۰۱۲]: ... ایک مسجد میں مقام خطیب یعنی منبر کس جگہ موضوع ہونا چاہیے؟

۲... جس طرح مدرسہ مظاہر العلوم دارالطلبہ کی اور مدرسہ قدیم کی مسجد میں جس جگہ جس جانب منبر موضوع ہے، اسی طرح مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں اور بیت اللہ شریف میں منبر موضوع ہے کیا؟

۳... ساری دنیا کی مسجدوں کا مساجد مذکور کے منبر جہاں جہاں جس جانب موضوع ہے ویسا ہی موضوع ہونا چاہیے کیا؟

۴... مدرسہ مظاہر العلوم کی مسجد کا منبر مثلاً جس جگہ جس طرح موضوع ہے، اس موضوعیت مخصوصہ پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی موجود ہے کیا؟

۵... جہاں امام کھڑا ہوتا ہے نماز کے واسطے وہاں امام کی دائیں بائیں طرف اندر کو یعنی جو زاویہ مسجد کے قبلہ کی طرف زیادہ کر کے بنایا جاتا ہے، اسی گوشہ کے اندر منبر موضوع کرنا عرفاً یا شرعاً کسی قسم کی مخالفت لازم آتی ہے کیا؟

۶... اس کا نقشہ یہ ہے:

۷... اور جتنی مسجدیں نظر سے گزریں ان میں منبر اس طرح موضوع ہے:

ہر ایک مسئلہ کا جواب دلیل کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

— (رد المحتار، کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة وما یکرہ فیہا: ۱/۶۴۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة وما یکرہ فیہا: ۲/۴۵، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیۃ، کتاب الصلوٰة، ما یکرہ للمصلی وما لا یکرہ: ۱/۵۶۷، ادارۃ القرآن کراچی)

۸... کیا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں؟

۹... کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے زمانہ میں دوسری سیڑھی پر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسری پر کھڑے ہوتے تھے؟

۱۰... تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون سی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱... جب قبلہ کی طرف پشت کی جائے (جیسا کہ خطبہ کی حالت میں ہوتی ہے) تو منبر محراب سے بائیں جانب ہونا چاہیے:

"(قوله: المنبر) بكسر الميم، إن المنبر وهو الارتفاع دون السنة أن يخطب عليه اقتداءً بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم، بحر. وأن يكون على يسار المحراب، قهستاني اهـ". شامي: ۱/۷۷۰(۱)۔

۲... جی ہاں! بیت اللہ شریف میں مقام ابراہیم سے بائیں جانب ہے:

"وكان منبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة اهـ". بذل: ۲/۱۷۸(۲)۔

۳... ساری دنیا کی مسجدوں کے منبر تو دیکھے نہیں، سنت طریقہ او پر تحریر کر دیا گیا۔

۴... شامی: ۱/۷۷۰، اور بذل المجہود: ۲/۱۷۸، کی عبارتیں اس کی دلیل ہیں (۳)۔

۵... امام کے گوشہ میں ہونے سے امام قوم کے سامنے نہیں رہے گا، لہٰذا یہ طریقہ خلاف سنت ہوگا (۴)۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعيد)

(۲) (بذل المجهود، باب موضع المنبر: ۲/۱۷۸، إمدادية ملتان)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱، ۲)

(۴) "قلت: أي لأن المحراب إنما بني علامةً لمحل قيام الإمام، ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها: ۱/۶۴۶، سعيد)

۶..... اس کا جواب نمبر: ۵، میں آ گیا ہے۔

۷..... یہ طریقہ مسنون ہے(۱)۔

۸..... جی ہاں! تین سیڑھیاں:

"ومنبره صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم كان ثلاث درجات، اهـ". شامی: ۱/۷۷۰ (۲)۔

"قال العینی: ثم اعلم أن المنبر لم يزل على حاله ثلاث درجات، اهـ". بذل: ۲/۱۷۸ (۳) وفتح الباری: ۲/۳۳۱ (٤)۔

۹..... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی جگہ اختیار نہیں کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ اختیار نہیں کی بلکہ ایک سیڑھی اور نیچے اترے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ اختیار کی اور نیچے تجدد نہ رہنے اور مساوات کا احتمال نہ رہنے کی وجہ سے اوپر کی سیڑھی کو اختیار فرمایا، هكذا في كتب السير:

"وأخرج الطبراني في الأوسط عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: لم يجلس أبوبكر الصديق رضي الله تعالى عنه في مجلس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على

---

(۱) "وكان منبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن يمين المحراب إذا استقبلت القبلة، اهـ".

(بذل المجهود، كتاب الصلوة، باب موضع المنبر: ۲/۱۷۸، امدادیہ ملتان)

"ومن السنة أن يخطب عليه اقتداءً به صلى الله تعالى عليه وسلم، ويجب أن يكون على يسار المحراب، قهستاني". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/۱۶۱، سعید)

(۳) (بذل المجهود، باب اتخاذ المنبر: ۲/۱۷۸، امدادیہ ملتان)

(٤) "ولم يزل المنبر على حاله ثلاث درجات حتى زاده مروان في خلافة معاوية ست درجات من أسفله". (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الصلوة على المنبر والسطوح: ۲/۴۰۶، قدیمی)

المنبر حتى لقي الله عز وجل، وجلس عمر رضي الله تعالى عنه في مجلس أبي بكر رضي الله تعالى عنه حتى لقي الله، وجلس عثمان رضي الله تعالى عنه في مجلس عمر رضي الله تعالى عنه حتى لقي الله" انتهى. تاريخ الخلفاء، ص: ۹۳(۱)۔

اس سوال کا جواب نمبر: ۹ میں آ گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۹/۹۲ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/رمضان/۹۲ھ

مسجد میں مینار

سوال [۶۱۰۵]: ہمارے یہاں مسجد میں پچھلے پرانے چبوترے کے کونوں پر چار مینار ہیں، اب اس کے بعد آگے کا برآمدہ بنا ہے، اس کے آگے بھی میناروں کی بنیاد رکھی ہے، وہ دو مینار بھی برآمدہ کے برابر چھت سے دو ڈھائی فٹ اوپر کرکے چھوڑ دیئے ہیں، اب لوگوں کا ارادہ بنانے کا ہے، یہ چھ مینار ہو جائیں گے تو کچھ شریعت کے خلاف تو نہیں، آٹھ مینار ہو جائیں گے؟ وہ سمجھتے ہیں ان دونوں مینار کو ان سے بڑے بنانا چاہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید وتعیین نہیں، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہیے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے۔ عامۃً دو مینار بنانے کا معمول ہے، کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، اگر یہ سب کی شرکت مرضی سے ہے کسی کو مخالفت نہیں تو اجتماعاً بلا وجہ تفریق نہ کی جائے۔ خالی کر وقف کا

---

(۱) تاريخ الخلفاء، فصل في مبايعته رضي الله تعالى عنه، ص: ۹۳، مؤسسة الكتب الثقافية بيروت لبنان

"لما قبض رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، قام أبو بكر رضي الله تعالى عنه على المنبر دون مقامه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بمرقاة، ثم قام عمر رضي الله تعالى عنه دون مقام أبي بكر رضي الله تعالى عنه بمرقاة، ثم تولى عثمان رضي الله تعالى عنه صعد ذروة المنبر" (نفحة العرب، ص: ۳۶، قاسمی)

چونکہ اس میں بہت احتیاط ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۲۳/۲/۹۲ھ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لو بماله لا من مال الوقف، فإنه حرام، وضمن متوليه لو فعل" (الدر المختار). "وأما من مال الوقف، فلا شك أنه لا يجوز للمتولي فعله مطلقاً، لعدم الفائدة فيه، خصوصاً إذا قصد به حرمان أرباب الوظائف، كما شاهدناه في زماننا". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب: كلمة "لا بأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة: ۶۵/۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية، كتاب الصلاة، فصل: كره غلق المسجد: ۱۰۹/۱، رشيدية)

الفصل الرابع في بيع المسجد وأوقافه

(مسجد اور اس کے سامان کو بیچنے کا بیان)

مسجد کی زمین کی بیع

سوال[۷۰۱۵]: کسی نے قطعۂ زمین کو کسی مسجد معین کے واسطے بایں شرط وقف کیا کہ اس کے متعلق جو کام درپیش ہوں اس کے منافع کو اس میں خرچ کریں۔ تو جب اس کو دوبارہ بنانے کی ضرورت ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت اس میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صحت وقف کے لئے تابید شرط ہے حتی کہ بعض فقہاء نے تابید کی تصریح کو بھی لازم قرار دیا ہے، جس وقف میں خلاف تابید کوئی شرط ہو وہ وقف صحیح نہیں ہوتا: إلا وقف المسجد، فإنه يصح و يبطل الشرط.

وقف کے تام اور لازم ہو جانے کے بعد اس کی بیع صحیح نہیں ہوتی:

"وشرطه شرط سائر التبرعات كحرية و تكليف، وأن يكون قربةً في ذاته معلوماً منجزاً لا معلقاً إلا بكائن، و لا مضافاً ولا موقتاً، ولا بخيار شرط، و لا ذكر معه اشتراط بيعه و صرف ثمنه لحاجته، فإن ذكره بطل وقفه، بزازية، اهـ". در مختار: ۳/۳۵۹۔ "(قوله: ولا ذكر معه اشتراط بيعه، الخ) في الخصاف: لو قال: على أن لي إخراجها من الوقف إلى غيره، أو على أن أهبها وأتصدق بثمنها، أو على أن أهبها لمن شئت، أو على أن أرهنها متى بدا لي، وأخرجها عن الوقف، بطل الوقف. ثم ذكر أن هذا في غير المسجد، أما المسجد لو اشترط إبطاله أو بيعه، صح و بطل الشرط اهـ". شامی: ۳/۳۶۰(۱)۔

(۱) (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، سعید)

"و شرائطه أهلية الواقف للتبرع من كونه حراً عاقلاً بالغاً، و أن يكون منجزاً غير معلق، فإنه =

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن" اهـ". در مختار: ۳۶۷/۳۔

"(قوله: "فإذا تم ولزم) لزومه على قول الإمام بأحد الأمور الأربعة المارة، وعندهما بمجرد القول، ولكنه عند محمد رحمه الله تعالى لا يتم إلا بالقبض والإفراز والتأبيد لفظاً، وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى بالتأبيد فقط ولو معنى كما علم لما مر. (قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، (ولا يملك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه" اهـ". شامی: ۳۶۸/۲ (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ شعبان/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ شعبان/ ۶۶ھ۔

= صح، لا يصلح تعليقه بالشرط ..... وفي البزازية: وتعليق الوقف بالشرط باطل". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۱۳، رشيدية)

"ومنها أن لا يذكر معه اشتراط بيعه وصرف الثمن إلى حاجته، فإن ذكره لم يصح الوقف في المختار، كما في البزازية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/ ۳۵۶، رشيدية)

"وأما الذي يرجع إلى نفس الوقف فهو التأبيد، وهو أن يكون مؤبداً، حتى لو وقت لم يجز؛ لأنه إزالة الملك لا إلى أحد، فلا تحتمل التوقيت كالإعتاق وجعل الدار مسجداً". (بدائع الصنائع، كتاب الوقف والصدقة، فصل: وأما الذي يرجع إلى الموقوف: ۵/ ۳۲۹، رشيدية)

"إذا جعل أرضه مسجداً وشرط من ذلك شيئاً لنفسه، لا يصح بالإجماع ..... واتفقوا على أنه لو اتخذ مسجداً على أنه بالخيار، جاز الوقف وبطل الشرط ..... في وقف الخصاف: إذا جعل أرضه مسجداً وبناه وأشهد أن له إبطاله وبيعه، فهو شرط باطل ويكون مسجداً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الخ: ۲/ ۴۵۶، رشيدية)

(۱) (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳/ ۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۰، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۳۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/ ۳۵۰، رشيدية)

وقفِ مسجد کا فروخت کرنا

سوال [۷۰۱۴]: کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں مسجد کے نام تین نوع کا وقف ہے:
نوعِ اول: کلی وقف، خواہ زراعت کی زمین ہو خواہ دوکانیں ہوں، اس کی کل آمدنی مسجد میں لگاتے ہیں۔ نوعِ دوم: جزئی وقف یعنی پورا کھیت نہیں، بلکہ بسوہ دو بسوہ (۱) مسجد کے نام کل کھیت اپنے قبضہ میں، اب اس قدر قلیل کو کوئی خرید سکتا ہے اور نہ وقف کرنے والا چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس کی کچھ آمدنی مسجد میں دیتا ہے، صرف برائے نام وقف ہے۔ سو ایسی حالت میں بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ نوعِ دوم کی وقف، وقف کرنے والے کے ہاتھ فروخت کر دیں اور کل آمدنی مسجد میں لگادیں تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

سوم: تیل وغیرہ کا وقف جو وقف کرنے والے نے اس نیت سے وقف کیا ہے کہ مسجد میں صرف ہو، اگر خرچ سے زائد ہو تو فروخت کر کے مسجد کے دوسرے کام میں لگانا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین یا آمدہ وقف کردی گئی ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے تو اس کی شرط کے مطابق عمل درست ہے (۲)، جس قدر حصہ اس نے وقف کیا ہے اس کی آمدنی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، بلکہ مسجد میں صرف کرنا واجب ہے (۳)، متولی اور دیگر اہلِ مسجد کو اس کے مطالبہ کا حق ہے۔

---

(۱) "بسوہ: ایک بیگھے کا بیسواں حصہ، زمین ناپنے کا ایک پیمانہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۰۳، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وأجمعوا أنه إذا شرط الاستبدال لنفسه في أصل الوقف أن الشرط والوقف صحيحان ويملك الاستبدال . . . ولو شرط أن يبيعها ويشتري بثمنها أرضاً أخرى ولم يزد، صح استحساناً، وصارت الثانية وقفاً بشرائطه الأولى، ولا يحتاج إلى إيقافها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۷۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/ ۲۲۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف: ۲/ ۳۹۹، رشيديه)

(۳) "وفي الفتاوى: إذا جمع أرضاً صدقة موقوفة على الفقراء والمساكين، فاحتاج بعض قرابته أو احتاج الواقف إلى احتاج الوقف، لا يعطى له من تلك الغلة شيء عند الكل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل الثامن: ۲/ ۳۹۵، رشيديه)

جو تختی مسجد کی ضروریات سے زائد ہو اسے اس کو فروخت کرکے دوسری ضروریات مسجد میں صرف کرنا درست ہے(۱) بشرطیکہ تختی دینے والا اس پر رضامند ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع کرنا

سوال[۷۰۱۷]: مسجد کی موقوفہ زمین بیچنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ کوئی مستقل متولی نہ ہو، موضع کے بڑے بڑے لوگ نگرانی کرتے ہوں اور اگر ہے تو کون بیچ سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف زمین کو فروخت کرنا درست نہیں اس کی بیع قطعاً ناجائز ہے(۳)، بلکہ اس زمین سے آمدنی حاصل کرکے مصالح مسجد پر صرف کرنا واجب ہے(۴)۔ اگر واقف نے وقف نامہ میں یا زبانی کسی کو متولی بھی

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۹۴۳، إدارة القرآن كراتشي)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، السادس في الوقف على الفقراء: ۶/۲۷۷، رشيدية)

(۱) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوارثه إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلك ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثالث عشر: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة: ۴/۴۴۵، سعيد)

(۳) "(قوله: لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو بإجماع الفقهاء　　أما امتناع التمليك، فلما بينا من قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تصدق بأصلها، لا يباع، ولا يورث، ولا يوهب". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه: ۲/۳۵۰، رشيدية)

(۴) "تصدق له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو =

لاستحالة تمليكه الخارج عن ملكه اهـ". شامی: ۳/۷۰۵ (۱)۔

البتہ اگر مسجد کی زمین پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو جائے اور اس کی واگذاری کرانا ممکن نہ ہو(۲) تو مجبوراً معاوضہ لے کر دوسری زمین خرید کر وقف کردی جائے (۳)۔ یا اگر وقف شدہ زمین قابلِ انتفاع نہ ہے تب بھی اجازت ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کردی جائے (۴)۔ پھر زمین، مکان، دوکان جو بھی مسجد کا تھا اور اس مجبوری کی وجہ سے فروخت کر دیا گیا اور اب وہ مسجد کا نہیں رہا اور

---

(۱) (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الوقف: ۳/۳۵۱، ۳۵۲، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف. ۶/۲۲۰، مكتبه مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "واگذاری: چھوڑ دینا، چھڑوا دینا، ترک کرانا، الگ کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۹، فیروز سنز لاہور)

(۳) "الثالثة: أن يجحده الغاصب ولا بينة: أي وأراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها، يشتري بها بدلاً".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف. ۵/۴۰۲، رشيديه)

(۴) "وقد روينا عن محمد في فصل العمارة: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أرضاً أخرى أكثر ريعاً، له أن يبيع هذه الأرض ويشتري. وفي المنتقى: قال هشام: سمعت محمداً رحمه الله تعالى يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين، فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: من له الاستغلال لا يملك السكنى وبالعكس: ۳/۴۷۱، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

خریدنے والے اس میں کوئی غیر مناسب حرکت کی تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، مدرسہ کے منتظمین نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۵ھ۔

مسجد کے لئے وقف قطعۂ زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۰۰۹]: محلے کی مسجد کا رقبہ کم ہونے کی بنا پر ایک صاحبِ خیر نے مسجد کی آمدنی کی غرض سے زمین کا ایک قطعہ دوکانیں بنانے کے لئے مسجد کے نام وقف کردیا۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے صاحبِ خیر نے ایک دوسرا قطعہ زمین خرید کر پانچ دوکانیں بنا کر اسی مسجد مذکورہ کے نام وقف کردی ہیں۔ اب مسجد کافی زیادہ خود کفیل ہوچکی ہے۔ اب مسجد کے متولی صاحب پہلے قطعہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت اسی مسجد کے مدرسے کے تعلیمی فنڈ میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

کیا مسجد کی رقم تعلیمی فنڈ میں استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور متولی صاحب کے لئے پہلے قطعہ زمین کو فروخت کرنا جائز ہے؟ جس کی قیمت سے متعلق اور اس کو فروخت کرنے کا سوال ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قطعہ زمین دوکانیں بنانے کے واسطے مسجد کے لئے وقف کردیا ہے، اس کو فروخت کرکے اس کی رقم کو مدرسے کے تعلیمی کام میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ وہ مدرسہ اسی مسجد سے متعلق ہو:

"فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يُملك ولا يُعار ولا يُرهن" الدر المختار. "(لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، (ولا يُملك) أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". شامی (ص: ۳۵۲) (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "كلٌّ يتصرف في ملكه كيف شاء" (شرح المجلة، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه" (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

اراضیٔ مسجد پر قبضہ کے اندیشہ سے ان کو فروخت کرکے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال[۷۰۲۰]: جامع مسجد کے نام سے اراضی معافی ریاست ٹونک کے زمانہ میں جس کا لگان کاشتکاروں سے وصول کرکے جامع مسجد کے مصارف میں کام دیا۔ اب راجستھان حکومت نے اراضیات معافی پر لگان کی رقم قائم کردی جو سرکار میں داخل ہورہی ہے، وہ جامع مسجد کو منتقل کرنا ہوتی ہے۔ چونکہ زمانۂ معافی میں کاشتکاروں سے مقررہ رقم قدیم سے وصول ہورہی تھی اور سرکار میں کچھ نہیں دیا جاتا تھا، اس لئے پوری رقم مسجد کے مصارف میں آتی تھی اور اب اسی رقم میں سے سرکاری قائم شدہ لگان بھی دیا جاتا ہے تو کسی زمین کے لگان میں مسجد کو برائے نام بچت رہتی ہے اور کسی میں برابر اور کسی میں کمی رہ جاتی ہے۔ باوجود کوشش کے کاشتکاران زرِ جارہ میں مسجد کے حق میں پیش کرنے کو تیار نہیں اور نہ زمین کو چھوڑنے پر رضامند ہوتے ہیں۔

حکومت راجستھان کی اراضی سے متعلق نئے نئے قانون جاری ہورہے ہیں۔ کاشتکاران قانونی رعایتوں کی وجہ سے ایسی اراضیات کو اپنی ملک تصور کرنے لگے ہیں، اس وقت وہ تقاضوں کے باوجود وقف پر مقررہ زرِ اجارہ مسجد کو نہیں دیتے۔ ایسے حالات پیدا ہوتے جارہے ہیں کہ ایسی اراضیات کا وجود خطرہ میں پڑجائے اور مسجد کو کچھ بھی نہ مل سکے۔ کاشتکار اتنے سرکش ہوگئے ہیں کہ بعض نے ان اراضیات کو اپنی ملک سمجھتے ہوئے زمین پر رقم قرض لے کر دوسروں کے پاس رہن یا گروی کردیا ہے۔ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ایسی اراضیات کا وجود مسجد کے حق میں عدمِ وجود کے برابر ہوگیا ہے۔

کیا ایسی صورت میں اراضیات متذکرہ کا بدل ہوسکتا ہے، یعنی ان اراضیات کو فروخت کرکے جو رقم ملے اس سے مکان، دکانات کی خریداری یا جدید تعمیر کی جاسکتی ہے تاکہ کرایہ کی آمدنی سے مسجد کے مصارف پورے ہوسکیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر صورت واقعہ یہی ہے تو ان اراضیات کو فروخت کرکے ان کے عوض مکانوں یا دکانوں کی تعمیر

= (وكذا في فتح القدير: كتاب الوقف، ۶/۲۲۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۲۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳/۵۰۳، رشيديه)

کرلی جائے (۱) جس پر مسجد والوں کی اکثریت ہو اور مسجد کو آمدنی ہوتی رہے، یعنی اہل محلہ یا پاس والے اور جن کا تعلق ہو، کی صورت یہ کہ سب کے مشورہ سے بیچ کر کیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ آئندہ کو وقف کی فروختگی کا دروازہ کھل جائے، کیونکہ وقف کی بیع جائز نہیں، اس لئے وقف کے ضائع ہوجانے کا خطرہ ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۹۰ھ۔

مصارفِ مسجد کے لئے زرعی زمین کو فروخت کرنا

سوال [۱۰۰۱۳]: مسجد پر وقف شدہ زمین کو مسجد تعمیر کرنے کے لئے متولی یا دوسرے لوگوں کو فروخت کرنے کا حق حاصل ہے کہ نہیں؟ اگر لوگوں نے مسجد کے لئے زمینیں وقف کیں، ان میں سے بعض انتقال کرچکے ہیں، ان کے ورثاء موجود ہیں، بعض زندہ ہیں اور وقف کے وقت کوئی تفصیل نہیں کی کہ یہ مسجد کے کس کام میں صرف کی جائے، ان کو بیچا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وغیرہ کوئی تصریح نہ کیا تو اس صورت میں سب واقف کے ورثاء کی اجازت سے ان زمینوں کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ بعض لوگوں نے حال میں ہی کہہ کر زمین وقف کیا ہے کہ ان کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر میں لگایا جائے، تو اسے تعمیر کے لئے

---

(۱) "وفي الذخيرة: سئل شمس الأئمة الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولي أن يبيعها ويشتري مكانها أخرى؟ قال: نعم. وقد روي عن محمد في قطعة العمارة: إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال، والقيم يجد بثمنها أرضاً أخرى أكثر ريعاً، له أن يبيع هذه الأرض ويشتري". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۲۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء حتى صار بحراً، فيضمن القيمة ويشتري المتولي بها أرضاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۶، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "قيم وقف خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف، يبيعها ويتصدق بثمنها. وكذا كل قيم إذا خاف شيئاً من ذلك، له أن يبيع ويتصدق بثمنها". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۲۳، رشيدية)

فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو زمین وقف کردی گئی ہے اس کو فروخت کرنے کا حق نہیں، نہ متولی کو، نہ واقف کو، نہ واقف کے ورثاء کو۔ جو زمین مصالحِ مسجد کے لئے دی گئی اس کو تعمیرِ مسجد کے لئے متولی، واقف، واقف کے ورثاء اور اہلِ محلہ سب باہمی مشورہ سے فروخت کرنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے(۱):

"فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك ولا يملّك، اھ". درمختار. "أي لا يكون مملوكاً لصاحبه (ولا يملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، اھ". ردالمحتار: ۳۶۷/۳(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

مسجد کی نیت سے چھوڑی ہوئی زمین میں تصرف درست نہیں

سوال[۷۰۲۲]: ہمارے یہاں ایک نئی آبادی بنائی گئی ہے، وہاں ایک قطعہ زمین مسجد بنانے کے لئے چھوڑی گئی ہے، ابھی وقف نہیں کیا اور نہ ہی ابھی تک مسجد کی بنیاد وغیرہ پڑی ہے۔ اور یہ زمین ہندو پٹواری

---

(۱) "المتولي إذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أو مستغلاً آخر، جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد، فإن أراد المتولي أن يبيع ما اشترى .... وقال بعضهم: يجوز هذا البيع، وهو الصحيح".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۶/۵، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۷/۳، رشيديه)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه" (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۳۲/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

نے چھوڑی ہے، اب وہ پٹواری اس زمین میں سے نصف یا کم ایک مولوی صاحب کے نام کرانا چاہتے ہیں اور بقیہ وہاں مسجد بھی انہیں کی تحویل میں چلانا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اس زمین میں سے مولوی صاحب کے نام کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ ابھی تک وہاں مسجد نہیں بنی اور اس زمین کو وقف بھی نہیں کیا گیا، لیکن جب زمین کی منظوری مسجد کے واسطے ہو گئی تو اس کو کسی اور کے نام پھر نہ کیا جائے(۱)۔ مسجد کی تعمیر اور اس کا انتظام سب کے باہمی مشورہ

---

(۱) حکومت کی طرف سے مسجد وغیرہ کے لئے کوئی زمین وقف کرنا صحیح ہے، چاہے حکومت مسلمانوں کی ہو یا کفار کی، کیونکہ صحتِ وقف کے لئے اسلام شرط نہیں:

"وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/٣١٢، رشيدية)

اور اسی طرح پٹواری حکومت کی طرف سے اپنے عہدے کی حدود تک نائب اور وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور وکیل کے تصرفات مؤکل کے تصرفات کی طرح ہوتے ہیں:

"والحاصل أنها في اللغة بمعنى التوكيل، وهو تفويض التصرف إلى الغير ..... التي في مصطلحهم فهي: إقامة الإنسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم ..... فإن فعل شيئاً خارجاً من ذلك النوع، لم ينفذ على الموكل دون إنفاذه". (البحر الرائق، كتاب الوكالة: ٧/٢٣٥، رشيدية)

اور چونکہ پٹواری نے یہاں پر مسجد کے نام سے حد بندی کر کے ایک مخصوص جگہ متعین کر دی ہے کہ یہ مسجد کی جگہ ہے، لہٰذا اس صورت میں وقف تام ہو گیا۔

"وفي فتاوى أبي الليث: سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضاً من أراضي الكورة في مسجدهم ويزيدوا فيه ويتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوة، جاز أمره إذا كان لا يضر بالمارة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ٥/٨٤٣، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

اور جب وقف تام ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کو کسی کے نام کرنا، اس کو تملیک بنانا جائز نہیں۔ سوال سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ زمین سرکاری تھی اور حکومت یا تو عوام میں تقسیم کر رہی تھی یا پھر بیچ رہی تھی، اسی دوران پٹواری نے زمین مسجد کے نام کر دی تھی اور اب وہ امام صاحب کے نام کرنا چاہتے ہیں تو یہ درست نہیں۔

سے ایک شخص کے سپرد کریں جس کو مسجد اور مدرسہ سے گہرا تعلق ہو، اس میں انتظام اور تولیت کی صلاحیت ہو، بلکہ ایک کمیٹی بنالی جائے تو بہتر ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۸/۱۳۹۹ھ۔

کسی کے نام ہونے سے وقف میں فرق نہیں آتا، مسجد کی دوکان قرض میں دینا

سوال [۷۰۰۱]: مسجد کے منتظمین حضرات نے مسجد کی آمدنی کے لئے چندہ وصول کیا مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں، لیکن اب تک یہ کام شروع نہیں ہوا اور چندہ محفوظ ہے۔ مذکورہ مسجد وقف نہیں ہے، بعض ناموں کے درج کی گئی ہے، ان ناموں میں ایک شخص کا بعض تجارتی امور کی وجہ سے دیوالیہ نکل گیا، یہ مشکل پیش آئی کہ کورٹ کا فیصلہ ہے کہ مسجد کی دوکان سے لیا جائے، تو کمیٹی کے سرپرست نے کورٹ والوں کو کچھ دے کر دیوالیہ والے کے حصہ کو دوکان سے لیا، نہ کہ مکان مسجد کو۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ مذکورہ چندہ سے جو مکانوں کی تعمیر کے لئے ہے اس میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں، تو کیا مسجد پر قرض ہے؟ اس لئے کہ مشاہرات کمیٹی والوں کی ذمہ داری رہتی ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی صاحب نے مسجد تعمیر کرکے اس کا راستہ الگ کردیا اور اس میں تمام لوگوں کو اجازت دے دی تو

= "فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار) "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملك) أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه".

(رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، سعيد)

(۱) "وفي الإسعاف: لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لا يحصل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي: ۴/۳۸۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۰۸، رشيدية)

محض کسی کے نام پر ہونے سے اس کے وقف ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا، مسجد وقف ہی شمار ہوگی (۱)، مسجد کی دکان کو قرض کی وثیقہ میں رہن نہیں رکھا جا سکتا (۲)، اس کو واگذار کرایا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۸ھ۔

بچی ہوئی موم بتی بیچ کر امام کی تنخواہ وغیرہ میں لگانا

سوال [۷۰۲۴]: ۱- موم بتی وغیرہ جو ضرورت مسجد سے زیادہ ہو جائے، اس کو فروخت کرکے دوسرا کام جیسے مسجد کے امام کی تنخواہ، مؤذن کی تنخواہ، مسجد کی چٹائی وغیرہ میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں، کیونکہ یہ کام خلاف مقصود واقف ہیں، کیوں کہ واقف نے صرف جلنے کے لئے دیا ہے؟ دیگر یہ کہ کوئی شخص کچھ زمین مسجد کے خرچ کے لئے وقف کیا اور اس کا کوئی مصرف ذکر نہیں کیا تو اس زمین کی آمدنی سے کون کون سے کام کرنے جائز ہوں گے، مصرف بنائے مسجد کے متعلق خرچ کرنا ہوگا یا تنخواہ امام و مؤذن اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں بھی خرچ کرنا جائز ہوگا؟

مسجد کے درخت کا پھل فروخت کرنا

سوال [۷۰۲۵]: ۲- مسجد کی آس پاس جو زمین موقوفہ مسجد کی ہے، اس میں [illegible] کے

---

(۱) "ولو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس في الدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "المتولي للوقف إذا رهن الوقف بدين، لا يصح. وفي جامع الفتاوى: وكذلك أهل الوقف إذا رهنوا لا يجوز". (التاتارخانية، كتاب الوقف، تصرف القيم في الأوقاف: ۵/۷۴۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۲۰، رشيديه)

(۳) "واگذار: چھوڑ دینا، پابندی یا شرط سے خالی، واپس کرنا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۹۹، فیروز سنز لاہور)

درخت لگانا اس غرض سے کہ محلہ کے لوگ اس کو کھائیں گے، یا بیچ کر مسجد کی ضرورت میں لگایا جائے گا تو مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو شخص موم بتی مسجد کیلئے دے اس سے دریافت کرلیا جائے کہ اگر مسجد کی ضرورت سے زائد ہے تو اسے فروخت کرکے مسجد کی دیگر ضروریات میں صرف کرنے کی اجازت ہے، جب وہ اجازت دیدے تو پھر کوئی اشکال نہیں(۱)۔ مسجد کی مصالح کے لئے اگر کسی نے زمین وقف کردی ہے تو اس کی آمدنی کو امام کی تنخواہ، مؤذن کی تنخواہ، چٹائی، موم بتی وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً درست ہے(۲)۔

۲..... مسجد کی موقوفہ زمین اگر کاشت کیلئے یا کرایہ پر دی جا سکتی ہو تو کاشت کرکے یا کرایہ پر دیکر اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں صرف کی جائے(۳)، ورنہ اس میں درخت لگا کر پھل فروخت کرکے مسجد میں

---

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن في ذلك، فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۱۹/۵، رشيديه)

(۲) "مسجد له مستغلات وأوقاف، أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم، وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۷/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۴۶۱/۲، رشيديه)

"ولو وقف على مصالح المسجد، يجوز دفع غلته إلى الإمام والمؤذن والقيم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل أحكام المسجد: ۴۲۳/۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۶۷،۳۶۹/۴، سعيد)

(۳) "وإن بنى بيوتاً يسكنها إذا كانت الأرض متصلة ببيوت المصر ليست للزراعة، فإن كان زراعتها —

صرف کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۰۰ھ۔

زائد سامانِ مسجد کو فروخت کرنا

سوال [۷۰۲۹]: ایک مسجد تعمیر ہو چکی ہے، اس کا زائد دربیکار سامان مثلاً کچھ لکڑیاں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں تو اس کو سب لوگوں کی رائے سے فروخت کرکے مسجد کے مصارف میں روپیہ صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، کذا فی البحر (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کا سامان فروخت کرنا

سوال [۷۰۳۰]: اگر مسجد میں بالٹی، فرش وغیرہ زائد ہوں تو ان کو بیچ کر مسجد کے اخراجات میں لگا

= أصلح من الاستغلال، لا يبنى". (فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(۱) "مسجد له شجرة التفاح، قال بعضهم: يباح للقوم أن يفطروا بهذا التفاح، والصحيح أنه لا يباح؛ لأن ذلك صار وقفاً للمسجد يصرف إلى عمارته". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۷، رشيديه)

(۲) "وفي الحاوي: فإن خيف هلاك النقض، باعه الحاكم، وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة، فعلى هذا يباع النقض في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۸، رشيديه)

"وأما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في =

سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیزیں مسجد کی ضرورت کے لئے مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی ہیں، ان کو مسجد کی ضرورت کے لئے فروخت کرکے مسجد ہی کے کام میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔ اور جو چیزیں کسی نے مسجد میں دی ہیں، ان کو دینے والے کی اجازت سے فروخت کرکے مسجد کے کام میں لگانا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مسجد کا سامان فروخت کرنا

سوال[۷۰۲۸]: مسجد کی ٹین، یا چوکی، یا بانس خرید کرکے اپنے گھر میں، یا دوسری مسجد پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اہلِ محلہ ویران یا غیر ویران مسجد کا مال یعنی ستون وغیرہ فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

= صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۷۷، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، ۲۳۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "وأما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ وهذا لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، ۲۳۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۷۷، سعيد)

(۲) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا جو سامان وقف ہے اس کی بیع ناجائز ہے اور جو وقف نہیں بلکہ مسجد کے لئے وقتی ضرورت کے ماتحت کسی نے دیا ہے، یا خریدا گیا ہے ضرورت پوری ہونے پر اس کی بیع جائز ہے۔ جو مسجد ویران ہو چکی ہے اس کے سامان کو کسی قریب کی مسجد میں صرف کر دیا جائے اور مسجد کی جگہ محفوظ کر دی جائے کہ بے حرمتی نہ ہو:

"ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى. وعاد إلى ملك الباني أو ورثته عند محمد. وعن الثاني ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، ومثله في الخلاف المذكور حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما" اهـ. در مختار. "ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف، ويباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد" اهـ. رد المحتار: ۳/۵۴۶ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

پرانی مسجد کے سامان کو فروخت کرنا اور حجرۂ امام میں صرف کرنا

سوال [۶۰۰۲]: ایک بڑی مسجد کو گرا کر پکا بنانا چاہتے ہیں، جو سامان اس بڑی مسجد سے اترا ہے وہ پکی میں تو نہیں لگ سکتے، اس لئے جدید سامان اور عمدہ خریدا گیا ہے اور ایسا بیکار بھی نہیں کہ اس کو ضائع کر دیا

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ: ۴/۳۵۸، ۳۵۹، سعید)

"إذا خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه ... قال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى. وأما التعمير والتبديل، فالصحيح من مذهب أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملك متخذه، بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيم المسجد للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشیدیہ)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

جائے، بلکہ سب سامان مفید اور کارآمد ہے تو کیا اس سامان سے مسجد میں حجرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کی قیمت بنا کر وہ قیمت مسجد پر لگانی ضروری ہے، یا بغیر اس سامان کی قیمت کرنے اور مسجد پر لگانے کے حجرہ ضروریات مسجد کے لئے بنایا جا سکتا ہے؟ اور کیا طالب علم اور امام اور مؤذن مسجد کی سکونت حجرہ میں ضروریات مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟

اور اگر حجرہ بنوانا جائز نہیں تو کیا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد پر لگائی جائے یا نہیں؟ اور جب فروخت کرنا جائز ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ وہ کسی دوسری مسجد ہی کے لئے فروخت کیا جائے، یعنی کسی دوسری مسجد کے متولی اس مسجد کے اترے ہوئے سامان کو خرید کر اس کو اپنی مسجد میں لگا دیں، یا ہر شخص خرید سکتا ہے، خواہ اس سے اپنا ذاتی مکان بنوائے یا کسی اور مصرف پر خرچ کرے؟ اور اگر ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت جائز نہ ہو اور پڑے پڑے بوسیدہ اور کہنہ ہو جاوے اور کوئی صورت اس کے کارآمد ہونے کی نہ ہو تو کیا اس میں تضییع مال نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ بعینہ وہی سامان مسجد میں لگایا جائے، اگر بعینہ اس کو مسجد میں لگانا دشوار ہو تو اس کو اہل محلہ اور حاکم کی رائے سے فروخت کرکے اس کی قیمت سے اس کی مثل سامان خرید کر اس کو مسجد میں لگا دیا جائے، خریدار کی کوئی قید نہیں کہ وہ مسجد کے لئے خریدے بلکہ اس کو ہر شخص خرید سکتا ہے، پھر وہ چاہے مسجد میں لگائے یا اپنے مکان وغیرہ میں۔

امام وغیرہ کے لئے مسجد میں حجرہ بنانا مسجد ہی کی ضروریات میں داخل ہے جیسے غسل خانہ وغیرہ مسجد کی ضروریات میں داخل ہے، سامان مذکور کو اس میں لگانا درست ہے، بیکار ڈال کر ضائع کر دینے کی ضرورت ہرگز نہیں، ضایع کرنا جائز ہے:

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج، ولا يقسمه بين مستحقي الوقف، بيان لما نهدم من بناء الوقف وخشبه. وذكر في القاموس أولاً: أن النقض بالكسر المنقوض، وثانياً: أنه بالضم ما انتقض من البنيان. وجاز بصرف الحاكم ...... قال في الهداية: وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى

مصرف المبدل، وظاهره أنه لا يجوز بيعه حيث أمكن إعادته. .... وفي الحاوي: قال خيف هلاك المستغني، باعه الحاكم، وأمسك ثمنه لعمارته عند الحاجة اهـ. فعلى هذا يباع المستغني في موضعين: عند تعذر عوده، وعند خوف هلاكه اهـ". بحر بحذف: ۵/۲۱۹(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۹/ربیع الاول/۵۹ھ۔

انہدامِ مسجد پر اس کی اشیاء کی بیع

سوال[۷۰۳۰]: بنائے مسجد کے بعد اگر کوئی چیز زیادہ ہو، یا پرانی مسجد کو توڑ کر بنایا گیا ہو اور اس میں سے ٹوٹی پھوٹی لکڑی بلی یا بن وغیرہ الغرض جو بچے تو ان اشیاؤں کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں اور فروخت کرنے کے بعد کیا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه. وإن استغنى عنه، أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته فيصرفه فيها ...... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". الهداية: ۲/۶۳۲(۲)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۶، ۴۲۸، رشيديه)

"وما انهدم من بناء الوقف وآلته، صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه. وإن استغنى عنه، أمسكه حتى يحتاج إلى عمارته، فيصرف فيها ..... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۴۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۴، ۳۷۷، سعيد)

(۲) (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۳۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

"ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتياج .... وإلا يمسكه حتى يحتاج"۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی اشیاء کو خود یا اگر خود کار آمد نہ ہوں، تو ان کی قیمت کو مسجد ہی کے کام میں مرمت وغیرہ میں صرف کرنا چاہیے، هكذا في الدر المختار : ۲/۳۸۲(۱)۔ واللہ اعلم۔

العبد محمود غفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالرحمن، صحیح: عبداللطیف، ۵/۸/۵۲ھ۔

نقائضِ مسجد کی بیع

سوال [۷۰۳۱]: کسی مسجد کی لکڑیاں اور اسپلو وغیرہ (۲) اس کے کام میں لگنے کے نہیں یعنی ضرورت سے زائد ہیں تو کوئی ان چیزوں کو خرید کر اپنے کام میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی محبوب الدین صاحب چودھری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ محلہ کے مشورہ سے ان زائد از ضرورت اشیاء کی بیع درست ہے اور خریدنے والے کو اپنے کام میں لگانا بھی درست ہے، قیمت مصالح مسجد میں صرف کردی جائے:

"سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا، وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم: هل لواحد من أهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد، أو إلى هذا المسجد؟

= إليه .... وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (تبيين الحقائق كتاب الوقف: ۳/۲۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۶۷، رشيديه)

(۱) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه، فيبيعه، ويمسك ثمنه، ليحتاج". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۳/۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(۲) "اسپلو: لکڑی کی چھلیں، لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنا، چھیلنا"۔ (English to English & Urdu Dictionary, Page: 887, Feroz Sons Lahore)

قال: نعم". شامی (۱)۔ "لا حرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمة إذا بسط، اهـ".
عالمگیری (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شعبان/۶۶ھ۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/شعبان/۶۶ھ۔

مسجد کی اینٹوں کو فروخت کرنا

سوال[۷۰۴۴]: زید نے محلہ پنجابیان عیدگاہ بنوانے کے لئے متولی ہونے کی حیثیت سے خریدی، لیکن کچھ وجوہ کی بنا پر مسجد کی تعمیر رُکی ہوئی ہے، اب زید جو کہ متولی ہے لوگوں کی رائے سے چاہتا ہے کہ اینٹ بیکار رکھی ہوئی ہے فروخت کردوں۔ چونکہ اس وقت اس کی گرانی ہے، اس لئے مسجد کا فائدہ ہوگا، کیونکہ سب رقم مسجد ہی پر لگے گی۔ تو دریافت یہ ہے کہ مسجد (عیدگاہ) کی اینٹ فروخت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

رحمت اللہ متعلم مدرسہ انوار العلوم، بھیری الہیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اینٹ وقف نہیں، بلکہ مسجد کے لئے خریدی گئی اور فی الحال مسجد میں ضرورت نہیں، مصالح مسجد کے پیشِ نظر اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہے، کذا فی الشامی صراحۃً جزئیہ موجود ہے(۳)۔ فقط۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيدية)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيدية)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، الخ: ۵/۳۲۱، رشيدية)

(۳) "أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط، لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته: ۴/۳۷۷، سعيد)

مسجد کے فرش کے ملبہ کا نیلام اور استعمال

سوال[۷۰۳۳]: مسجد کا فرش پرانا ہو گیا تھا، اس کو توڑ کر دوسرا نیا فرش لگ رہا ہے۔ فرش کا ملبہ اینٹ روڑے وغیرہ نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس ملبہ کو خریدنے والا بنیادوں میں یا کسی تعمیری کام میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو خریدنا اور بنیادوں وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں دی ہوئی اشیاء کو بار بار نیلام کرنا

سوال[۷۰۳۴]: مرغا، انڈا، کپڑا وغیرہ لوگ مسجد میں خدا کے نام پر دیدیتے ہیں، پھر اس کی نیلامی ہوتی ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ جب کہ نیلامی چھڑا کر پھر اسی چیز کو مسجد میں دیدیتے ہیں، بار بار ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیلام کا یہ طریقہ اس چیز کو اپنی ملک بنانے کے لئے نہیں، بلکہ یہ نیلام فریقین سے مقصود مسجد کی امداد

---

(۱) "أما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۲۴/۶، ۲۲۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/ ۴۲۸، رشيدية)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۲۸، رشيدية)

کرنا ہے، اگر اس میں نام ونمود مقصود نہ ہو تو یہ درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۹ھ۔

مسجد کے تیل کو فروخت کرنا

سوال[۵۰۳۵]: جو تیل مسجد میں زائد اکٹھا ہو جائے اس کو فروخت کرنا درست ہے یا نہیں اور قیمت کس جگہ صرف کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیل دینے والوں کی اجازت سے فروخت کرنا اور جس جگہ وہ اجازت دیں اس جگہ قیمت صرف کرنا شرعاً درست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کا تیل وغیرہ فروخت کرنا

سوال[۵۰۳۶]: مسلمان مسجد میں چراغ جلانے کے لئے تیل اور پنکھے اور جھاڑو میں اور چٹائیاں، مٹکیاں، لوٹے وغیرہ لاتے ہیں، بوقت ضرورت مذکورہ چیزیں فروخت کرکے متولی اسی مسجد کے دوسرے

---

(۱) نام ونمود چونکہ ریا ہے اور ریا ایک مذموم امر ہے، اس سے بچنا ضروری ہے:

"وعن جندب قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من سمع سمع الله به، ومن يرائي يرائي الله به". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۴، قديمي)

"وعن شداد بن أوس رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من صلى يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك، ومن تصدق يرائي فقد أشرك". (مشكوة المصابيح، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ص: ۴۵۵، قديمي)

(۲) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولوارثه إن كان ميتاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو خاناً الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۳/۵، رشيديه)

مصرف میں صرف کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/۶/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۷/رجب/۵۹ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد ویران ہونے پر اس کی جائیداد اور سامان کو بیچنے اور رہن رکھنے کا حکم

سوال [۷۰۳۴]: ہماری ایک غیر آباد مسجد کی جائیداد غیر منقولہ کو متولی نے دوسری مسجد کے متولیوں کے ہاتھ فروخت کردیا، بعد ایک مدت کے اس مسجد کو محلہ والوں نے آباد کیا، اب اس کے متولی دوسرے لوگ ہیں۔ ضروریات مصلیوں کے لئے پانی کی ٹنکی، غسل خانہ، پیشاب خانہ وغیرہ بنانے کے لئے کچھ مسجد کی زمین اور کچھ مسجد کی اس زمین میں جو متولی اول نے دوسری مسجد کے متولیوں کے ہاتھ فروخت کردی تھا، اس وجہ سے دوسری مسجد کے متولیوں نے اس زمین کے قبضہ کو چھڑوانے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا، عدالت نے بعد تحقیقات جولیفہ کے یہ فیصلہ دیا کہ زمین درحقیقت مسجد غیر آباد کی ہے، متولی کو اس کا بیچنا صحیح نہیں۔

الغرض! دستاویز کو بھی غلط نا قابل عمل قرار دیا، مگر چونکہ ہند کے مطابق بارہ برس سے زیادہ مدت کا قبضہ

---

(۱) "مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهناً أو حصيراً أو حشيشاً أو آجراً أو جصاً لفرش المسجد أو حصى، قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد، كان له أن يشتري للمسجد ما شاء، وإن لم يوسع، ولكنه وقف لبناء المسجد وعمارة المسجد، ليس للقيم أن يشتري ما ذكرنا. وإن لم يعرف شرط الواقف في ذلك، ينظر هذا القيم إلى من كان قبله، فإن كانوا يشترون من أوقاف المسجد الدهن والحصير والحشيش والآجر وما ذكرنا، كان للقيم أن يفعل ذلك، وإلا فلا، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية: كتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۶۱، ۵۹۲، قديمي)

دوسری مسجد والوں کا ہے اس لئے زمین کا قبضہ دوسری مسجد والوں کو دلایا جاتا ہے، اس لئے کہ دوسری مسجد والے اس کو آباد رکھنا نہیں چاہتے، بلکہ عصر روغیرہ کا فتویٰ لے کر دوبارہ ویران کرنے کی پوری کوشش کر چکے تھے۔ تمام غسل خانے، پیشاب خانے، پانی کی ٹنکی، مسجد کی سیڑھیاں وغیرہ باامداد پولیس توڑ پھوڑ کر ایک ڈھیر بنا دیا، یہاں تک کہ جس کنویں کا پانی مسجد میں لیا جاتا تھا اس میں گوبر، پاخانہ وغیرہ ڈالا اور اس میں پیشاب کیا، مسجد میں آنے کا ایک طرف کا راستہ بند کر دیا۔

یہ واقعہ ہے جو جناب کی خدمت کے لئے گوش گذار کیا گیا، اب چند امور کا استفتاء کیا جاتا ہے:

۱... ایک مسجد کی زمین دوسری مسجد میں لی جا سکتی ہے؟

۲... کیا متولیوں کو اس کو شرعاً بیچنے کا حق ہے؟

۳... ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں لینا حرام ہے یا حلال؟

۴... اگر متولیوں کو مسجد کی زمین بیچنے کا حق شرعاً نہیں ہے تو پھر مسجد ثانیہ کے متولیوں کو مسجد کی دوسری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو فروخت کر کے متنازعہ فیہا زمین کے لئے مقدمہ لڑنا جائز ہے؟

۵... عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے از روئے شریعت صحیح ہے، اور فیصلہ پر عمل کرنا مسلمانوں کو جائز ہے؟

۶... عدالت نے مسجد اولیٰ کے متولیوں پر مسجد ثانیہ کا خرچہ ڈالا، کیا یہ خرچہ وصول کرنا اور اس کو مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے، اگر اس رقم کا لانا جائز ہے اور مسجد میں خرچ کیا جائے تو اس مسجد میں نماز مکروہ تو نہ ہوگی؟

۷... متنازع فیہا زمین مسجد اول کسی کو کرایہ پر نہیں دی، وہ بالکل ویران پڑی رہتی۔ اس ڈگری کے بعد مسجد ثانیہ کے متولی اس زمین کا کرایہ سالانہ بطور ہرجانہ اتنی مدت کا جس مدت تک ویران پڑی رہتی بذریعہ عدالت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کرایہ وصول کرنا شرعاً درست ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس بارے میں جو امداد کرے وہ کس جرم کا مستحق ہے اور یہ پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے؟

۸... جو لوگ بذریعہ عدالت مسجد اولیٰ کی توڑ پھوڑ میں شریک ہوئے و مشورے میں شریک رہے اور اس پر خوش ہوئے اور یوں کہا کہ ہم نے جنت خریدی، ایسے لوگ شرعاً جرم کے مستحق ہوئے، کیا ان کے ایمان میں کچھ خلل تو نہیں پیدا ہوا؟ امام اور بعض لوگ یہاں تک بدگمانی کرتے ہیں کہ ایسے مسلمان تو بہت آ گئے کیا ایسے لوگ دائرہ اسلام میں رہ گئے ہیں اور کیا ان کی زوجہ نکاح میں رہ سکتی ہے؟

۹..... کنویں میں پیشاب وغیرہ کرنا کرانا تاکہ مصلی پانی استعمال نہ کر سکے، اسی طرح ایک طرف کا راستہ مسجد میں آنے کا بند کرا دینا تاکہ مصلی تکلیف اٹھا کر دوسری مسجد میں چلا آئے وغیرہ امور کے ارتکاب کرنے والے لوگ ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله﴾ الخ(۱) کے تحت داخل ہو سکتے ہیں؟ نیز آیت شریفہ کی کچھ تفصیل بھی بیان فرمائیں۔

۱۰..... اگر امام مسجد اس توڑ پھوڑ اور کنویں میں پیشاب کرانے میں شریک ہو اور اس کار ناشائستہ کو دخول جنت کا ذریعہ سمجھتا ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟ کیا مسلمانوں پر ایسے امام کو امامت سے الگ کرنا واجب ہے؟ امام اور بعض لوگ اس مسجد کے مال غنیمت سمجھتے ہیں، کیا یہ ٹھیک ہے؟

۱۱..... چند لوگ صلح بین الفریقین کے لئے پڑے ہیں، بات یہاں تک پہنچی ہے کہ مسجد اول کے لئے اتنی زمین چھوڑ دی جائے جس میں غسل خانہ وغیرہ بن سکے اور عدالت کا خرچہ نصف مسجد اول دے۔ کیا یہ صلح موافق شرع ہے اور اس طریقے سے مسجد کی زمین دوسری مسجد میں دی جا سکتی ہے، شرعاً کچھ قباحت تو نہیں ہے؟ اس بارے میں صلح کی بہتر شکل شرعاً کیا ہے؟

۱۲..... ایسے مصلحین شرعاً مجرم تو نہ ہوں گے؟

۱۳..... مسجد کو جدید فیشن پر لانے کے لئے مسجد کی پختہ عمارت توڑنا جائز ہے؟ اس جدید فیشن سے صفوں میں بھی کمی آجاتی ہے۔

۱۴..... اگر کوئی شخص اس توڑنے کی وجہ سے ناراض ہو کر قانونی چارہ جوئی سے اس کی رکاوٹ کرادے تو وہ شخص گناہگار تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱، ۲، ۳..... اصل یہ ہے جب کوئی شئی شرعی قواعد کے مطابق وقف ہو جائے تو اس کی بیع ناجائز ہوتی ہے، جس زمین کو شرعی مسجد بنا دیا گیا، اس کی بیع کسی حال میں درست نہیں ہے(۲)، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك، ولا يعار ولا يرهن، لعد". (الدر المختار). "(قوله: لا يملك) أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة =

درست ہے (۱)۔ اس عبارت سے نمبر ۱، ۲، ۳ کے جوابات واضح ہوگئے۔

۴ ... جب وقف تام اور لازم ہوجاتا ہے تو اس کو رہن رکھنا درست نہیں ہوتا (۲)۔

۵ ... عدالتِ عالیہ کے فیصلہ میں جیسا کہ آپ نے نقل کیا ہے ایک جز شریعت کے مطابق اور قابلِ عمل ہے یعنی یہ کہ "وقف کی بیع کا متولیوں کو حق نہیں" اور دستاویز ناقابلِ عمل ہے (۳)۔ اور دوسرا جز شریعت کے خلاف ہے اور اہلِ اسلام کے حق میں ناقابلِ قبول ہے یعنی یہ کہ "بارہ برس سے زیادہ مدت گزر جانے کی بنا پر قبضہ دوسری مسجد والوں کو دیا جاتا ہے" (۴)۔

۶ ... یہ خرچہ لینا جائز نہیں ہے، واپس کرنا ضروری ہے، مگر مسجد میں اس سے نماز ممنوع نہ ہوگی (۵)۔

---

(۱) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب ... هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد" قال: نعم. ..... ولا ينتفع المارة به، وله أوقاف عامرة فسئل: هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال: نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المارة، ويحصل ذلك بالثاني اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/۳۶۰، سعيد)

(وكذا في الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيدية)

(۲، ۳) راجع ص: ۴۸۱، رقم الحاشية: ۴

(۴) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(۵) "(قوله: لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اهـ. ومثله في المعراج. وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه اهـ. ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان. (قوله: وفيه) أي في البحر حيث قال: وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة ... وفي شرح =

۷... یہ جرمانہ لینا شرعاً ناجائز ہے اور جو شخص مسئلہ معلوم ہونے کے بعد ناجائز کام میں مدد کرے گا وہ گنہگار ہوگا، اگر یہ جرمانہ وصول کر لیا ہے تو اس کی واپسی ضروری ہے، اس کو مسجد میں یا اپنے مصرف میں لگانا جائز نہیں(۱)۔

۸... اگر وہ مسئلہ سے واقف ہیں لیکن یہ کہ شرعاً اس کو توڑنا، پھوڑنا ناجائز ہے(۲)، اس میں شرکت کرنے والے سب گنہگار ہوں گے۔ اگر مسجد کی توہین اور تحقیر کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ سخت خطرناک اور اسلام کے خلاف حرکت ہے۔ اسی طرح مسجد کو مسجد رہنا اور اس کو شرعی مسجد سمجھتے ہوئے خانۂ خدا کی تحقیر و تذلیل کی نیت سے ایسا کیا ہے تو یہ کفر ہے(۳)، اہل اسلام سے اس کی توقع نہیں۔ کسی حالت میں ایسے لوگوں کو علی الاعلان تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے(۴)۔

۹... کنویں میں نجاست ڈالنا اور پیشاب کرنا خلاف انسانیت حرکت ہے، اس کی قباحت کسی پر مخفی

---

(۱) "وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ. اهـ. والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۴/ ۶۱، ۶۲، سعيد)

(وراجع، ص: ۳۶۲، رقم الحاشية ۵)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۳) "أو لاستهزائه بشيء من الشرائع كفر". (الدر المختار، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه: ۵/ ۴۷۲، سعيد)

"قلت: ويظهر من هذا أن ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وإن لم يقصد الاستخفاف". (رد المحتار، باب المرتد: ۴/ ۲۲۲، سعيد)

(۴) "وما يكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح، وأولاده أولاد زنا، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح". (الدر المختار). "(قوله والتوبة): أي تجديد الإسلام". (رد المحتار، باب المرتد: ۴/ ۲۴۶، ۲۴۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع في أحكام المرتدين، ومنها ما يتعلق بتلقين الكفر الخ: ۲/ ۲۸۳، رشيدية)

نہیں۔ مجوس اور نصاریٰ نے بیت المقدس میں نجاست ڈالی تھی اور اس کو خراب و ویران کیا تھا(۱) اور مشرکین عرب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خانۂ کعبہ کا طواف کرنے اور اس میں نماز پڑھنے سے مقام حدیبیہ میں روک دیا(۲)، ان کی برائی اس آیت شریفہ میں نازل ہوئی کہ:

"اس سے ظالم کون ہے کہ جو اللہ کے گھر میں ذکر ہونے سے روکے اور اس کے گھر کو ویران کردے کہ لوگ وہاں سے اس کا نام نہ لے سکیں، ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے"(۳)۔

اب جو شخص خانۂ خدا کی بے حرمتی کرے اور اس کو ویران کرے اس کا حکم یہی ہے۔

۱۰... مسجد کا مال کسی حال میں قابلِ تقسیم نہیں، جو لوگ اس کو قابلِ تقسیم سمجھتے ہیں(۴) وہ گناہ عظیم

---

(۱) "قال: هم النصارى. وقال المجاهد: هم النصارى كانوا يطرحون في بيت المقدس الأذى ويمنعون الناس أن يصلوا فيه .... وقال السدي: كانوا ظاهروا بخت نصر على خراب بيت المقدس، حتى خربه، وأمر أن تطرح فيه الجيف، وإنما أعانه الروم على خرابه". (تفسير ابن كثير: ۱/۱۵۶، (سورة البقرة: ۱۱۴)، سهيل اكيڈمي لاهور)

(۲) {ومن أظلم ممن منع} الخ، قال: هؤلاء المشركون الذين حالوا بين رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الحديبية ...... عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: أن قريشاً منعوا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الصلاة عند الكعبة". (تفسير ابن كثير ۱/۲۱۹، (البقرة: ۱۱۴)، دار السلام رياض)

(۳) قال الله تعالى: {ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها، أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين، لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم} (سورة البقرة: ۱۱۴)

(۴) مسجد وقف ہوتی ہے اور وقف واقف کی ملک سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملک اس طرح بنتا ہے کہ اس کا نفع بندگانِ خدا تعالیٰ کو پہونچتا ہے، لہٰذا وقف کو تقسیم سمجھنا درست نہیں:

"وعندهما: حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد، فيلزم، ولا يباع ولا يوهب ولا يورث". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۰، رشيديه)

"والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالى: {وأن المساجد لله}".

(فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

میں مبتلا ہیں۔ توڑ پھوڑ کرنے والوں کا حکم جواب نمبر: ۹ میں گزر چکا ہے، اس جواب میں امام ومقتدی سب کا ایک حکم ہے۔

۱۱... جب یہ مسجد آباد ہو رہی ہے تو اس کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کسی دوسری مسجد میں نہیں دی جاسکتی، اور وہ زمین جس پر مسجد تھی اس کو تو کسی دوسری مسجد میں دینے کا احتمال ہی نہیں(۱)۔ جو زمین دوسری مسجد والوں نے خریدی تھی، اس کی قیمت پہلی مسجد والے واپس کردیں اور دوسری مسجد والے وہ زمین پہلی مسجد والوں کے حوالہ کردیں(۲)۔ خرچہ فریقین بذمہ فریقین ہے۔

۱۲... جواب نمبر ۱۱ کے موافق صلح کرنے سے مجرم ہوں گے(۳)۔

۱۳... محض شوقیہ مسجد توڑنا ہرگز جائز نہیں(۴)۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى، حاوي القدسي". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۳۲۲، رشيديه)

(۳) چونکہ یہ وقف زمین کی بیع ہے جو کہ ناجائز ہے، جب کہ انہوں نے ناجائز معاملہ کرنے والوں کے درمیان صلح کرتے ہوئے ناجائز کو ناجائز ہی برقرار رکھا ہے، جو کہ یا اعانت علی المعصیۃ ہے اور وہ گناہ اور جرم ہے۔

وقال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ [سورة المائدة: ۲]

(۴) "﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها". (روح المعاني: ۱/۳۶۴، (سورة البقرة: ۱۱۴)، مكتبه دار إحياء التراث العربي بيروت)

"وفي الكبرى: مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكم من البناء الأول، ليس له ذلك؛ لأنه لا ولاية له، كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۷، رشيديه)

۱۴..... گنہگار نہیں، بلکہ مستحق ثواب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/۳/۶۱ھ۔

غیر آباد مسجد کی بنیاد کا مصرف

سوال[۷۰۳۸]: جنگل میں سیکڑوں برس سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ کچھ عمارت کی بنیادیں پختہ ہیں، اس میں ایک بنیاد بطور مسجد کے معلوم ہوتی ہے۔ اب اس کی بنیاد نکال کر مسجد میں لگا دی جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مسجد ہونا ظاہر ہے، یا کاغذات وغیرہ کے ذریعہ سے اس کا ثبوت ہے تو اس کی بنیاد کا مسجد میں لگا دینا درست ہے(۱) اور اس جگہ کو احاطہ کے ذریعہ سے محفوظ کر دیا جائے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ رجب/۶۱ھ۔

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۱) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

درست ہے(۱)۔

غیر آباد مسجد کا سامان فروخت کرنے کے بجائے ایسی مسجد میں منتقل کر دیا جائے جہاں وہ کار آمد ہو۔ مسجد کی زمین کو کھود کر مٹی کو پھینک دینے کا مسئلہ مجھے معلوم نہیں، جنہوں نے بتلایا ہے ان سے عبارت نقل کرا دیں، یہ سب تفصیل وجہ و حوالہ کے ساتھ بھیجیں تو کتاب موقع پر تلاش کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۰ھ۔

غیر آباد مسجد کو کرایہ پر دینا یا اس کے سامان کو فروخت کرنا

سوال[۱۰۲۰۶]: ۱۔۔۔ صوبہ کشمیر کے کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں کی مسجدیں غیر آباد ہیں اور وہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا، ان مسجدوں کی دیواریں گر گئی ہیں اور بعض کا تعمیری کام بچا ہے اور مسجدوں کی لکڑیاں اور تختے ضائع ہو رہے ہیں، یا وہ غیر مسلم جو ان علاقوں میں رہتے ہیں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں مجلس اوقاف اسلامیہ جموں کو یہ حق ہے کہ گری ہوئی مسجدوں کی لکڑیوں کو اور دوسرے سامان کو فروخت کر کے دوسری آباد مسجدوں میں یا عام مسلمانوں کی دوسری ضروریات میں اس رقم کو لگائے؟

۲۔۔۔ ایسے علاقوں میں بعض مسجدیں ایسی بھی ہیں جہاں پر غیر مسلم پاخانہ، پیشاب اور دوسری گندگیاں کرتے ہیں اور پھیلاتے ہیں۔ کیا ایسی مسجد کسی غیر مسلم کو کرایہ پر یا بیع کر کے یا ہبہ کے طور پر دینا تاکہ وہ پاک رکھے اور دوسری نجاستوں سے محفوظ رہے درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱۔۔۔ اگر ان مسجدوں کے آباد کرنے کی کوئی صورت نہیں اور سامان ضائع ہو رہا ہے تو اس سامان کو

---

(۱) "إذا غصبه غاصب وأجرى عليه الماء، حتى صار بحراً، فيضمن القيمة، ويشتري المتولي بها أرضاً بدلاً، ثم قال: إلا أن يسمح الغاصب برده فلا تؤخذ، ولو أراد دفع القيمة، وللمتولي أخذها ويشتري بها بدلاً".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۴/۳۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۲۵، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کو دوسری مساجد میں لگایا جائے (۱) اور ان گری ہوئی مساجد کی چہار دیواری بنا کر اس طرح گھیر دیا جائے کہ ان کی حفاظت ہو جائے۔ اگر چہار دیواری بنانے کے لئے پیسہ نہ ہو تو اس کے ملبے اینٹ وغیرہ سے بنا دیں، یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے بنا دیں (۲)، اس کی قیمت کسی دوسرے کام میں صرف نہ کریں، بلکہ مساجد ہی کی ضروریات میں صرف کریں۔

۲..... ان کو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں (۳)، حسب قدرت واگذار کرانے کی کوشش کی جائے (۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۵ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

(۱) "ونقل في الذخيرة: عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".
(رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/ ۳۵۹، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۲، رشيديه)

(۲) "سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، سعيد)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى".
(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۵۸، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/ ۴۲۱، رشيديه)

(۴) "واگذار: چھوڑا ہوا، پابندی اٹھی ہوئی، بخش دیا گیا۔ واگذار کرانا: جائیداد کو کسی کے قبضے (رہن وغیرہ) سے چھڑانا"۔
(فیروز اللغات، ص: ۱۴۹۲، فیروز سنز، لاہور)

الفصل الخامس فی المسجد القدیم

(پرانی مسجد کا بیان)

پرانی مسجد کو توڑ کر نئی تعمیر کرنا

سوال[۲۰۴۱]: کسی محلہ میں ایک مسجد جس کی دیواریں اور محراب پختہ ہیں اور اس کی چھت اسپاوی [؟] ہے، کثرتِ مصلی کی وجہ سے اہلِ محلہ نے ایک اور حصہ اس کے متصل بڑھادیا جس کی تھونیں ہوچکی ہیں اور بھونچال(۱) کی وجہ سے مسجدِ قدیم کی دیواریں پھٹ گئیں(۲)۔ اب یہ محلہ والے چاہتے ہیں کہ دونوں کو توڑ کر ایک پختہ مستحکم بڑی مسجد بنادیں تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

وفی الجزء الثانی من البخاری: "عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما أخبرہ: أن المسجد کان علی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مبنیاً باللبن، وسقفہ الجرید، وعمدہ خشب النخل، فلم یزد فیہ أبو بکر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ شیئاً، وزاد فیہ عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وبناہ علی بنیانہ فی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم باللبن والجرید، وأعاد عمدہ خشباً، ثم غیرہ عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، فزاد فیہ زیادۃً کثیرۃً، وبنی جدارہ بالحجارۃ المنقوشۃ والقصۃ، وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ وسقفہ بالساج"(۳)۔

قولہ: "ثم غیرہ عثمان" سے اخیر تک کس بات کا مؤید ہے؟

المستفتی: مولوی محبوب الدین صاحب چودھری۔

---

(۱) "تھونی: کھمبا، تھم، ستون، وہ لکڑی جو چھپر یا چھت کے نیچے سہارا دینے کے لئے لگاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۹۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) "بھونچال: زلزلہ، زمین کا لرزہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۲۱، فیروز سنز لاہور)

(۳) (صحیح البخاری: ۱/۶۴، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المسجد، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"في الكبرى: مسجد مبني أراد رجل أن ينقضه ويبنيه ثانياً أحكم من الأول، ليس له ذلك؛ لأنه لا ولاية له، كذا في المضمرات. وفي النوازل: إلا أن يخاف أن ينهدم إن لم يهدم، كذا في التتارخانية. وتأويله: إذا لم يكن الباني من أهل تلك المحلة، وأما أهل المحلة، فلهم أن يهدموا ويجددوا بناءه ويفرشوا الحصير ويعلقوا القناديل، لكن من مال أنفسهم، أما من مال المسجد فليس لهم ذلك إلا بأمر القاضي، كذا في الخلاصة". فتاویٰ عالمگیریہ(۱)۔

اس عبارت سے تیسرے سوال کا جواب اور حدیث شریف کا محمل، رفع سے تطبیق واضح ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود

ویران ہوجانے کے بعد مسجد کا حکم

سوال[۷۰۰۲]: کسی جگہ کوئی مسجد تھی، بعض مصلحت کی بنا پر اس مسجد کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ بنوادی گئی تو کیا مسجد اول کی زمین وقف کے حکم میں ہمیشہ رہے گی، یا اس کی بیع فروخت جائز ہوگی؟ مفصل تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قاعدۂ شرعی مسجد ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وقف ہے، اس کی زمین کو فروخت کرنا، کرایہ پر دینا ناجائز ہے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: "فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۸، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه: ۴/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

يرجى (كما في الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳/۶۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ذی القعدہ/ ۵۹ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

مسجد ویران ہونے پر دوسری مسجد بنانا

سوال [۷۰۰۳]: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسجدے بوجہ تفرق اہل محلہ ویران شدہ است، نہ اذان، نہ چراغ۔ بایں نوبت رسید کہ اسباب منقولش را مال غنیمت می شمارند، حتی کہ دلو فروش وغیرہ ازاں دزدیدہ شد۔ اغلب این است کہ ہیچ از منقولش باقی نماند، وباقی مسجد خود موجود است۔ آدمی خواہند کہ وے را نقل کردہ بجائے دیگر کہ شدید الاحتیاج الی المسجد است بنائے جدید سازد۔ روا باشد یا نہ؟ برتقدیر ثانی اگر نقل کردہ بمسجد ثانی نماز ادا شود یا نہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر است کہ اسبابش بسوئے مسجد اقرب نقل کردہ شود بمشورۂ ارباب حل وعقد محلہ (۲)۔ اگر ایں سہل باشد، در بنائے مسجد جدید صرف نمودن روا خواہد

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه" (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۲، رشيدية)

(۲) "وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

شد، و احترام مسجد قدیم نیز علی حالہ خواہد ماند(۱)۔ و مسجد جدید نماز گزاردن، و جائے کہ آن وقف شدہ با ضابطہ حکم مسجد شرعی یافت بے دغدغہ روا خواہد شد، والأدلة في رد المحتار: ۲/۵۷٤(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۹/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ٥/٤٢٢، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ٣/٣١٥، رشيدية)

(١) "حوض أو مسجد خرب و تفرق الناس عنه، فللقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر. ولو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة، فللقاضي صرف الخشبة إلى عمارة المسجد الآخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ٥/٤٢٢، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ٤/٣٥٩، سعيد)

(٢) "ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجداً". (الدر المختار). "قلت: في الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلا خلاف، حتى أنه إذا بنى مسجداً وأذن للناس بالصلاة فيه جماعةً، فإنه يصير مسجداً، اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ٤/٣٥٥، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ٥/٨٣٤، إدارة القرآن كراچي)

ترجمہ سوال و جواب: علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک مسجد اہلِ محلہ کے منتقل ہو جانے سے ویران ہو گئی ہے کہ نماز اذان ختم ہو گیا، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اسبابِ منقولہ کو لوگ مالِ غنیمت شمار کرتے ہیں، حتی کہ اس کا فرش وغیرہ چرا لے گئے۔ اغلب یہ ہے کہ کوئی چیز اسبابِ منقولہ سے باقی نہیں رہی، باقی خود موجود ہے۔ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کو منتقل کر کے دوسری جگہ جہاں مسجد کی شدید ضرورت ہے جدید مسجد بنائے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیرِ ثانی اگر منتقل کر لی گئی تو مسجدِ ثانی میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ اس کا سامان محلہ کے اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے قریب ترین مسجد میں منتقل کر دیا جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو جدید مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا بھی درست ہوگا اور مسجدِ قدیم کا احترام بھی علی حالہ باقی رہے گا اور مسجدِ جدید میں نماز ادا ہوگی، اور اس جگہ میں جو وقف ہو کر باقاعدہ مسجد بنے گی بے شبہ درست ہوگا۔ رد المحتار میں دلائل موجود ہیں۔ فقط۔

مکانات کے فروخت کرنے سے ویران مسجد کا حکم

سوال[۲۰۴۲]: ۱...... ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں تقریباً دو سو سال سے مختلف قوم کے لوگ رہتے ہیں، اس میں سوا ڈیڑھ سو گھر مسلمانوں کے بھی ہیں۔ اس گلی میں ایک مسجد بھی ہے، کئی سال محلہ اور مسجد آباد رہی، اب کسی وجہ سے مسلمان ایک ایک کرکے اپنے گھروں کو غیر قوم یعنی کفار کے ہاتھ فروخت کرکے جارہے ہیں۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو مسجد ویران ہوجائے گی۔ تو مسجد کا خیال نہ کرتے ہوئے اس طرح مکانات فروخت کرنا کیسا ہے، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲...... اہلِ ثروت حضرات اس ویران ہونے والی مسجد کا خیال رکھ کر آباد کرنا چاہتے ہیں تو آباد کرسکتے ہیں، مثلاً زکوٰۃ وغیرہ کے روپے جمع کرکے اس سے فروخت شدہ مکانات واپس لیکر کرایہ پر ان کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۳...... اگر کوئی مالدار مسجد کا خیال رکھتے ہوئے اسی محلہ میں نیا گھر تعمیر کرے، یا تعمیر کرنے والوں کی امداد کرے تو کیسا ہے؟

۴...... اہلِ ثروت حضرات کو بار بار اس مسجد کی ویرانی کے اسباب سنائے جاتے ہیں مگر کوئی ایک بھی اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں خدائی فرمان کیا ہے؟

۵...... ایک حدیث سنی گئی ہے جو حج سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ ویران ہونے والی مسجد کو آباد کیا جائے۔ یہ بات درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جہاں تک جوازِ بیع کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے کہ مالک کو اپنی ملک فروخت کرنے کا حق حاصل ہے(۱)

---

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص" اهـ. (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال: ۴/۵۰۲، سعيد)

"كل يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق حق الغير به فيمنع المالك من تصرفه على وجه الاستقلال" (شرح المجلة، الفصل الأول في بعض أحكام الأملاك: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئته)

اور بطریق شرعی ایجاب وقبول سے بیع صحیح ہوجائے گی (۱)، لیکن حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان کو اس کا لحاظ چاہیے کہ بغیر مجبوری کے ایسا نہ کریں، مجبوری کی حالت میں تو ہجرت بھی ثابت ہے۔

۲... اگر وہ اپنے فروخت کردہ مکانات کو پھر خرید کر مسلمانوں کو کرایہ پر دیدیں جس سے مسجد آباد ہوجائے تو یقیناً بہت بڑا اقدام ہوگا، مگر اس کی ترغیب ہی دی جاسکتی ہے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور زکوۃ کا روپیہ اس میں خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ غرباء کا حق ہے (۲)۔

۳... انشاء اللہ تعالیٰ اپنی نیت کے پیش نظر اجر عظیم کا مستحق ہوگا (۳)۔

۴... ان کے لئے از خود کوئی وعید تجویز نہیں کیا جاسکتی، ترغیب دی جاسکتی ہے۔

۵...... مجھے یہ روایت محفوظ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۸۷ھ۔

پرانی مسجد کو گرانا

سوال [۵۰۳۵]: کیا سابق متولی کی اجازت کے بغیر مسجد گرائی جائے بغرض التعمیر جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) "البیع ینعقد بالإیجاب والقبول إذا كانا بلفظ الماضي". (الهداية، كتاب البيوع: ۱۸/۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "لا يصرف إلى بناء مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۸/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة: ۲۰۷/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرئ ما نوى". (صحيح البخاري: ۲/۱، باب كيف كان بدء الوحي، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کیوں گرائی گئی ہے؟ کیا پرانی ہوگئی تھی؟ یا جگہ ناکافی تھی؟ یا کوئی اور بات ہے؟ صاف صاف لکھا جاوے تب جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۷۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مظاہر علوم، ۲۸/۲/۷۵ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم۔

پرانی مسجد کو آباد کرنا

سوال [۷۰۳۶]: میں نے تعمیرِ مکان کے لئے زمین خریدی، اس زمین کے احاطہ میں ایک گوشہ میں ایک قطعۂ زمین ۲۰/ فٹ لمبی ۱۵/ فٹ چوڑی مسجد کے نام سے گھری ہوئی ہے، دیواریں تین فٹ سے زائد اونچی ہیں۔ اور لوگ بتلاتے ہیں کہ کسی وقت یہاں نماز ہوا کرتی تھی، مگر سالہا سال سے اس میں اذان اور نماز قطعاً موقوف ہے، اس محلہ میں دو مسجدیں اور ہیں جہاں باقاعدہ نماز و اذان پنجگانہ ادا ہوا کرتی ہے۔ تو اس زمین کو فروخت کر کے محلہ کی دوسری مسجد میں اس کے روپیہ کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پھر مسجد کے نام سے ہی باقی رکھا جائے، یا اس کی تعمیر ضروری ہے، یا اس میں نماز ادا کرنا ہی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ معلوم ہے کہ یہاں نماز ادا ہوا کرتی تھی اور اس کی ہیئت بھی بتاتی ہے کہ یہ قطعۂ زمین جداگانہ ہے، کسی کے مکان کا جزو نہیں ہے اور تین فٹ سے زائد اونچی دیواروں سے گھرا ہوا ہے اور کوئی ملک کا مدعی نہیں، اس لئے اس کو فروخت نہ کیا جائے (۱)۔ اگر اس کی تعمیر کی اہلِ محلہ میں گنجائش نہیں تو بغیر تعمیر ہی وہاں اذان و نماز جماعت کا انتظام کیا جائے، آہستہ آہستہ اس کی تعمیر کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) "لأنه لو لزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن، اهـ". (الدر المختار). "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه. (ولا يملّك): أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۲۰۳، رشيديه)

مسجد قدیم کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۴۱]: عرصہ دس سال کا ہوا ہمارے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جس پر ہندو مسلم تنازعہ پیدا ہوا اور تعمیر مسجد رُک گئی، مگر اذان ونماز اور نماز جمعہ اس میں برابر ہو رہی ہے۔ مگر اب ہندو لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ کو چھوڑ کر تم کسی دوسری جگہ مسجد بنالو اور اس زمین کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرلو، مثلاً اسلامیہ مدرسہ بنالو اور یہ زمین مسجد کے نام سے رجسٹری ایک مسلمان نے کرادی ہے، ایسی صورت میں اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہاں اذان وجماعت دس سال سے ہو رہی ہے تو اس اذان وجماعت کو بند نہ کریں، بدستور جاری رکھیں، وہ جگہ شرعاً مسجد ہے(۱)، اس کو کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص نہ کریں(۲)، نہ اس کے عوض دوسری جگہ مسجد بنائیں(۳)۔ اگر اس کی چہاردیواری نہیں ہے تو چہاردیواری بنا کر دروازہ لگا کر محفوظ کردیں اور پانچوں وقت اذان وجماعت کا اہتمام رکھیں۔ اتنی بات پر دوسروں کو بھی اعتراض نہیں۔

اگر فساد کا اندیشہ ہے تو پکی پختہ مسجد نہ بنائیں، البتہ اس میں تعلیم قرآن شریف کا انتظام کردیں کہ وہاں تعلیم بھی ہوا کرے اور نماز بھی، حسب ضرورت بچوں کے بیٹھنے کے لئے سائبان وغیرہ کا انتظام کرلیں(۴)،

---

(۱) "ولو جعل رجلاً واحداً مؤذناً وإماماً، فأذن وأقام وصلی وحده، صار مسجداً بالاتفاق، کذا في الکفایة". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد: ۲/۴۵۵، رشیدیة)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۴۲۱، رشیدیة)

(۳) "والثالث: أن لا یشترط أیضاً، ولکن فیه نفع في الجملة، وبدله خیر منه ریعاً ونفعاً، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه: ۴/۳۸۴، سعید)

(۴) "ومن علم الأطفال فیه، وفي الخلاصة: تعلیم الصبیان في المسجد لا بأس به اهـ". (الدر المختار —

تاہم اب جب کہ ان پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو ان کا وہ حکم نہیں جو مسجد کے فرش میں لگے ہوئے کا تھا:

"لاحرمة لتراب المسجد إذا جمع، وله حرمته إذا بسط، اه". بحر: ۵/۲۴۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۲/۹۵ھ۔

پرانی مسجد چھوڑ کرنئی مسجد میں جانا

سوال[۷۰۲۹]: ایک مسجد جو تقریباً عرصہ سو سال سے قائم ہے جس میں نماز پنجگانہ و جمعہ ادا کرتے چلے آئے ہیں، مگر ایک رئیس صاحب نے دوسری مسجد بنوا کر مسجد اول کے نمازیوں کو بہکانا شروع کر دیا ہے کہ جس کے اثر سے اکثر نمازی اب مسجد ثانی میں نماز ادا کرتے ہیں، لہذا بہکانے والوں کو کیا کہا جائے گا اور ایسے نمازیوں کی نماز کیسی ہوگی؟ اور مسجد ثانی حکم میں مسجد کے ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد ثانی بنوانے کے اسباب کیا ہیں، اگر مسجد اول میں جگہ کی قلت اور نمازیوں کی کثرت ہے تو مسجد ثانی یقیناً مسجد ہے (۲) اور ایسی حالت میں نمازیوں کی نماز میں کوئی اشکال نہیں، البتہ نمازیوں کو بہکانا برا ہے۔

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ۵/۳۲۱، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: أمر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن يتخذ المساجد في الدور وأن تطهر وتطيب". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد، باب تطهير المساجد وتطيبها، ص: ۵۵، قديمي)

"وعن عطاء: لما فتح الله تعالى الأمصار على يد عمر رضي الله تعالى عنه، أمر المسلمين أن يبنوا المساجد، وأن لايتخذوا في مدينة مسجدين يضار أحدهما صاحبه". (الكشاف: ۲/۳۱۰، (سورة التوبة: ۱۰۷)، دار الكتاب العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني: ۱۱/۲۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بہتر یہ ہے کہ جس نمازی کے قریب جو مسجد ہو اس میں نماز پڑھے تاکہ دونوں مسجد آباد رہیں (۱)۔ اگر کسی اور سبب سے دوسری مسجد میں دل لگتی ہے تو اس کے معلوم ہونے پر حکم تحریر کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/شعبان/۶۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= (وكذا في معالم التنزيل للبغوي: ۲/۲۷۳، إدارة تأليفات أشرفيه لاهور)

"أهل المحلة قسموا المسجد، وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد لا بأس به. والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۱) "ثم الأقدم أفضل لسبقه حكماً، إلا إذا كان الحادث أقرب إلى بيته، فإنه أفضل حينئذ لسبقه حقيقة وحكماً، كذا في الواقعات. وذكر قاضي خان وصاحب منية المفتي وغيرهما أن الأقدم أفضل، فإن استويا في التقدم فالأقرب أفضل". (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمي لاهور)

الفصل السادس في التوسيع في المسجد

(مسجد میں توسیع کرنے کا بیان)

مسجد کی توسیع

سوال[۷۰۵۱]: تعمیر مسجد کے بارے میں مسجد کن وجوہات کی بناء پر نئی لازم ہوئی:

۱۔ سو سال پرانی مسجد آبادی کے لحاظ سے بالکل تنگ ہو رہی ہے۔

۲۔ پرانی مسجد کے چاروں طرف بڑھانے کی جگہ نہیں، بلکہ دو جانب ہی بڑھا سکتے ہیں۔

۳۔ مسجد عین چلتے راستے کے کنارے پر واقع ہے جس کے سبب بعض دفعہ مسجد کے پاس کونسل گاڑی کے پہیوں کی ٹھوکریں لگ جاتی ہیں، گاڑیوں کی وجہ سے مسجد میں دھول ہی دھول ہو جاتی ہے(۱)۔

۴۔ پرانی مسجد کے آگے کوئی بند حصہ نہیں ہے، صرف پاؤں دان بنا سکیں تاکہ سامنے جو جنرل سڑک روز پر سے گذرتے وقت: محرم اور ہر مذہب کی عورتیں گذرتی ہیں ان پر نظر پڑے جس کی وجہ سے وضو میں خرابی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر بستی والوں کی تکلیفیں دور کرنے کی خاطر قریب ہی پرانی مسجد ویسی ہی رکھ کر دوسری مسجد تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پرانی مسجد کو دینی مدرسے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نمازی زیادہ ہیں اور مسجد میں نہیں سما سکتے تو مسجد کو بڑھایا جائے، جس طرف سے بھی جگہ ملے بجائے تعمیر مسجد کو توسیع کر لیا جائے(۲)۔ اگر گنجائش نہ ہو تو حسب ضرورت مناسب موقع پر

---

(۱) "دھول: خاک، گرد، گرد و غبار"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۸، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "أرض وقف على مسجد، والأرض بجنب ذلك المسجد، وأرادوا أن يزيدوا في المسجد شيئاً من الأرض، جاز، لكن يرفعون الأمر إلى القاضي ليأذن لهم. ومستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا". =

دوسری مسجد ہی تعمیر کرلی جائے (۱)، اس طرح کہ ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے نہ ٹکرائے اور خلل پیدا نہ ہو اور دونوں نئی پرانی مسجدیں حسن وخوبی سے آباد رہیں (۲)۔

نئی مسجد کو مستقلاً کسی دوسرے کام مثلاً تعلیم وغیرہ کے لئے تجویز ومخصوص کردینا جائز نہیں ہے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

توسیع مسجد کی ایک صورت

سوال [۷۰۵۱]: کشمیر میں ایک قصبہ تریگاں کے نام سے واقع ہے، اسی قصبہ میں اہل اسلام کی ایک جامع مسجد ہمیشہ سے آباد ہے، امتداد زمانہ سے یہ مسجد نہایت خستہ ہوگئی تھی، اور رمضان شریف کے جمعہ میں

= (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۳۵۶/۲، رشیدیه)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه، الخ: ۴۲۱/۴، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشیدیه)

(۱) "عن أنس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال: أمر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ببناء المسجد فقال: "یا بنی النجار! ثامنونی حائطکم هذا". قالوا: لا والله! لا نطلب ثمنه إلا إلی الله عزوجل". (صحیح البخاری: ۳۸۸/۱، کتاب الوصایا، باب إذا وقف جماعة أرضاً مشاعاً، الخ، قدیمی)

(۲) "أهل المحلة قسموا المسجد، وضربوا فیه حائطاً، ولکل منهم إمام علی حدة، ومؤذنهم واحد، لا بأس به. والأولی أن یکون لکل طائفة مؤذن". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، الخ: ۳۲۰/۵، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۴۲۹/۵، رشیدیه)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی، حاوی القدسی". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۴۵۸/۲، رشیدیه)

نمازیوں کے لئے غیر متعلق تھی، علاقہ بھر کے مسلمان نمازی نہیں جاسکتے تھے، لہذا اہلِ محلہ لوگوں نے اس مسجد کو وسعت کے ساتھ تعمیرِ نو کرنے کے متعلق فیصلہ کرلیا، مگر سوائے حصۂ مغرب کے کسی طرف میں توسیع کی گنجائش نہ تھی، صرف جہت مغرب میں اس مسجد کا خود بدولت رقبہ زمین واقع تھا، لہذا مسجد کو اسی جہت آگے بڑھانے کا مشورہ پاس ہوگیا۔

کشمیر میں شاہانِ مغل کے انداز میں تعمیر کے مطابق جامع مسجد کی بھی ایک ساخت ہوتی ہے اسی کے مطابق تعمیرِ جدید کا نقشہ مرتب ہوگیا کہ سابقہ مسجد کا چوتھا حصہ جہت مغرب سے تعمیرِ جدید میں شامل ہوگیا، باقی تین حصہ مسجد ہذا کے صحن کی صورت میں احکام میں مسجد بغیر بام رہ گئے، یعنی جدید تعمیر کو اگر چار حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے تین حصہ مغربی طرف کے مذکورہ مسجد پر واقع ہوئے ہیں اور باقی چوتھا حصہ سابقہ مسجد کے رقبے سے پورا ہوجاتا ہے۔ اب جہت مشرقی کو اصل مسجد کے تین حصہ کی زمین ہے وہ اب بغیر بام(۱) مسجد بصورت صحن بغیر کسی انفصال کے محفوظ و موجود ہے، اس میں ہی بادل برف و بارش نہ ہونے کے وقت پر نوافل و فرائض کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس صحن میں بے غسل و بے وضو داخل ہوجانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

بدستور مسجد جامع کا اطلاق دونوں پر کیا جاتا ہے، دروازہ مشرقی فصیل میں زمین پر بنا ہوا ہے جس پر قدیم دروازہ تھا۔ نقشہ دیوار استفتاء سے واضح ہوجائے گا۔ کیا یہ تعمیر مسجد جامع ہذا بموجب شریعت اسلام جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو مسئلہ: "ويجوز جعل المسجد رحبة والرحبة مسجداً" کا کیا مطلوب ہے؟ یہ عمل تعمیرِ مسجد جو یہاں کے اہلِ اسلام نے کیا ہے اس میں ثواب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر یہ تصرف واقف بانی یا اکثر اربابِ حل وعقد کے مشورہ سے کیا گیا ہے اور اس سے مسجد کی بے حرمتی یا اور کوئی مصلحت فوت نہیں ہوتی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بوقتِ ضرورت شرعاً ایسا تصرف جائز ہے اور باعثِ اجر وثواب ہے:

"في الذخيرة: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً أو المسجد رحبة، وأرادوا أن يحدثوا له باباً، وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك، فإن اختلفوا نظر: أيهم أكثر

---

(۱) "بام: چھت کے اوپر کے حصہ، بالاخانہ، کوٹھا، بالائی منزل"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۷۳، فیروز سنز لاہور)

والفصل، فیهم ذلك، كذا في المضمرات". فتاوی عالمگیری: ۲/۴۵۶(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

بلا ضرورت توسیع مسجد کے لئے برآمدہ کو مسجد میں داخل کرنا

سوال [۷۰۵۲]: ۱۹۳۷ء میں ایک مسجد بنائی، بناتے وقت میں نے یہ نیت کی کہ یہ مسجد دروازہ تک ہے، یہ مسجد کا حصہ ہے اور یہ باہر کا حصہ ہے جس کو برآمدہ کہتے ہیں، یہ مسجد سے باہر ہے مسجد نہیں۔ میں مسجد کی تعمیر کرنے والا تھا۔ آج ۳۹/ سال ہوئے، اب جماعت کے چند آدمی یہ کہتے ہیں کہ مسجد کا برآمدہ (جو باہر کا حصہ ہے) کو مسجد میں شامل کر دو۔ کیا یہ ہو سکتا ہے؟ مسجد میں کچھ کمی نہیں، بہت جگہ ہے، بلا ضرورت کرنا چاہتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر باہر کا حصہ مسجد میں داخل کر دیا جائے تو معتکف برآمدہ میں ٹہل سکتے ہیں اور باہر کیا ہورہا ہے دیکھے اور ہوا خوری کرے۔ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اس مقصد کے لئے کہ معتکف اعتکاف میں رہتے ہوئے باہر کی چیزیں دیکھ لیا کرے، مسجد کی توسیع کی ضرورت نہیں، لہٰذا جو حصہ باہر کا ہے اس کو باہر ہی رہنے دیا جائے، مسجد میں داخل نہ کیا جائے۔ ہاں! اگر مسجد میں اتنی تنگی ہے کہ نمازی نہ سما سکتے ہوں تو آپس کے مشورہ سے وہ حصہ داخل کر لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۱۴۰۹ھ۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الخ: ۲/۴۵۶، رشیدیه)

"سئل أبو القاسم عن أهل مسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبة، والرحبة مسجداً، أو يتخذوا له باباً، أو يحولوا بابه عن موضعه، وأبى البعض ذلك، قال: إذا اجتمع أكثرهم وأفضلهم، ليس للأقل منعهم". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی جعل شیء من المسجد طریقاً: ۴/۳۷۸، سعید)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۵/۸۴۱، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، الرابع فی المسجد وما یتصل به: ۶/۲۶۸، رشیدیه)

(۲) "وفي الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبةً، وأرادوا أن يحدثوا له

مسجد کے متصل جگہ کو مسجد میں داخل کرنا

سوال [۷۰۵۳]: مسجد سے ملی جلی شروع سے بنام مدرسہ الگ سے ایک جگہ متعین ہے، کیا اس جگہ کو مسجد میں شامل کرکے مدرسہ چلایا جاسکتا ہے؟ اور بساوقات نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے پر مذکورہ بالا جگہ میں امام مسجد ہی کی امامت میں باجماعت نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۱)، اگر جداگانہ (وقف) ہے مدرسہ کے لئے، تو اس کو مسجد میں شامل نہ کیا جائے(۲)، اگر مسجد کے لئے وقف ہے تو آپس کے مشورہ سے حسب ضرورت مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے(۳)۔ مجمع زیادہ ہونے کے وقت اگر وہاں تک صفوف

= بابا، وأرادوا أن يحولوا الباب من موضعه، فلهم ذلك. فإن اختلفوا، نظر: أيهم أكثر وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ۲/ ۴۵۶، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً، ۴/ ۳۷۸، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد، ۵/ ۸۴۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/ ۲۶۸، رشيديه)

(۱) "لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص" (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك، الخ: ۴/ ۵۰۲، سعيد)

(وكذا في شرح المجلة، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۱/ ۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين، أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً، لا يجوز له ذلك أي الصرف المذكور". (الدر المختار). "ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال، فلا يصرف أحدهما للآخر. وهي واقعة الفتوى، اهـ" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه: ۴/ ۳۶۰، ۳۶۱، سعيد)

(۳) "وفي الكبرى: مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبة، وأرادوا أن يحدثوا له =

متصل ہیں تو امام کی اقتداء میں وہاں نماز درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

مسجد سے متصل قبروں کو مسجد میں شامل کرنا

الاستفتاء [۶۰۵۴]: مسجد کی دیوار کے باہر چند قبریں بنی ہیں اور مسلمان مسجد کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں تو کیا قبروں کی اینٹیں نکال کر قبروں کو برابر کرکے مسجد کو آگے بڑھائی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے اس جگہ کی قبریں برابر کرکے مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۲) اور ان قبروں کی اینٹوں کو بھی مالک کی اجازت سے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی

= بابا، وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه، فلهم ذلك، فإن اختلفوا، نظر: أيهم أكثر وأفضل، فلهم ذلك، كذا في المضمرات". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۶، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۹، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۸۴۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، رشيدية)

(۱) "هذا إذا لم تكن الصفوف متصلة على الطريق، أما إذا اتصلت الصفوف لا يمنع الاقتداء ولو كان على الطريق واحد لا يثبت به الاتصال، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع: ۱/۸۷، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۶۳۲، رشيدية)

(۲) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلي فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد؟: ۴/۱۷۴، إدارة الطباعة دمشق)

ہوں کہ اب ان میں میت موجود نہ ہو، بلکہ مٹی بن چکی ہو(۱)۔ اگر وہ جگہ قبروں کے لئے وقف ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۵ھ۔

صحنِ مسجد سے متصل قبروں کا حکم

سوال [۷۰۵۵]: ایک مسجد کے تین نمبر ہیں: نمبر:۱- سہ دری وغیرہ۔ نمبر:۲- صحن وغیرہ۔ نمبر:۳- قبریں۔ یہ شاہی زمانہ کی مسجد ہے۔ نمبر:۱ میں پانچوں وقت کی نماز ہوتی ہے، نمبر:۲ میں گرمی میں عشاء کی نماز ہوتی ہے اور عیدوں کی نماز، نمبر:۳- کھلی جگہ ہوتی ہے اور بیڑی وغیرہ پینے کے لئے بھی بیٹھتے ہیں، متولی صاحب منع کرتے ہیں تو اس میں حصہ مسجد کون ہے اور خارج مسجد حصہ کون؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نمبر:۳ کی جگہ بظاہر مسجد نہیں ہے، اس لئے کہ وہاں قبریں موجود ہیں، لہذا اس جگہ پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، وہاں بلا غسل جانا بھی درست ہوگا (۳)۔ نماز میں اگر قبریں سامنے ہوں تو وہاں نماز پڑھنا

---

(۱) "ولو بلی المیت و صار تراباً، جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ و البناء علیہ" (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۳، سعید)

(۲) "مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیھا آثار المقبرۃ، ھل یباح لأھل المحلۃ الانتفاع بھا؟ قال أبو نصر رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یباح". (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر، الخ: ۳/۳۱۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر، الخ: ۲/۴۷۰، ۴۷۱، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۳۰، مکتبہ مصطفی البابی مصر)

(۳) "أی یمنع الحیض دخول المسجد، وکذا الجنابۃ، وخرج بالمسجد غیرہ کمصلی العید والجنائز =

ممنوع ہوگا اگرچہ نماز مفید ہو(۱)۔ قبروں کا بھی احترام ہے، وہاں دنیا کی باتیں کرنا اور بیڑی پینا اگرچہ اس درجہ میں منع نہ ہو جس درجہ میں مسجد میں منع ہے، لیکن قبروں کے احترام کے خلاف ہے، وہاں قرآن پاک پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا چاہئے، موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ متولی صاحب کو بھی چاہئے کہ اس معاملہ میں سختی نہ کریں، بلکہ نرمی سے نصیحت کریں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۹ھ۔

مسجد کے صحن میں توسیع کے لئے قبر کو داخلِ مسجد کرنا

سوال [۲۰۵۶]: ایک مسجد ہے جس کا فرش چھوٹا ہے، اس کی توسیع کی ضرورت ہے، جو فرش بنا ہوا ہے اس کے آگے بڑھانے میں ایک قبر پڑتی ہے۔ کیا شرعاً یہ گنجائش ہے کہ اس قبر پر ڈاٹ لگادی جائے اور اس کو صحنِ مسجد میں لے لیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبر مملوکہ زمین میں ہے اور اتنی پرانی ہے کہ اس میں میت بالکل مٹی بن چکی ہے تو مالک کی اجازت سے اس زمین کو مسجد میں داخل کرنا درست ہے اور قبر کو بالکل ختم کر دیا جائے، اس کا کوئی نشان باقی نہ رکھا

ء والمدرسة والرباط، فلا يمنعان من دخوله ... وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۳۳۸، ۳۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس، الخ: ۱/۳۸، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۱، سعيد)

(۱) "عن أبي مرثد الغنوي رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا تجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهة الوطئ والجلوس عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن﴾ الآية (سورة النحل: ۱۲۵)

جیسے: "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار تراباً". در مختار (۱)۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

جواب صحیح ہے، اور اگر قبر مسجد ہی کی زمین میں ہے تو بغیر کسی کی اجازت کے متولی اس کو فرش مسجد میں داخل کر سکتا ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۵ھ۔

مسجد میں قبریں شامل کرنا

سوال [۷۰۵۵]: ایک مسجد کا صحن ہے، جنوب کی جانب قبریں ہیں، کیا ان کو ہموار کر کے مسجد میں شامل کر سکتے ہیں؟ کیونکہ زیادہ لوگ آتے ہیں اور یہ کرنے کی کیا صورت ہے؟ بعض قبریں پختہ ہیں اور بعض خام ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں کی زمین مملوکہ ہے یا وقف ہے اور یہ قبریں نئی ہیں یا پرانی کہ میت بالکل مٹی بن چکی ہے، اگر

---

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمگيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۲) "قال ابن القاسم: لو أن مقبرةً من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها مسجداً، لم أر بذلك بأساً، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم، لايجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغني عن الدفن فيها، جاز صرفها إلى المسجد؛ لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لايجوز تمليكه لأحد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۴/۱۷۹، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

زمین مملوک ہے اور قبریں بہت پرانی ہیں تو مالک کی اجازت سے اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے(۱)۔ اور اگر قبریں اتنی پرانی نہیں تو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں، کیونکہ اس سے قبروں اور موتی کی توہین ہوتی ہے(۲)، نیز موتی کی طرف سجدہ کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر زمین وقف ہے اور قبریں پرانی نہیں تب بھی شامل کرنا جائز نہیں(۳)۔ اور اگر قبریں پرانی ہوچکیں کہ میت بالکل مٹی بن گئی، نیز وہاں اب مردوں کو دفن نہ کیا جاتا ہو تو اس کو مسجد میں شامل کرنا درست ہے۔

"ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه" اهـ. (زيلعي: ۱/۵۸۹)(۴)۔ "قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت، فبنى قوم عليها

---

(۱) "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: ۳/۴۳۵، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(۲) "إن كان فيها ميت لم يبل، وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التي لم تبل أربابها وإدخال أجانب عليهم، فهو من المنكر الظاهر". (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۳) "مقبرة قديمة لمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة، هل تباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر رحمه الله تعالى: لا يباح". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر: ۳/۳۱۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ: ۲/۴۷۰، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۳۴، مكتبة مصطفى البابي مصر)

(۴) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولو بلي الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

مسجداً ثم أرمنك داسة، وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها، فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد، لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين، لا يجوز تملكه لأحد، فمعناهما واحد اهـ". عيني شرح بخاری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزار کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا

سوال[۷۰۵۸]: ہمارے یہاں مسجد کے اندر قاری شاہ صاحب کا مزار ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ جس کی وجہ سے نماز کے لئے بڑی دقت ہوتی ہے اور مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے نمازیوں کو پریشانی ہوتی ہے تو کیا اس مزار شریف کو کاٹ کر حسب ضرورت چھوٹی قبر کر سکتے ہیں یا نہیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا احترام ضروری ہے خاص کر کسی بزرگ کی قبر کا، لیکن قبر وہی ہے جس میں مردہ ہو، جتنی مقدار قبر کی مردہ سے زائد بنادی جائے وہ قبر نہیں بلکہ مٹی کا ڈھیر ہے، اس کا حکم قبر کی طرح نہیں۔ پس اگر اتنی لمبی چوڑی ہے کہ مردہ کے قد سے بہت زیادہ ہے تو مقدار زائد کو کاٹ کر ختم کردینا قبر کی بے حرمتی نہیں ہے۔ اگر قبر اتنی پرانی ہے کہ میت اس میں باقی نہ رہے، بلکہ مٹی بن کر ختم ہو جائے تو قبر کا حکم بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے وہاں جگہ حسب ضرورت تعمیر وغیرہ کی بھی اجازت ہوتی ہے(۲)۔

---

(۱) (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد: ۱۷۹/۴، إدارة الطباعة المنيرية دمشق)

(۲) "ولو بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۸۹/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ: ۱۶۷/۱، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲۳۳/۲، سعيد) ....

کر اینٹ، قبر مسجد میں ہوتو اس جگہ کو صاف کر کے مسجد کے کام میں بھی لیا جا سکتا ہے، لیکن تمام نمازیوں و سمجھدار لوگوں سے مشورہ کر کے اول اہل محلہ کو پوری طرح ذہن نشین کرا دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ مزار شریف کا کوئی حصہ یا تعمیر توڑنے سے فتنہ پیدا ہو اور فساد کی صورت ہو کر مقدمہ بازی کی نوبت آئے اور وجود مسجد بھی خطرہ میں پڑ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۸۹ھ۔

توسیع کے لئے کچھ راستہ مسجد میں لینا

سوال [۶۰۵۹]: مسجد کے پاس عام راستہ جو پچھم سے پورب (۱) کی طرف ہے، اس راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں لینا چاہتے ہیں۔ اگر سب کی اجازت نہ ہو اور بعض کی اجازت ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر راستہ بڑا ہے، کچھ حصہ مسجد میں لینے سے تنگی نہیں ہوگی تو مشورہ کر کے بقدر ضرورت مسجد میں لے سکتے ہیں، شرعاً اجازت ہے (۲)، اس پر سب کو رضامند ہونا چاہیے۔ اتنی جگہ نہ لیں کہ راستہ تنگ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۲/۹۱ھ۔

— "وأما المقبرة الداثرة إذا بني فيها مسجد ليصلى فيه، فلم أر فيه بأساً؛ لأن المقابر وقف، وكذا المسجد، فمعناهما واحد". (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد: [illegible]، إدارة الطباعة المنيرية، دمشق)

(۱) "پچھم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز لاہور)

"پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور)

(۲) "طريق للعامة هي واسعة فبنى فيه أهل المحلة مسجداً للعامة، ولا يضر ذلك بالطريق، قالوا: لا بأس به، وهكذا روي عن أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى؛ لأن الطريق للمسلمين والمسجد لهم أيضاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۲، ۲۹۳، رشيدية)

راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کرنا

سوال [۷۰۹۰]: مسجد میں جگہ کی تنگی ہے، مسجد کے پیچھے ایک عام راستہ پڑا ہے، اگر مسجد کو کچھ بڑھا لیا جائے تو کسی کو تکلیف نہ ہوگی، سب نمازی اس پر متفق ہیں، مگر ایک شخص نے کچھ مٹی ڈال کر اس پر قبضہ جما رکھا ہے، وہ مخالف ہے۔ اس حالت میں اگر مسجد کو بڑھا لیا جائے تو اس میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ راستہ کسی کی ملک نہیں، عام لوگوں کے چلنے کے لئے ہے اور مسجد میں تنگی ہے اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے اور اس بڑھانے سے گزرنے والوں کو تنگی اور پریشانی نہیں ہوگی، نہ کسی کا راستہ رکے گا تو مسجد کو بقدرِ ضرورت بڑھا لیا جائے۔ اگر اس کے لئے کسی کی مملوکہ زمین مسجد میں شامل کرنا چاہیں، وہ بلا قیمت نہ دے تو اس سے خرید کر مسجد میں شامل کر سکتے ہیں:

"جعل شيء من الطريق مسجداً لضيقه ولم يضر بالمارين، جاز. تؤخذ أرض بجنب مسجد ضاق على الناس بالقيمة كرهاً اهـ". درمختار مختصراً: ۳۸۳/۴ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۵ھ۔

=(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵۹۵/۲، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۲۶۸/۶، رشيديه)

(۱) (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۷/۴، ۳۷۸، سعيد)

"قوله: (وإن جعل شيء من الطريق مسجداً الخ) يعني إذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتسع، فأدخلوا شيئاً من الطريق يسع المسجد، وكان ذلك لا يضر بأصحاب الطريق، جاز ذلك. وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۴۲۸/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، رشيديه)

توسیع مسجد کے لئے پڑوسی کی زمین لینا

سوال[۶۰۲۱]: دکھن(۱) طرف مکان ہے اور اُتر(۲) طرف مسجد ہے، مسجد کا دروازہ پورب طرف ہے(۳)، مکان اور مسجد کے درمیان زمین اندازہ ۳۴/ ہاتھ پڑتی ہے۔ دکھن جس کا مکان ہے اس کا صحن بھی اسی طرف ہے، وہ مکان والا چاہتا ہے کہ مکان بنائے اور ایک شخص نے وہ زمین چھ ہاتھ کھور(۴) چھوڑ کر مسجد کے لئے خرید کر چھوڑ دیا ہے جس کا اس کو اقرار ہے، تو اب مکان بنانے کے لئے کمی کردی جائے تو جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مسجد کے بڑھانے کا ارادہ پہلے سے تھا، پڑی ہوئی زمین وقف ہوئی یا نہیں؟ جواب مدلل مع حوالہ عنایت ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے خرید کر مسجد کے لئے وقف کردی ہے تو وہ مسجد کی زمین ہے، کسی دوسرے شخص کو مکان کے لئے مفت یا قیمتاً دینا جائز نہیں: "الوقف إذا تم ولزم ... لا یملک، اھ". در مختار: ۳۵۲/۳، مطبوعہ مجتبائی دیوبند(۵)۔

= وکذا في فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۲/۳، رشیدیه)

(وکذا في التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۸۴۲/۵، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "دکھن: جنوب کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۳۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "اُتر: شمال"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۴، فیروز سنز لاہور)

(۳) "پورب: مشرق، سورج نکلنے کی سمت"۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۸، فیروز سنز لاہور)

(۴) "کھور: مویشیوں کے کھانے اور پانی پینے کی ناند، جہاں چارہ کھاتے ہیں، چھوٹی اور لمبی سی گلی، جگہ یا احاطہ، سرپوش، لحاف، رضائی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۹۳، فیروز سنز لاہور)

(۵) (الدرالمختار، کتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعید)

"عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالی عنهما قال: أصاب عمر بخیبر أرضاً فأتی النبي صلی الله تعالی علیه وسلم، فقال: أصبت أرضاً لم أصب مالاً قط أنفس منه، فکیف تأمرني به؟ قال: "إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها". فتصدق عمر أنه لا یباع أصلها ولا یوهب، ولا یورث". (صحیح البخاري: =

جو زمین خرید کر وقف نہیں کی وہ مسجد کی نہیں، اس میں مالک کو تصرف کا اختیار ہے، لیکن اگر مسجد میں تنگی ہو اور اس کے بڑھانے کی ضرورت ہو تو مالک سے قیمتاً لے لی جائے، اگرچہ مالک فروخت کرنے پر رضامند نہ ہو:

"ولو ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، كذا في فتاوى قاضي خان". عالمگیری: ۴۵۶/۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۵/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/جمادی الاولیٰ/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۶/جمادی الاولیٰ/۶۶ھ۔

۸۹/۴، کتاب الوصایا، باب الوقف وکیف یکتب، قدیمی)

"إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۳۵۰/۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۴۲/۵، رشيدية)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۴۵۶/۲، رشيدية)

"وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۴۹/۵، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۷۹/۴، سعيد)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۳/۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۲۶۸/۶، رشيدية)

مسجد کو راستہ بنا کر مسجد کے لئے دوسری جگہ لینا

سوال[۷۰۶۲]: پونا کارپوریشن کے ارباب حل وعقد کا خیال ہے کہ جو مسجد راستہ میں آتی ہے تو کارپوریشن اس کی متبادل جگہ اپنے سرمایہ سے خرید کر آپ کے نقشہ کے مطابق تعمیر کردیتے ہیں، تو آپ اس میں نماز پڑھئے آپ کو پسند آئے، ہم مذکورہ مسجد جو راستہ میں پڑتی ہے اس کو توڑ کر راستہ بنائیں گے، تو کیا ایسا ہوسکتا ہے، جب کہ مسجد ابداً آباد تک مسجد ہی رہے گی، یا کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور اسی طرح بعض مسجد کا کچھ حصہ راستہ میں جاتا ہے تو کیا کچھ حصہ کارپوریشن کو دے کر اس کا معاوضہ لے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجدیں سب اللہ کی ہیں، نہ کسی کو ان کے گرانے کا حق ہے، نہ بدلنے کا ﴿وأن المساجد لله﴾(۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ۔

سڑک کی توسیع میں مسجد کا نصف حصہ دے دینا

سوال[۷۰۶۳]: ہمارے یہاں بازار میں لب سڑک ایک مسجد تعمیر شدہ ہے، یہاں کی میونسپلٹی سرکار اس سڑک کو کشادہ کرنا چاہتی ہے جس کے تحت سڑک میں آدھی مسجد چلی جائے گی اور آدھی باقی رہ جائے گی۔ یہاں کے ایک سیٹھ نے بھی یہ مشورہ دیا ہے کہ مسجد کے شمال کی جانب دوسری جگہ ہے جتنی جگہ مسجد کی جاتی ہے، وہ روڈ میں دے دو اور اتنی جگہ شمال کی جانب دیتا ہوں، تم لوگ شمال کی طرف کشادہ کرلو۔ اور مسجد کے جنوب کی طرف سینٹرل گورنمنٹ کے پانی کا ٹیپ ہے جس کا پلان چوڑائی ۴۳/۸ فٹ منظور ہے۔ رام سیٹھ کا کہنا ہے کہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً﴾ (سورة الجن: ۱۸)

"أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع". (الدر المختار). "وإذا لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لا يمكّن من ذلك" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

"وفي الفتاوى: سئل أبو القاسم عمن أراد أن يهدم مسجداً ويبنيه أحكم من بنائه الأول؟ قال: ليس له ذلك". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچي)

میں جو جگہ دیتا ہوں اسے بڑھاؤ تو میں یہ مشین وال دیتا ہوں اور دو منزل یا تین منزل بناؤ۔

یہاں کے لوگوں نے بہت سے علمائے دین سے دریافت کیا، سبھوں نے جواب دیا کہ جہاں مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہوگئی تو اس کو بڑھایا جا سکتا ہے، لیکن اس کی جگہ کو چھوڑ کر مسجد کو توڑ کر کم نہیں کیا جا سکتا، ارشد وہاں سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی مدِ نظر رہے کہ حکومت معلوم نہیں بعد میں کس طرح سے پیش آئے، حالانکہ پانی کے پائپ سینٹرل گورنمنٹ کی طرف سے گنجائش ہے، مگر میونسپل سرکار ادھر جانا نہیں چاہتی ہے۔ یہاں آکر مسئلہ بہت الجھ گیا ہے۔ لہٰذا جواب بہت جلد دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی مسجد میں شامل کی گئی وہ ساری عمر کے لئے مسجد ہوگئی، اس کو فروخت کرنا یا اس کا تبادلہ کرنا، یا اس کو کوئی اور مکان، دوکان، مدرسہ، مسافر خانہ وغیرہ بنانا، یا وہاں کھیتی کرنا، مردے دفن کرنا بالکل جائز نہیں (۱)۔ صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد کا کچھ حصہ حکومت لینا چاہتی ہے تو اس سے بیع وغیرہ کا معاملہ نہ کیا جائے، نہ اس سے لڑائی کی جائے، نہ اشتعال انگیزی کی جائے، نہ رام میٹھو سے تبادلہ کی بات کی جائے۔

جب حکومت اپنے منشاء کے مطابق جگہ لے لے اور رام میٹھو اپنی زمین کی توسیع کے لئے دے دے اور وہ اس کو کارِ خیر سمجھ کر دے تو اس کو لے کر مسجد میں شامل کرلیں، بحالتِ مجبوری یہی صورت مناسب ہے: "فإذا تم (الوقف) ولزم، لا يملك ولا يباع ولا يرهن، الخ". درمختار (۲)۔

اور بحر وغیرہ میں غیر مسلم کے وقف کی بحث بھی مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

---

(۱) "(ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني) أبداً إلى قيام الساعة، (وبه يفتى) حاوي القدسي". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد وغيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوقف، فصل: وأما حكم الوقف الجائز: ۲۲۱/۶، سعيد)

(۲) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، ۳۵۳، سعيد)

(۳) "وشرطه شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف وأن يكون قربة في ذاته معلوماً". (الدر المختار، =

توسیعِ مسجد کے لئے حکومت سے امداد

سوال[۷۰۶۴]: ایک مقامی مسجد (پاکستانی مسجد) کی تعمیر جدید مسلمانوں کے عوامی چندہ سے مکمل ہوئی تھی مگر اب نمازیوں کی کثرت اور روز افزوں زیادتی کی وجہ سے مسجد کی موجودہ عمارت بالکل ناکافی ہے اور مسجد کی تنگی نمازیوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہے، اس لئے مسجد مذکورہ کی مجلسِ انتظامیہ نے یہ طے کیا کہ مسجد کو وسیع کیا جائے، کیونکہ مسجد ہر چہار طرف سے عوامی شاہراہوں اور شہری عمارتوں میں گھری ہوئی ہے، اس لئے کسی طرف سے بھی وسیع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

بنا بریں یہ طے ہوا کہ پختہ چھت ڈال کر اوپر کی طرف سے ایک اور منزل تعمیر کی جائے، چنانچہ یہ مسئلہ سابق وزیرِ اعظم کے سامنے رکھا گیا، موصوف نے مسجد کی وسعت کے متعلق پورا اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ تعمیر جدید کے لئے نصف خرچ حکومتِ وقت سے دلا دیں گے، چنانچہ درخواست دی گئی اور موصوف کی سفارش سے موجودہ حکومت نے نصف خرچ دینا منظور کر لیا ہے، باقی نصف خرچ عوامی چندہ سے پورا کیا جائے گا۔

ملیشیا کے سربراہِ مملکت مسلمان، وزیرِ اعظم اور ان کی کابینہ کے وزراء، نیز ممبرانِ پارلیمنٹ کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کا سرکاری مذہب اسلام ہے، مگر طرزِ حکومت اور دستورِ مملکت جمہوری اور غیر اسلامی ہے۔

پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکومتِ مذکورہ کے خزانہ سے دی ہوئی رقم (جو کہ لاٹری بورڈ کے ٹیکس اور دوسری ہر قسم کی حلال وحرام اور جائز وناجائز اشیاء کے ٹیکسوں پر مشتمل ہو) مساجد کی تعمیر وتوسیع یا مرمت کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

"أي يكون من حيث النظر إلى ذاته وصورته قربة ...... بخلاف الذمي، لما في البحر وغيره أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/ ۳۴۱، سعيد)

"وأما الإسلام، فليس من شرطه، فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۰۲، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/ ۵۶۸، غفاريه كوئٹه)

واضح رہے کہ پورے ملک میں مذکورہ رقم سے بے شمار مساجد اور دینی مدارس تعمیر ہو چکے ہیں اور یہاں کے قابل ذکر اور مستند علماء نے اسے جائز اور حلال بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں مخدومی جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مفتی پاکستان سے بھی رائے لی گئی ہے اور موصوف نے بھی اس مخلوط سرکاری رقم کو مساجد کی تعمیر و توسیع کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ پس مسئلہ مذکورہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ گذارش ہے کہ حضرت والا مسئلہ مذکورہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں، اور حضرت والا کا فیصلہ ہی قول فیصل تصور کیا جائے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سرکار نے جب جائز اور ناجائز آمدنی کو مخلوط کر دیا اور اس مخلوط آمدنی سے مسجد کے لئے رقم دی تو اس کو حرام نہیں کہا جائے گا، اس کو لینا اور مسجد میں صرف کرنا شرعاً درست ہے (۱)۔ چونکہ خلط استہلاک ہے، جب حکومت نے جائز و ناجائز کو مخلوط کر دیا اور اس پر قبضہ کر لیا تو حکومت اس کی مالک ہوگئی، اور حکومت نے جس سے غلط طریقہ پر لیا ہے اس کو ضمان دینا لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ضرورتِ مسجد کے لئے صحن کے درخت کاٹ دینا

سوال [۷۰۱۵]: ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کی، متولی نے (چونکہ مسجد کی کوئی کمیٹی نہ

---

(۱) "غالب مال المهدي إن حلالاً، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله، ما لم يتبين أنه من حرام. وإن غالب ماله الحرام، لا يقبلها ولا يأكل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع في الهبة والصدقات: ۶/۳۶۰، رشيديه)

"اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام. قال محمد رحمه الله تعالى: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئاً حراماً بعينه، وهو قول أبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، رشيديه)

(۲) "من ملك أموالاً غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها، ملكها بالخلط، ويصير ضامناً". (رد المحتار، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۲/۲۹۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب زكوة الغنم: ۱/۳۰۲، ۴۰۵، دار المعرفة بيروت)

تھی) اس میں مختلف قسم کے درخت لگادیے ہیں اور دو جگہ مسجد میں شامل کرلی گئی تھی۔ اب ممبران کمیٹی نے ان درختوں کو اکھاڑ کر موسم سرما میں دھوپ میں نماز پڑھنے کا اہتمام کردیا ہے۔ کیا یہ عمل درست ہے؟ متولی درخت اکھاڑنے پر راضی نہیں اور قوم اکھاڑنا چاہتی ہے۔ کیا ان درختوں کو اکھاڑ کر نماز کے لئے جگہ بنایا جاسکتا ہے؟ صرف ایک درخت پھلدار ہے، باقی سب بغیر پھل کے ہیں اور ان سے آمدنی کچھ نہیں ہوتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا صحن نماز کے لئے ہے، وہاں درخت لگانا ٹھیک نہیں، ہاں اگر مسجد کے مصالح کا تقاضا ہو تو دوسری بات ہے، مثلاً وہاں پانی کا اثر ہو کہ وہ درختوں میں جذب ہوسکتا ہے، درمختار وشامی میں اس کی تصریح ہے(۱)۔ اگر مصالح مسجد کا تقاضا یہ ہے کہ صحن کو درختوں سے صاف کردیا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے(۲)، اس میں کسی کو ضد نہیں کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆...☆...☆...☆...☆

---

(۱) "ویکره ... غرس الأشجار إلا لنفع کتقلیل نز وتکون للمسجد". (الدر المختار). "قال في الخلاصة: غرس الأشجار في المسجد لابأس به إذا کان فیه نفع للمسجد، بأن کان المسجد ذا نز والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لایجوز". (رد المحتار، کتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، ۶۶۰، سعید)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، فصل: ویکره استقبال القبلة: ۱/۴۲۱، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحر الرائق، باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها، فصل: کره استقبال القبلة: ۲/۶۲، رشیدیه)

(۲) "ویکره غرس الشجر في المسجد؛ لأنه تشبیه بالبیعة وشغل لمکان الصلوة، إلا أن تکون فیه منفعة للمسجد". (الحلبي الکبیر، فصل في أحکام المسجد، ص: ۶۱۲، سهیل اکیدمی، لاهور)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل: کره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشیدیه)

(وکذا في فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلوة، فصل في المسجد: ۱/۶۵، رشیدیه)

نیچے دوکانیں اوپر مسجد

سوال[۶۷۰۴]: زید ایک قطعۂ زمین جس کا رقبہ اسا ٹھ سات یا سوا سات بیسہ ہے(۱)، اس میں پانچ یا چھ دکانیں بنوا کر اوپر منزل پر مسجد تعمیر کراتا ہے، نیچے کی دکانوں کا کرایہ وصول کر کے اپنے صرف میں لاتا ہے اور مسجد کے واسطے کچھ نہیں دیتا، یہ کہتے ہوئے کہ میں نے مسجد کو اوپر والی منزل پر تجویز کیا ہے، نہ کہ زمین پر، حالانکہ کہ زمین خداوند تعالیٰ کی ساخت ہے، مسجد کے خرچ کی کفالت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ بکر اعتراض کرتا ہے کہ مسجد تحت الثریٰ سے لے کر عرش معلی تک شمار ہوتی ہے اور اگر بالفرض بوجہ حادثات زمانہ چھت تباہ ہوجائے تو مسجد بھی اور مسجد کی زمین مسمی بھی کالعدم ہونے کا خدشہ ہے، لہذا یہ خیال غلط ہے۔

زید کہتا ہے کہ میں نے پہلے نیت ہی ایسی کی تھی کہ نچلی دکانیں میری ملکیت ہوں گی اور اوپر کی وقف۔

جناب مولوی صاحب! چونکہ امر متنازعہ فیہ خاص قسم کا ہے، جس کے واسطے جناب سے فتویٰ پوچھنا ضروری ہے، لہذا فتویٰ مع حوالہ جات تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں یہ مسجد شرعی نہیں ہوئی، اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، اگر یہ زمین پہلے سے مسجد کے لئے وقف تھی، زید کی ملکیت نہیں تھی تو زید کو ان دوکانوں وغیرہ کا کرایہ اپنے کام میں لانا ہرگز جائز نہیں، مسجد میں صرف کرنا واجب ہے اور یہ دکانیں مسجد ہی کی ہوں گی اور مسجد شرعی ہوگی۔

"ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله، فله أن يبيعه، إن مات يورث عنه، ولو كان السرداب لمصالح المسجد، جاز، كمافي

= فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/ ۴۱۳، رشيديه)

(۱) "بیسہ: بیس بسوے، ایک بیگھہ" (فیروز اللغات، ص: ۲۵۲، فیروز سنز، لاہور)

اگلے صفحہ میں بیگھہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بیگھہ: زمین کی ایک مقدار، چار کنال یا ۲۰ مرلے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۵۲، فیروز سنز، لاہور) ان دونوں سے معلوم ہوا ہے کہ "بیسہ" ایک مرلہ کو کہتے ہیں، جو کہ "کنال" کا بیسواں حصہ ہے۔

بیت المقدس" کذا فی الہدایۃ". فتاویٰ عالمگیری: ۲/۴۵۵(۱)۔

"وإذا کان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو کان وقفاً علیہ، صار مسجداً" اھ.

شرنبلالیۃ. قال فی البحر: حاصلہ أن شرط کونہ مسجداً أن یکون سفلہ وعلوہ مسجداً لینقطع حق العبد عنہ، لقولہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد للہ﴾ فہو کسرداب بیت المقدس، ہذا ہو ظاہر الروایۃ الخ". رد المحتار: ۳/۵۷۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

نیچے دوکان اور اوپر مسجد

سوال [۶۰۶۹]: زید اپنی دوکان کے بالائی حصہ پر مسجد بنانا چاہتا ہے اور وقف بھی کرنا چاہتا ہے، اس حصہ کا یہ خیال تھا جس کے متعلق یہ معلوم ہو گیا کہ جب تک اوپر اور نیچے ہر دو حصے مسجد کے نام نہ ہو جائیں گے، وہ مسجد شرعی مسجد نہ ہوگی، اگرچہ اذان وجماعت سب ہو جایا کرے گی، مگر وہ مسجد واقعی نہ ہوگی۔ زید کو پیدا یہ اس لئے ہوا کہ جس جگہ زید نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، وہ مگر مساجد وہاں سے فاصلہ پر ہیں جس کی وجہ سے وہاں سے قریب جو مسلمان ہیں وہ نماز بمشکل ادا کرتے ہیں۔

(۱) (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ: ۲/۴۵۵، رشیدیہ)

"وفی الجامع الصغیر: رجل جعل دارہ مسجداً وتحتہ سرداب أو فوقہ بیت، وجعل باب المسجد إلی الطریق، وعزلہ عن ملکہ، فإنہ لا یصیر مسجداً، حتی لو مات یورث عنہ، ولہ أن یبیعہ حال حیاتہ". (الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۵/۸۴۳، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی کنز الدقائق، کتاب الوقف، والمسجد، ص: ۲۲۶، ۲۲۷، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعید)

"وحاصلہ أن شرط کونہ مسجداً أن یکون سفلہ وعلوہ مسجداً لینقطع حق العبد عنہ، لقولہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد للہ﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا کان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فہو کسرداب مسجد بیت المقدس، ہذا ہو ظاہر الروایۃ". (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۵/۴۲۰، رشیدیہ)

نیز یہ جگہ بازار میں ہے، قریب سے روڈ گیا ہے، جس کی وجہ سے امید ہے کہ بس اڈہ بن جائے اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ وہاں پر ایک مسجد بن جائے کہ مسافر اور بازار والوں کو سہولت رہے اور وہاں کے قریبی مسلمان اغلب ہے کہ نمازی بن جائیں (مسجد کی تعمیر کے بارے میں انفرادیت سے اگر معاملہ ہو تو دوسرے لوگ چندہ دینے کے لئے بخوشی تیار ہیں)۔

اس جگہ کے علاوہ اور ادھر ادھر بنے میں غیر مسلموں کے مکانات ہیں جو کبھی مفسدہ کا باعث بن سکتے ہیں، اس کے بعد مسجد جس دوکان پر بنائی جائے گی اس کی حیثیت یہ ہے کہ اس کے اندر ٹیوب ویل اور بجلی کی مشین ہے جو کہ بکر کی شرکت میں ہے، جس کا منتقل کرنا دشوار ہے۔ اس قضیہ کے سمجھانے کی خاطر مندرجہ ذیل صورتوں میں کیا حکم مرتب ہوگا:

الف: دوکان کے اوپر مسجد بنا کر مسجد کے پانی اور روشنی کا انتظام خود دوکان والے کردیں گے۔

ب: دوکان والوں سے کرایہ لیں اور پھر روشنی اور پانی کا انتظام مسجد اپنے خرچے سے کرے۔

ج: تحتانی اور فوقانی دونوں حصوں کو وقف کردیں مگر ٹیوب ویل اور مشین اپنی ہی جگہ پر رہے، جو کرایہ مناسب سمجھیں مسجد کو ادا کردیا کریں۔ جب کبھی مسجد کو ضرورت پڑے گی دوکان کو خالی کرالے گی، اگر خالی نہ کرانے کی صورت میں مسجد کو پانی اور روشنی بسہولت مہیا ہوجائے گی۔

مذکورہ معروضات واقف کی طرف سے ہوں گے یا اہلِ تعمیر کی طرف سے، کیا یہاں متولی کی تمام متاعی عوامی پنچایت کرتی ہے؟ امید ہے جواب سے جلد ہی سرفراز فرمائیں گے۔

نسیم اللہ مظاہری، مدرسہ باب العلوم، باپوننگر پرتاب گڈھ (یوپی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصۂ زمین کو شرعی مسجد بنادیا جائے یعنی نماز کے لئے متعین ومخصوص کیا جائے وہ بالائی تحتانی (تحت الثریٰ سے ثریا تک) سب ہی جگہ مسجد ہوجاتی ہے (۱)، اس طرح کہ اس سے حق العبد منقطع ہوجاتا ہے۔ نیچے دوکان

(۱) "وكره تحريماً الوطء فوقه ...... لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى".

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

کرایہ پر چلے اوپر مسجد ہو، یہ ٹھیک نہیں (۱)، جب کہ نیچے کا حصہ بھی مسجد ہوگا تو وہاں خرید و فروخت اور تمام لوازم بیع کا صدور ہوگا (۲)، کنفلر میں بھی احترام مسجد باقی نہ رہے گا، پاک و ناپاک ہر قسم کا آدمی بھی آئے گا۔ ناپاکی جوتوں میں، کپڑوں میں، بدن میں ہوگی، ہر ایک کی تفتیش دشوار ہوگی، آج کل کرایہ دار سے دوکان خالی کرالینا بھی آسان کام نہیں۔

الف، ب، ج: کی مصالح ومفاسد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس اقدام سے روکا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۳/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۲۶/۳/۹۳ھ۔

نیچے مسجد اوپر رہائش گاہ

سوال [۱۹۰۰]: یہاں بمبئی میں ایک دو جگہ پر کچھ اہل خیر حضرات نے نئی جگہ پر مسجد قائم کرلی،

---

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ٥/٤٢١، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ٤/٣٥٧، ٣٥٨، سعيد)

(٢) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراءكم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد، ص: ٥٤، قديمي)

"ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ٥/٣٢١، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل ويكره استقبال القبلة الخ: ١/٤٢٢، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ٦١٠، ٦١١، سهيل اكيدمي لاهور)

اس میں ایک جگہ پر تو جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، مگر اشکال طلب امر یہ ہے کہ وہ دونوں مسجد کے اوپر رہائش گاہ بھی ہے، سب لوگ رہتے بھی ہیں۔ تو کیا وہ مسجد کے حکم میں مانی جائے گی؟ اور وہاں جماعت ثانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس پر مسجد کا حکم لگایا جائے گا یا نہیں؟ اور جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا ہے، صرف پنجوقتہ نماز ہوتی ہے اور اس کے اوپر بھی رہائش ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک وقف کر کے اس سے ملکیت کے حق کو ختم کر کے اس کا راستہ ہی الگ نہ کر دیا جائے اور اس میں سب کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی (۱)۔ اوپر کے حصہ میں خود مالکانہ حیثیت سے رہیں اور نیچے کے حصہ میں اذان وجماعت ہونے لگے، اتنی بات اس کے مسجد ہونے کے لئے کافی نہیں (۲)، وہاں جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۲/۲۸ھ۔

---

(۱) "من بنى مسجداً، لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه .... فلو جعل وسط داره مسجداً وأذن للناس في الدخول والصلوة فيه، إن شرط معه الطريق، صار مسجداً في قولهم، وإلا فلا". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۱۹، ۴۲۰، رشيديه)

(۲) "وفي الجامع الصغير: رجل جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه، فإنه لا يصير مسجداً، حتى لو مات يورث عنه، وله أن يبيعه حال حياته". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۳۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۴۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) "ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن". (الدر المختار). "ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق، جاز إجماعاً، كما في مسجد =

دیوارِ مسجد میں دوکان کی الماری بنانا

سوال [۷۰۶۰]: ایک مسجد لبِ سڑک ہے جس کا فرش قدِ آدم سے بھی دو فٹ زیادہ اونچا ہے، مسجد کی ایک دوکان چھوٹی سی ہے، اگر وسعت دینے کے لئے ایک چھوٹی سی الماری بنادی جائے جس میں سامان بھی رکھا جائے، یہ الماری فرشِ مسجد سے نیچے کی طرف ہوگی۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ شرعاً مسجد ہوتی ہے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہوتی ہے، دیوارِ مسجد میں اس طرح الماری بنانا کہ وہ فرشِ مسجد سے نیچے پڑتی ہو، اور اسے کرایہ پر دیا جائے یا بعد آمدنی بنانا شرعاً درست نہیں (۱)، خواہ وہ الماری خیاطی کے لئے یا کسی اور سامان کے لئے ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۶/۵/۹۳ھ۔

حفاظت وبقائے مسجد کے لئے صحنِ مسجد میں دکانیں بنانا

سوال [۷۰۶۱]: مسجد گلزار شاہ کے شرقی صحن میں سے تھوڑی جگہ جو پوش اتارنے کے لئے

— ليس له إمام ولا مؤذن، ويصلي الناس فيه فوجاً فوجاً". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۲، ۵۵۳، سعيد)

(۱) "قيّم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه، لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسكناً، تسقط حرمته، وهذا لا يجوز، والفناء تبع المسجد، فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني: ۲/۴۶۲، رشيدية)

"قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الجنس في المتفرقات: ۶/۲۸۵، رشيدية)

استعمال ہوتا تھا، بنوا رہے ہیں بہت بیشتر پتھروں سے پختہ کر کے مسجد کے فرش میں ملا لیا گیا تھا۔ مسجد کی ہر چہار سمت
غیر مسلم آبادی سے گھری ہوئی ہے اور آس پاس بھی اس وقت کوئی مسلمان آباد نہیں۔ مسجد کی کوئی آمدنی نہ ہونے
کی وجہ سے روشنی اور پانی تک کا کوئی انتظام نہیں، نہ کوئی صف، نہ موذن، نہ امام، بنوا رہے کے بعد کچھ غیر مسلم مسجد کو
رہائش گاہ بنانے کے درپے رہے۔ مسجد کھنڈرات کی مداخلت سے خالی ہوگی۔

اس کس مپرسی کے عالم میں اب بھی مسجد کا غسل خانہ بطور گندی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے۔ کیا مسجد کے
مفاد کے لئے کچھ جگہ جو کہ غسل خانہ اور گزرگاہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے، اس کی دوکان بنائی جاسکتی ہے؟ اور
اس کے بعد بھی کافی صحن باقی رہتا ہے تاکہ آمدنی کا ذریعہ ہو کر مسجد کی روشنی، پانی، ملازم اور موذن کا معقول
انتظام ہو سکے۔ یہ دوکان ایک مسلمان کے قرضہ سے تعمیر ہوگی جو ملکیت مسجد کی رہے گی، اور وہ مسلمان کرایہ
دار کی حیثیت سے مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار رہے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حصہ زمین ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہتا ہے، اس کو مسجد سے خارج کر کے
دوکان وغیرہ بنانا درست نہیں(۱)۔ جوتے اتارنے کی جگہ اور جو حصہ مسجد نہیں تھا پختہ فرش میں داخل کرلیا، اگر واقف
یا متولی متعلقہ موقوف کی اجازت سے نہیں تھا، بلکہ ویسے ہی کسی نیک مقصد سے کسی نے داخل کر لیا تھا تو وہ حصہ
شرعی مسجد نہیں بنا(۲)۔ مسجد کے مصارف کے لئے اصحاب رائے حضرات کے مشورہ سے اتنا حصہ دوکان کے لئے

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيدية)
(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۲۸۸/۳، رشيدية)
(۲) "التسليم في المسجد أن يصلي فيه بالجماعة بإذنه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۰/۳، رشيدية)
(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۵/۲، رشيدية)
(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۳۴/۵، إدارة القرآن كراچي)

کے کرایہ پر دینا درست ہے (۱) تاکہ مسجد کے لئے آمدنی اور حفاظت کا انتظام بسہولت ہوسکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور اوپر ہال بنانا

سوال [۷۶۰۲]: ہمارے شہر اندور میں تقریباً سو سال پرانی ایک جامع مسجد کو منہدم کرکے ازسرِ نو تعمیر کی گئی، مسجد کی تعمیر جدید کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا تھا کہ مسجد کے نیچے تہہ خانہ اور مسجد کے اوپر وسیع ہال تعمیر کیا جائے۔ تہہ خانہ کو جماعت خانے کے طور پر اور مسجد کی بالائی منزل کو مدرسہ کیلئے اور تقریبات: شادی بیاہ، عقیقہ وغیرہ مواقع پر دعوتوں کو کھانا کھلانے اور باراتیوں کو ٹھہرانے کیلئے جن میں مرد و عورتیں، بوڑھے بچے، نمازی بے نمازی ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ نیز دیگر کاموں کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ تہہ خانہ اور بالائی منزل کا کرایہ بھی وصول کیا جائے گا تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی ہے اور اب مسجد کی موجودہ شکل یہ ہے کہ نیچے ایک تہہ خانہ ہے اور درمیان میں مسجد اور مسجد کے اوپر ہال، جبکہ مسجد کی تعمیر جدید سے قبل اس کے نیچے کوئی تہہ خانہ نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اور منزل تھی۔ مسجد کے صحن میں ایک گلی ہے، تہہ خانہ اور مسجد کی بالائی منزل کے دو راستے ہیں، ایک راستہ مسجد کے اندر سے ہے اور دوسرا راستہ باہر گلی میں ہے۔

اس کے علاوہ محلہ میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جس کو تقریبات کے لئے یا بطور جماعت خانہ کے استعمال کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں محلے کے لوگوں کے اذہان مختلف ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تہہ خانہ اور اوپر والے حصہ کو جماعت خانہ اور تقریبات کے لئے استعمال کرنا درست ہے اور چونکہ متبادل کوئی جگہ محلے میں نہیں اس لئے

---

(۱) "وسئل الخجندي عن قيم المسجد يبيع فناء المسجد ليتجر القوم، هل له هذه الإباحة؟ فقال: إذا كان فيه مصلحة للمسجد، فلا بأس به إن شاء الله تعالى". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/ ۳۲۲، رشيدية)

"قال في الخلاصة: وهذا دليل على أن المسجد إذا احتاج إلى نفقة، تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه اهـ". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۴۲۹، رشيدية)

مجبور بھی ہیں، لہذا بحالتِ مجبوری اجازت ملنی چاہیے۔

اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد کی اوپر والی منزل بھی مسجد کے حکم میں ہے، لہذا اس کا استعمال بطور جماعت خانہ اور باراتیوں کے قیام کے لئے جائز نہیں ہے، البتہ تہہ خانہ کو جماعت خانہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ تفصیل کے پیش نظر دریافت طلب امور یہ ہیں:

(الف) از روئے شرع مسجد مذکور کے تہہ خانہ اور بالائی منزل کا کیا حکم ہے، وہ مسجد کے حکم میں ہیں یا خارج از مسجد؟

(ب) محلہ میں جماعت خانہ یا تقریبات منانے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہے اور نہ مستقبل میں کوئی ایسی جگہ میسر آسکتی ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں مسجد کے تہہ خانہ اور بالائی منزل کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں، یا بلا کرایہ تقریبات کے لئے یا باراتیوں کو ٹھہرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف، ب) جس جگہ کو مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہی ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو، وہ ممنوع ہے۔ مسجد کے بالائی حصہ یا تحتانی حصے کسی جگہ سے بھی حق العبد متعلق نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں تقریبات کے لئے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہل تقریبات کو اس کے استعمال کا حق ہو اور ان میں وہ کام بھی ہوں جن سے مسجد کو بچانا لازم ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں۔ تہہ خانہ مسجد کا سامان چٹائی وغیرہ رکھنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں، یہ احترامِ مسجد کے خلاف نہیں ہے۔

"وكره تحريماً الوطء، فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، اهـ".

در مختار۔ "ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه، اهـ. .... "(قوله: إلى عنان السماء) - بفتح العين - وكذا إلى تحت الثرى .... ولو جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز"۔

شامی: ۱/۶۸۵(۱)۔

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"قوله: (والوطء فوقه والبول والتغوط): أي وكره الوطء فوق المسجد وكذا البول والتغوط –

املاه العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مسجد دار العلوم دیوبند۔

مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا

سوال [۷۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ:

مسجد شیخ فرخ میں جگہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے سوختہ مکانوں کی چھتوں پر رکھا جاتا ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے، متولیان نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور یہ تدبیر سوچی ہے کہ فرشِ مسجد میں جانب جنوب ایک تہہ خانہ تعمیر کر دیا جائے جس سے یہ ضرورت رفع ہو جائے۔ یہ تہہ خانہ پہلے سے قائم نہیں ہے، جدید قائم کیا جائے گا، فرشِ مسجد بدستور ہموار رہے گا، محض فرش کے نیچے تصرف کیا جائے گا۔ اگر یہ صورت جائز ہو تو تحریر فرمائیں۔

فقط والمرقوم: ۱۰/ دسمبر/ ۳۸ء۔

سائل محمود حسن۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا تصرف ناجائز ہے، کوئی اور انتظام کیا جائے:

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع. ولو قال: عنيت ذلك، قال: لم يصدق، تاترخانية. فإذا كان هذا في الواقف، فكيف

= لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته، ولا يبطل الاعتكاف بالصعود إليه، ولا يحل للجنب الوقوف عليه. والمراد بالكراهة كراهة التحريم" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۲/۱۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصلاة، فصل: يكره استقبال القبلة ۱/۱۴۴، مكتبه شركت علميه ملتان)

"حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ (الجن: ۱۸) بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

بغیرہ، فیجب ہدمہ ولو علی جدار المسجد". درمختار: ۱/۳۷۱ھ۔ "نعم یمنع من یأخذ من ہواء المسجد شیئاً". "(قولہ: لو بنی فوقہ بیتاً للإمام): أی وھو فی یدہ قبل أن یخلی بینہ وبین الناس للصلوا فیہ، کذا یستفاد من البحر ..... (قولہ: عنیت ذلك): أی قصدت بناء البیت حال بناء المسجد". طحطاوی: ۲/۵۳۷(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۷ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ رجب/ ۵۷ھ۔

مسجد کا کچھ حصہ چھوڑ دینا

سوال [۷۰۰۲]: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے بالکل پی ڈبلیو روڈ کے متصل، پرانی مسجد کو منہدم کرکے نئی مسجد تعمیر کرتے وقت ـــــ کچھ چھوڑ کر شمال کی طرف ڈھائی ہاتھ بڑھائی ہے۔ جدید معترضین حضرات یہ کہتے ہیں کہ جب کہ ہم نئی مسجد تعمیر کرا رہے ہیں، تو کچھ جنوب شمال ہٹالیں تاکہ کار، موٹر، سامان وغیرہ کی آمد و رفت میں تھوڑی دھکا وغیرہ نہ لگے۔ دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ راستہ سے تین فٹ زمین گورنمنٹ کی ہے اسے چھوڑ دینا چاہئے، لیکن اس زمین کا عوض جو گورنمنٹ سے لیا جاتا ہے وہ واقف زمین نے نہیں لیا ہے، کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیز جو نئی مسجد تعمیر کی ہے اس میں لوہے وغیرہ سے احاطۂ مسجد بنا رہے ہیں، محراب کا بھی نقشہ بنوا کر قدیم محراب سے شمال کی طرف ہٹا لیا، اس کو اگر پھر دوبارہ منہدم کرکے بجانب جنوب لیا جائے تو مسجد کا مال مزید ضائع ہو جائے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ وجوہات کی بناء پر معترضین حضرات کو یہ کام کرنا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ نیز جو دو ہاتھ ہٹا کر مسجد بنانا شروع کیا ہے اسے احاطۂ مسجد میں رکھنے کا وعدہ کیا ہے، اگر اسے دیوار سے کر دیں تو شرعاً مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد بن چکی ہے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، اس کو چھوڑنے اور مسجد سے علیحدہ کرنے کا حق نہیں، البتہ جو حصہ مسقف ہو وہ کچھ صحن میں آجائے، یا اس کا عکس ہو جائے تو مضائقہ نہیں، مگر رہے مسجد ہی میں، اس

---

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الوقف: ۲/۵۳۷، دار المعرفۃ بیروت لبنان)

سے خارج نہ ہو، نہ کسی اور کام میں اس کو لایا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

مسجد کی چھت سے بجلی کے تار گذروانا

سوال[۷۰۷۵]: مسجد کے عقب میں کوئی راستہ نہیں ہے، کچھ اشخاص کی اراضی بلا تعمیر پڑی ہوئی ہے، اگر کوئی شخص یا چند اشخاص مسجد کے شمال کی جانب بجلی محکمہ بجلی سے لینا چاہیں اور وہ اراضی کے مالکان اجازت نہ دیں تو کیا مسجد کی چھت پر سے بجلی کے تار گذروا دیئے جائیں؟ اس کے کچھ اشخاص مخالف ہیں کہ بجلی کے تار گذروانے سے بجلی لینے والوں کو قانونی حق ہو جائے گا، مسجد کو دوبارہ از سر نو تعمیر کرانا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسری اراضی کے مالکان اجازت نہیں دیتے تو قانونی حق سے تحفظ کے لئے تو یہ خطرہ مسجد کو بھی ہوگا، پھر جب کہ مسجد کو از سر نو تعمیر کرانا بھی تجویز ہے تو اس کا لحاظ بھی رکھا جائے کہ تعمیر کے وقت پریشانی لاحق نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۷/۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۷/۲ھ۔

مدرسہ والوں کے آنے جانے کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار میں دروازے بنانا

سوال[۷۰۷۶]: مسجد کے مغربی حصہ میں قبرستان تھا، وہاں پر اسلامی مدرسہ بنا تو مدرسہ والوں نے

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في ألفاظ الوقف: ۳/۲۸۸، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

مسجد کی مغربی دیوار کو توڑ کر تین دروازہ بنایا جس سے طلباء آتے جاتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں۔ تو اس طرح دروازہ کرنا اور مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلِ مدرسہ کا اپنی آمدورفت کی سہولت کے لئے مسجد کی مغربی دیوار توڑ کر تین دروازے نکالنا غلط طریقہ ہے، جو مسجد میں آنے کا عام راستہ ہے اسی سے آنا جانا چاہیے، یہ تصرف غلط ہوا(۱)۔ مدرسہ مسجد کی جس سمت پر حسبِ مصلحت ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۵ھ۔

مسجد کی چھت پر مائک کی حفاظت کے لئے حجرہ بنانا

سوال[۷۷۰۶]: مسجد کی چھت پر لاؤڈ اسپیکر کا ہارن رکھا ہوا ہے اور اس کے چوری ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے گنبد کے پاس تین فٹ مربع گھر بنادیا گیا ہے تاکہ اس کی حفاظت ہوسکے۔ تو چھت پر اس قسم کا اضافہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مقصد کے لئے ایسی جگہ نیا اضافہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، /۸/۰۰ھ۔

(۱) "إذا أراد لمشتري المسجد مملوكة أو مستأجرة متصلة بحائط المسجد، هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته باباً إلى المسجد، وهو يشتري هذا الباب من مال نفسه؟ فقالوا: ليس له ذلك وإن شرط على نفسه ضمان نقصان ظهر في حائط المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد الخ: ۵/۳۲۰، رشيدية)

(۲) "لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لا يستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا، صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت) ....

مسجد کی چھت پر لاؤڈ اسپیکر کے لئے الماری بنوانا

سوال [۷۰۷۸]: مسجد کے اوپر کے حصے میں گنبد کے قریب صندوق کے طور پر سمنٹ کی پختہ الماری -جس کی لمبائی چوڑائی تین تین فٹ اور اونچائی دو فٹ کے قریب ہوگی- بنوائی جائے تاکہ لاؤڈ اسپیکر کی مشین بحفاظت رکھی جا سکے، وہ اذان کے وقت استعمال کی جا سکے۔ تعمیر کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیچے مسجد الماری ایسی جگہ بنائیں کہ وہاں رکھے ہوئے لاؤڈ اسپیکر کو استعمال کرنے کیلئے مسجد کی چھت پر جانے کی نوبت نہ آئے تو بہتر ہے، کیونکہ فقہاء نے مسجد کی چھت پر بے ضرورت چڑھنے کو مکروہ لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۱۴۰۰ھ۔

دیوارِ مسجد کی مرمت کی بجائے سائبان بنانا

سوال [۷۰۷۹]: ایک مسجد ہے جس کی دیوار کچی ہے، زید کہتا ہے کہ میں اس کی دیوار میں چند اینٹیں لگوا کر سائبان بنادوں گا جس سے مسجد مضبوط ہو جائے گی اور میرا کام بھی ہوتا رہے گا، تو کیا زید کا اس مسجد کی دیوار میں اس نیت سے اینٹیں لگوانا جائز ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی مرمت یا پختگی اور ضروریات کے پورا کرنے میں تو کوئی تردد نہیں کہ یہ سب چیزیں مستحسن اور باعثِ اجر ہیں(۲)۔ اور اس کا مطلب "میرا کام بھی ہوتا رہے گا" سمجھ میں نہیں آتا، اس کا مزید تفصیل معلوم ہونے

= "لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لا يضر، لأنه من المصالح". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

(۱) "الصعود على سطح كل مسجد مكروه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، الخ: ۳۲۲/۵، رشيديه)

(۲) "عن عكرمة قال: قال لي ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ولابنه علي: انطلقا إلى أبي سعيد فاسمعا =

پر اس کا حکم تحریر کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف۔

احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ بنانا

سوال[۷۰۸۰]: جامع مسجد شیخ پورہ پرتاب پورہ جوکہ پانی کے کم ہونے تک ایک کلومیٹر کا فاصلہ ہے، بوجہ عوام کی سہولت کے مسجد شریف کے اندر طہارت خانہ عمل میں لایا گیا، تب وہیں مسجد کے باہر ہے، مسجد کے دروازے کے ساتھ ہی طہارت خانہ قائم کیا گیا ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مسجد کے اندر طہارت خانہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بنادی گئی اور نماز جماعت کے لئے مخصوص کردی گئی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسجد بن گئی، پھر اس کا کوئی بھی حصہ دوسرے کام کے لئے مخصوص ومتعین کردینا جائز نہیں، مثلاً: طہارت خانہ غسل خانہ بنادینا کہ وہاں نماز نہ پڑھی جاسکے درست نہیں، البتہ مسجد سے متعلق جو زمین زائد موجود ہو اگرچہ وہ اسی احاطہ میں ہو وہاں طہارت خانہ وغیرہ بنادینا درست ہے:

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام، لايضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع. ولو قال: عنيت ذلك، لم يصدق، تاتارخانيه. فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى، بزازية، اهـ". درمختار(۱)۔

= من حديثه، فانطلقنا، فإذا هو في حائط يصلحه، فأخذ رداءه، فاحتبى، ثم أنشأ يحدثنا حتى أتى على ذكر بناء المسجد، فقال: كنا نحمل لبنةً لبنةً وعمار لبنتين لبنتين، فرآه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فجعل ينفض التراب عنه، الخ". (صحيح البخاري: ۶۴/۱، كتاب الصلاة، باب التعاون في بناء المسجد، الخ، قديمي)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۸/۴، سعيد)

"(قوله: ولو على جدار المسجد) مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئاً اهـ. ونقل في البحر قبله: ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه اهـ. قلت: وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره، فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة. (قوله: ولا أن يجعل، الخ) هذا ابتداء عبارة البزازية، والمراد بالمستغل أن يؤجر منه شيء لأجل عمارته، وبالسكنى محلها. وعبارة البزازية على ما في البحر: ولا مسكناً، وقد رد في الفتح ما بحثه في الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة، تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح. قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه، اهـ". (ردالمحتار: ۳/۲۷۱)(۱)۔

اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے قریب راستہ بہت کشادہ ہو تو کچھ حصہ راستہ کا مسجد میں داخل کرلینا درست ہے جب کہ گزرنے والوں کو ضرر نہ ہو۔ اگر مسجد کشادہ ہو اور راستہ تنگ ہو تو مجبوراً مسجد میں گزرنے کی گنجائش ہے، مگر اس کی وجہ سے اس کی مسجدیت ختم نہیں ہوتی، وہ بدستور باقی رہے گی:

"جعل شيء: أي جعل الباني شيئاً من الطريق مسجداً لضيقه ولم يضر بالمارين، جاز؛

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

"لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لا يضر في كونه مسجداً؛ لأنه من المصالح. فإن قلت: لو جعل مسجداً ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أو غيره هل له ذلك؟ قلت: قال في التتارخانية: إذا بنى مسجداً وبنى غرفة وهو في يده، فله ذلك. وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني، لا يتركه. وفي جامع الفتاوى: إذا قال: عنيت ذلك، فإنه لا يصدق، اهـ. فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتاً على جدار المسجد، وجب هدمه، ولا يجوز أخذ الأجرة. وفي البزازية: ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الفصل في المتفرقات: ۶/۲۸۵، رشيديه)

لأنهما للمسلمين كعكسه: أي كجواز عكسه، وهو ما إذا جعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والدواب، زيلعي. كما جاز جعل الإمام الطريق مسجداً لا عكسه، لجواز الصلوة في الطريق لا المرور في المسجد، اهـ". درمختار۔

"(قوله: لجواز الصلوة في الطريق) فيه أن الصلوة في الطريق مكروهة كالمرور في المسجد، فالصواب لعدم جواز الصلوة في الطريق، كما قدمناه عن جامع الفصولين، يعني أن فيه ضرورةً، وهي أنهم لو أرادوا الصلوة في الطريق، لم يجز، فكان في جعله مسجداً ضرورة، بخلاف جعل المسجد طريقاً؛ لأن المسجد لا يخرج عن المسجدية أبداً، فلم يجز، اهـ".

ردالمحتار ص: ۳۸۴(۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۵ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۳۶۶/۴-۳۶۹، سعيد)

"(وإن جعل شيء من الطريق مسجداً، صح كعكسه) معناه: إذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتسع، فأدخلوا شيئاً من الطريق في المسجد، وكان ذلك لا يضر بأصحاب الطريق، جاز ذلك. وكذا إذا ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض، تؤخذ أرضه كرهاً، لما روي عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم أنهم لما ضاق المسجد الحرام أخذوا أرضين بكره من أصحابها بالقيمة، وزادوا في المسجد الحرام. (وقوله كعكسه): أي كما جاز عكسه، وهو ما إذا جعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر، إلا الجنب والحائض والنفساء، لما عرف في موضعه". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل: ومن بنى مسجداً: ۲۷۳/۴، ۲۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۸/۵، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۸۴۱/۵، ۸۴۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۶/۲، ۴۵۶، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے متعین کرکے وقف کردی گئی، وہاں وضو کی جگہ بنوانا جس کی وجہ سے اتنی جگہ مجبوری ہو جائے کہ وہاں نماز نہ پڑھی جاسکے درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۷ھ۔

مسجد سے متعلق بیت الخلا

سوال [۷۰۸۳]: جامع مسجد کے فرش کے قریب پاخانہ کھلا ہوا ہے، یا حوض جس میں پاخانہ غلیظ عرصہ دراز تک جمع ہوتا رہتا ہے، جیسے کہ انگریزی طریقہ کے پاخانہ ہوتے ہیں۔ تو ایسے پاخانہ قریب مسجد یا قریب فرشِ مسجد جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہاں پر اجازت دی ہے؟ کیا عربی مدرسے کے متعلق بھی بیت الخلا بنانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں مسجد میں نالی، لوٹا، حوض، کنواں، نل، پانی، غسل خانہ، کھڑکی، پنکھا، بجلی وغیرہ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا، مسجد کی چھت بھی ایسی تھی کہ دھوپ بھی، بارش بھی اس میں کو آتی تھی، غرض بہت سادہ جگہ تھی، اس پر دری اور چٹائی بھی نہیں تھی (۲)۔ یہ سب چیزیں آہستہ

---

(۱) "ویکرہ الوضوء والمضمضة فی المسجد إلا أن یکون موضع فیہ اتخذ للوضوء ولا یصلی فیہ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، فصل: کرہ استقبال القبلة الخ: ۲/۱۰، رشیدیہ)

"ولا یجوز أخذ الأجرة منہ، ولا أن یجعل شیئاً منہ مستغلاً ولا سکنی". (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا فی البزازیة علی ہامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الثامن فی المتفرقات: ۶/۲۸۵، رشیدیہ)

"قال الفقیہ أبو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یجوز لہ أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً". (فتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشیدیہ)

(۲) "وقال أبو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کان سقف المسجد من جرید النخل، وأمر عمر ببناء —

آجاتے، مسجد سے متعلق کئی چیزیں رہتی ہیں، حتیٰ کہ بعض مقامات میں مہمان خانہ بھی مسجد سے متعلق ہوتا ہے، وہاں باہر سے رہتے ہیں؛ امام اور مؤذن کے رہنے کے لئے بھی کمرہ ہوتا ہے۔ بعض جگہ مدرسہ بھی ہوتا ہے جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں۔ بعض جگہ پیشاب خانہ اور بیت الخلاء بھی نمازیوں کی سہولت کے لئے ہوتا ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں کثرت سے باہر کے آدمی زیادہ آتے ہوں، اگر ضرورت رفع کرنے کی جگہ وہاں نہ ہو تو ان کو بڑی دشواری ہوتی ہے۔

اگر باہر کے آدمی زیادہ نہ آتے ہوں، بلکہ عامۃً مقامی آدمی نماز پڑھتے ہوں جن کو اللہ نے گھر دیا ہے اور وہاں سب ضرورت کی چیزیں موجود ہیں تو پھر محض شان وشوکت دکھانے کے لئے ایسی چیزیں مسجد سے متعلق جگہ میں بنائی جاتی ہیں، اگر کسی کو اتفاقیہ ضرورت پیش آجاوے تو وہ قریب ہی جو جگہ ضرورت رفع کر سکتا ہے۔ مسجد کے قریب ایسی جگہ بیت الخلاء نہ بنایا جاوے کہ بدبو مسجد میں آوے اور نمازیوں اور ملائکہ کو اذیت ہو(۱)۔ مدرسہ کے لئے جو احاطہ دیا گیا ہے اس کو کرایہ پر اٹھا سکتے ہیں تاکہ اس کی آمدنی سے مدرسہ کی ضروریات پوری کی جاسکیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

— المسجد .. عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما أخبره أن المسجد كان على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم مبنياً باللبن، وسقفه الجريد، وعمده خشب النخل، فلم يزد فيه أبو بكر شيئاً، وزاد فيه عمر، وبناه على بنيانه في عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم باللبن والجريد، وأعاد عمده خشباً، ثم غيره عثمان فزاد فيه زيادة كثيرة، وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصة، وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج". (صحيح البخاري: ۱/۶۴، كتاب الصلوة، باب بنيان المسجد، قديمي)

(وسنن أبي داود: ۱/۶۷، باب في بناء المساجد، امدادية ملتان)

(و) يحرم (فيه السؤال ويكره الإعطاء) ... (وأكل نحو ثوم) ويمنع منه، (الدر المختار). (قوله: وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري. قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق ..."

مسجد سے متصل بیت الخلاء

سوال [۷۰۸۴]: مسجد کے عقب پچھم رخ(۱) متصل دیوار امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، درمیان میں دیوار ہے، پاخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ دیوار میں ایسی صورت میں روشن دان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

وحید اللہ خان اٹمن پوری۔
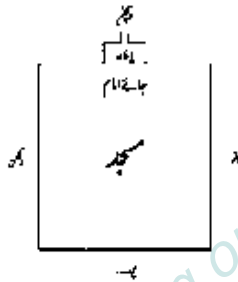
الجواب حامداً ومصلیاً:

خارج مسجد پاخانہ بنانا جائز ہے(۲)، دیوار درمیان میں ہونے کے وجہ سے نماز میں بھی کوئی خرابی نہ

– غلة الزرع والمحل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيواجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۳، رشيديه)

(وفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "پچھم: مغرب، وہ سمت جدھر سورج ڈوبتا ہے"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۸۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

"إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين، يجوز؛ لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين، صار ذلك لله تعالى أيضاً ... لو جعل تحته حانوتاً، وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لا يستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا، صار مسجداً، وما تحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف –

ہوگی، لیکن ایسی جگہ پاخانہ بنانا جس سے نمازیوں کو بدبو کی تکلیف ہو اور ہر وقت مسجد میں بدبو آیا کرے اور مسجد کی جانب پاخانے کا روشن دان کھولنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۱)، لہذا بہتر یہ ہے کہ اگر گنجائش ہو تو کسی دوسری جگہ مسجد سے الگ پاخانہ بنانا چاہئے اور روشندان بھی مسجد کی طرف نہ کھولنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۶/ رجب/ ۵۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ رجب/ ۵۴ھ۔

مسجد کے قریب بیت الخلاء بنانا

سوال [۵۸۰۷]: مسجد کی کچھ اینٹیں برآمدہ مسجد میں لگی ہوئی تھیں، مریدین نے برائے شیخ مذکور وہ اینٹیں اٹھا کر اندرونِ مسجد یعنی صحن کے سامنے بیت الخلاء بنایا، مگر انصاف پسند لوگوں نے روک ٹوک کی تو مریدین اور پیر صاحب نے التفات نہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیخ مذکور کے لئے مناسب تھا کہ متولی اور نمازیوں کے مشورے سے تصرف کرتے، تاکہ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ نمازیوں کی ضرورت کے لئے اگر مسجد کے قریب بیت الخلاء بنایا جائے تو شرعاً گنجائش ہے، مگر اس کا خیال چاہئے کہ بدبو مسجد میں نہ آئے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

= الذی تحته". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "ويحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء ... وأكل نحو ثوم ويمنع منه". (الدر المختار)

(قوله: وأكل نحو ثوم): أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل في المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ... علا لمن شذ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۵۹، ۶۶۱، سعيد)

(۲) "إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين يجوز". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب =

مسجد سے متعلق جگہ میں بیت الخلاء بنانا

سوال[۷۰۸۶]: ایک قطعہ اراضی مسجد کے نام سے وقف کی گئی اور وہ بصورت ایک حجرہ کے مسجد کے جانب غرب وجنوب کے گوشہ میں واقع ہے جس کا دروازہ بجانب سڑک کی جانب ہے۔ اس وقف کی ہوئی جگہ جو کہ نقشہ میں ۲۶/ نمبر درج ہے، بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

حجرہ نمبر ۲۶/ میں کوئی روزن نہیں (۱) جس سے مسجد میں بدبو جائے، ہاں اس کی چھت کے اوپر مسجد کی دیوار میں روشندان ہے، مگر حجرہ کی چھت سے تقریباً ایک گز اوپر ہے اور تین جانب سے دیوار ہے جس کی وجہ سے وہاں بدبو نہیں پہنچ سکتی۔ صرف آفتاب کی روشنی کی غرض سے روشندان کھولا گیا ہے۔

نقشہ کے نمبروں کی تفصیل یہ ہے: ۱، ۲- اندرون مسجد، ۳- صحن مسجد، ۴- حجرہ امام صاحب، ۵- دیوار نالی برائے وضو، ۶- نالی برائے وضو، ۷- سنگ مرمر کی چارپائی وتختہ کی جگہ، ۸، ۹- غسلخانات، ۱۰- کنواں، ۱۱- پختہ فرش حمام وغسل خانہ کی طرف جانے کا راستہ ہے، ۱۲- کچا فرش، پاپوش کی جگہ، ۱۳- دروازہ مسجد، ۱۴- وضو طہارت کرنے کی جگہ، ۱۵، ۱۶- وضو کرنے کی نالی، ۱۷- حمام کمرہ، ۱۸، ۱۹- غسل خانے، ۲۰- راستہ غسل خانہ، ۲۱- کنواں، ۲۲- برآمدے جہاں نماز پڑھتے ہیں، ۲۳- جہاں نالی وضو کرنے کی، ۲۴- سائبان، ۲۵- حجرہ طالب علم، ۲۶- حجرہ، جس کا مسئلہ دریافت طلب ہے۔

= المؤلف: ۳/ ۲۰۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/ ۳۵۷، سعید)

"و يحرم فيه السؤال و يكره الإعطاء .... وأكل نحو ثوم، يمنع منه". (الدر المختار).

"(قوله: وأكل نحو ثوم): أي كبصل و نحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل في المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين .... خلافاً لمن شذ. و يلحق بما نص عليه في الحديث كل رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۱، سعید)

(۱) "روزن: سوراخ، روشندان، شگاف". (فیروز اللغات، ص: ۷۴۶، فیروز سنز لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ یہ جگہ مصالحِ مسجد کے لئے وقف ہے اور اہلِ مسجد کو وہاں بیت الخلاء کی ضرورت ہے، نیز اس جگہ بیت الخلاء ہونے سے مسجد کے احترام میں خلل بھی نہیں آتا اور بدبو بھی مسجد میں نہیں پہونچتی تو اس جگہ بیت الخلاء بنانا شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۰/۶/۵۷ھ۔

وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ

سوال [۷۰۸۷]: مسجد میں وضوخانہ کے پاس پیشاب خانہ بنانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نمازیوں کی ضرورت کے لئے ہے، اگر کچھ دور ہو تو ٹھیک ہے تاکہ مسجد میں بدبو نہ آئے اور وضو کرنے والوں کو اذیت نہ ہو اور ضرورت بھی پوری ہوتی رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۵/۱۳۹۱ھ۔

---

(۱) "إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين يجوز". (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۲۷۱/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه، أي المسجد، جاز كمسجد القدس". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۲۲۱/۵، سعيد)

(۲) "(وكذا يكره) ... (بول وغائط في ماء ولو جارياً) ... (و) يجتنب (مسجد ومصلى عيد) ... (وأن يبول قائماً أو مضطجعاً أو مجرداً من ثوبه بلا عذر، أو) يبول (في موضع يتوضأ) هو (أو يغتسل فيه) لحديث: "لا يبولن أحدكم في مستحمه، فإن عامة الوسواس منه"". (الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۳۴۲/۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۴۲۳/۱، رشيديه)

مسجد کے پلاٹ پر ناجائز قبضہ

سوال [۷۰۸۸]: جامع مسجد جمرودی کی وقف شدہ جائیداد کا زید کرایہ دار ہے، اس نے کمیٹی سے کرایہ پر لیے ہوئے پلاٹ پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور یہ ناجائز قبضہ عرصہ دس سال سے کئے ہوئے ہے۔ اب کمیٹی ناجائز بلا کرایہ قبضہ کو زید سے واپس اس لئے لینا چاہتی ہے کہ اس ناجائز قبضہ کے پلاٹ سے جامع مسجد کی کمرشل سودہ ہے، باہم آمدنی یا معاملہ بڑھ سکتی ہے۔ اب اگر زید اس ناجائز قبضہ کے پلاٹ کو کمیٹی کے قواعد وضوابط کے تحت واپس نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا کرایہ بمقابل دیگر کے دیتا ہے اور نہ ہی ناجائز قبضہ چھوڑتا ہے تو زید پر اس معاملہ میں شرعی حکم کیا ہے اور کس قدر مجرم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقعہ اسی طرح ہے تو وہ کرایہ دار غاصب ہے، ظالم ہے، کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے، اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ ناجائز قبضہ فوراً ختم کردے اور جتنے زمانہ تک اس پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اس کا کرایہ بھی ادا کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۹۲ھ۔

---

(۱) "وہذا علی حرمۃ ایجار الوقف بأقل من أجر المثل، علی حرمۃ تعدیہ بالأولی، ویجب أجر المثل".
(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشیدیہ)

"قال الخصاف فی وقفہ: إذا أنکر ولی الوقف: أی قیم الوقف، فہو غاصب فیخرج من یدہ، فإن نقص منہا شیء بعد الجحود، فہو ضامن". (التاتارخانیۃ، کتاب الوقف، الفصل العشرون فی المسائل التی تتعلق بالدعوی: ۵/۸۴۰، ۸۴۱، إدارۃ القرآن کراتشی)

"ولو غصبہا من الواقف أو من والیہا غاصب، فعلیہ أن یردہا إلی الواقف، فإن أبی وثبت غصبہ عند القاضی، حبسہ حتی رد، فإن کان دخل الوقف نقص، غرم النقصان". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب التاسع فی غصب الوقف: ۲/۴۴۳، رشیدیہ)

"ویفتی بالضمان فی غصب عقار الوقف وغصب منافعہ". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۹، رشیدیہ)

مسجد کے حجرے پر غاصبانہ قبضہ کرنے والے کو نکالنا

سوال [۷۰۸۱]: ایک شخص مسجد کے حجرے پر غاصبانہ قابض ہے اور مسجد کا کوئی کام وغیرہ بھی نہیں کرتا، بلکہ بارش میں چار صفیں باہر پڑی رہ گئی تھیں، اس وقت یہ شخص موجود تھا، وہ بھیگ کر خراب ہوگئیں، لیکن اس نے ان کو اٹھایا تک نہیں۔ اور مسجد میں اگر کوئی آدمی تیل وغیرہ دینے کو کہتا ہے کہ اگر برتن وغیرہ ہو تو دے دو، تیل لاکر مسجد میں ڈالوں گا تو یہ شخص اس سے پیسے لے کر ہضم کرجاتا ہے، تیل وغیرہ نہیں لاتا۔

اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک دولہا مسجد میں سلام کرنے آیا اور اس نے امام صاحب کو سو روپیہ دیا تو اس کو لے کر خرچ کرلیا، لوگوں کو معلوم ہوا تو شور کیا اور بار بار کہنے پر بڑی مشکل سے اس نے دو سو روپے واپس دیئے، ورنہ تو وہ ہضم ہوگیا تھا۔ یہ واقعہ تو معلوم ہوگیا، لیکن نہ جانے کتنے واقعات ایسے ہوئے ہیں۔ اپنا خرچ اسی طرح چلاتا ہے اور کوئی کام وغیرہ نہیں کرتا۔ اور لوگوں نے سات آٹھ بار حجرے سے نکال دیا، مگر وہ چند روز کے بعد پھر آجاتا ہے، حالانکہ اس کا اپنا گھر موجود ہے، وہاں اس لئے نہیں رہتا کہ وہ کام کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے شخص کو مسجد میں رہنے اور سونے سے بالکل روک دیا جائے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۹۲ھ۔

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کو امام کا اپنے نام کرالینا

سوال [۷۰۸۲]: ایک مسجد کی کچھ زمین وقف ہے، وہ امام کے لئے ہے کہ جب تک جو شخص امام رہے گا اس کی اجرت لیتا رہے گا، لیکن موجودہ امام نے اس کو اپنے نام ریکارڈ کرالیا ہے، بستی والے کہہ رہے ہیں کہ مسجد کے نام کردیں، مگر وہ نہیں کرتے تو امام کا جبراً مسجد کی زمین اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ فعل

---

(۱) اس میں چونکہ مسجد کا نقصان ہے اور مسجد کی اشیاء کا بے جا استعمال ہے، فقہاء نے مسجد کی معمولی چیز کے استعمال کو بھی بغیر خریدے ناجائز قرار دیا ہے: "وإذا رمي حشيش المسجد فرفعه إنسان، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

ناجائز ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر کسی کا مالکانہ قبضہ جائز نہیں، بلکہ غصب ہے(۱) امام اور اس کے بھائیوں کے ذمہ ضروری ہے کہ قبضۂ مالکانہ ختم کرکے وہ زمین مسجد کے نام کردیں، ورنہ آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور امام صاحب کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی اور وہ امامت سے الگ کئے جانے کے قابل ہوں گے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

مسجد کی زمین پر مالکانہ قبضہ

سوال[۱۱۰۷]: مسجد کے صحن اور نمازِ جنازہ کی جگہ اور مذہبی اجتماع کی جگہ اور تعزیہ کے راستے پر قبضہ کرکے مکان بنانا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

---

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لا یملک، ولا یملک ولا یعار، الخ" (الدر المختار). "(قوله: لا یملک) : أي لا یکون مملوکاً لصاحبه. ولا یملک: أي لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه، اھ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب مهم فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة وقوله موقوفة علی فلان: ۴/۳۵۱، سعید)

"وإذا صح الوقف، لم یجز بیعه ولا تملیکه". (الهدایة، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۲، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۰۳، مصطفی البابي الحلبي، مصر)

(۲) "ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق، الخ". (الدر المختار). "أما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه، وبأن في تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً، بل مشی في شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم، لما ذکرنا". (رد المحتار، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر مالکانہ قبضہ غصب اور حرام ہے(۱)، اس قبضہ کو ہٹا کر مسجد کے قبضہ میں دینا ضروری ہے، پھر اس کی چہار دیواری بنا کر حسب مصالح مسجد کے کام میں لائیں، تاکہ آئندہ ایسی نوبت نہ آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

مسجد کی زمین میں امام کا حجرہ بنانا

سوال[۷۰۰۲]: ۱۔۔۔ مسجد کے امام صاحب نے رہنے کے لئے صحن مسجد میں ایک حجرہ بنایا جس کو پہلے نماز کے لئے تیار کیا گیا تھا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

ایک مسجد کی زمین پر دوسری مسجد بنانا

سوال[۷۰۰۳]: ۲۔۔۔ ایک مسجد کی موقوفہ زمین پر خلاف شرط وقف اہل محلہ کے اتفاق رائے سے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اہل محلہ نے یہ طے کیا کہ اس دوسری مسجد کے مصلیان پہلی مسجد والے کو اس موقوفہ زمین کے عوض میں کچھ روپیہ دیں تو یہ روپیہ دینا دوسری مسجد والوں پر ضروری ہوگا یا نہیں؟ اور پہلی مسجد والے دوسری مسجد والے کو یہ زمین بلا عوض دے سکیں گے یا نہیں؟ اور روپیہ دینا طے ہونے کی صورت میں دوسری مسجد والے اگر پہلے طے شدہ روپیہ نہ دیں تو یہ دوسری مسجد کیسی ہوگی اور اس میں نماز پڑھنا کیسا ہوگا؟ اور یہ طے شدہ روپیہ دے کر دوسری مسجد بنانا صحیح ہوگا یا نہیں؟ یہ مسجد بن کر نماز ہو رہی ہے۔ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

---

(۱) "(فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا يرهن)۔ ۔۔۔۔ ولو سكنه المشتري أو المرتهن ثم بان أنه وقف أو للصغير لزم أجر المثل". (الدر المختار). "(قوله: لا يملك): أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملّك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه، لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۳۵۲/۴، سعيد)

"رجل وقف أرضاً أو داراً ودفعها إلى رجل وولاه القيام بذلك المدفوع إليه، فهو غاصب يخرج الأرض من يده". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف: ۴۴۷/۲، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱- جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف کرکے مسجد بنادی گئی ہو، وہاں امام یا کسی اور کے لئے حجرہ بنانا درست نہیں (۱)۔

۲- جو زمین جس مسجد کے لئے وقف کردی گئی وہاں دوسری مسجد بنانے کا حق نہیں (۲)، نہ اس کو دوسری مسجد کے لئے فروخت کیا جاسکتا ہے (۳)، نہ اس کا روپیہ لیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اگر خدانخواستہ پہلی مسجد ویران ہوجائے، وہاں مسلمان باقی نہ رہیں اور جہاں وہ زمین ہے وہاں مسلمان موجود ہوں اور ان کو مسجد کی ضرورت ہو تو اس زمین پر دوسری مسجد بنانا درست ہے اور وہاں نماز درست ہوگی (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الخ: ۴۵۸/۲، رشيديه)

(۲) "على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۴۴۵/۴، سعيد)

"لأن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، الخ: ۳۴۳/۴، سعيد)

"لأن شرط الواقف يجب اتباعه، لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في وجوب العمل به، وفي المفهوم والدلالة، الخ". (الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۱۰۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴۳۳/۴، ۴۳۴، سعيد)

(۳) "وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۶۴۰/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۳۲۲/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۲۰/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۱/۴، ۳۵۲، سعيد)

(۴) "وفي جامع الفتاوى: لهم تحويل المسجد إلى مكان آخر إن تركوه بحيث لا يصلى فيه، ولهم بيع ←

مسجد کی بچی ہوئی زمین پر درسگاہ اور رہائشی مکان

سوال[۷۰۱۴]: ۱..... مسجد کی بچی ہوئی زمین پر مدرسہ درسگاہیں، مدرسین طلباء کے رہنے کے گھر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

مسجد کمیٹی کی ناخوشی کے باوجود ایسا کرنا

سوال[۷۰۱۵]: ۲..... اگر اس میں مسجد کمیٹی کی طرف سے ناراضی اور ناخوشی ظاہر ہو تو جھگڑا اور زبردستی اس پر قبضہ کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو جگہ مسجد کی ہے اس میں اگر طلباء کے رہنے یا تعلیم کے لئے عمارت بنائیں تو اس جگہ کا کرایہ مناسب تجویز کرلیا جائے اور مدرسہ کی طرف سے وہ مسجد کو ادا کریں (۱)۔

۲..... زبردستی قبضہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز نہیں (۲)، کمیٹی کی رضامندی سے جگہ کے کرایہ کا معاملہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۹۵ھ۔

= مسجد فتبقیٰ لم یعرف بانیه وصرف ثمنه فی مسجد آخر، سائحانی، اهـ" (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۴/۳۵۷، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۲، رشیدیه)

(۱) "ولو کانت الأرض متصلةً ببیوت المصر یرغب الناس فی استئجار بیوتها، ویکون غلة ذلک فوق غلة الزرع والنخیل، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیؤاجرها" (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف: ۲/۴۱۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۰، رشیدیه)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، الفصل الأول فی المتولی: ۶/۲۳۳، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "عن سعید بن زید رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه یطوّقه یوم القیامة من سبع أرضین". متفق علیه". (مشکوٰة المصابیح، کتاب =

صحن مسجد میں کنواں بنانا

سوال [۷۰۱۱]: کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس بارے میں کہ:

یہاں کی جامع مسجد میں باوجود اس کے کہ ایک سرکاری نلکہ پانی کا لگا ہوا ہے جو پانی دینے کے لئے کافی ہے، گرمیوں میں نلکے کا پانی تھوڑا ہو جاتا ہے تو ضرورت رفع کرنے کے لئے ایک کنواں بھی ہے۔ اندریں حالات مسجد والوں نے چاہا کہ ایک کنواں اور کھودنا چاہیے جس میں بجلی کی مشین لگوائیں اور پانی کی بہتات ہو، اور یہ کنواں مسجد کے مال وقف کے صرفہ سے صحن مسجد میں کھودنا تجویز ہوا۔ اور در آں حالانکہ واقف زمین مسجد فوت ہو چکا ہے۔

یہاں کے علماء میں سے بعض نے ان کو منع فرمایا کہ مسجد ما أعد للصلوٰۃ ہے اور یہ تصرف زمین مسجد میں جائز نہیں۔ بعض نے عالمگیری کی کتاب الصلوٰۃ والی اور قبیل باب إحیاء الموات والی روایتوں کے اختلاف کو دیکھ کر کچھ تساہل سے جواب دیا فائدہ اس تساہل سے لے کر انہوں نے کنواں کھودنا شروع کیا۔ اب سوال یہ ہے:

۱..... آیا کنواں کھودنا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... اور جب کھود گیا تو اب یہ پانی اجزائے مسجد میں سے شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ بنا بر جگہ مسجد الی تحت الثریٰ مسجد ہے۔ اور آیا اس پانی کا استعمال وضو وغیرہ کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ پانی مشین کے ذریعہ سے مسجد سے باہر نکالا جائیگا اور استعمال کیا جائے گا۔

المستفتی: امام مسجد جامع نوشہرہ صدر ضلع پشاور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ نماز پڑھنے کیلئے مسجد بنا کر وقف کر دی گئی ہے، اس جگہ کو مستقلاً کسی دوسرے کام میں لانا غرض واقف کے خلاف ہے، ایسی جگہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، اس کا احترام لازم ہوتا ہے۔ اگر اس جگہ کنواں بنایا جائیگا تو وہ جگہ ہمیشہ کے لئے غیر صلوٰۃ کے کام میں محبوس رہے گی، حالانکہ وہ نماز کیلئے محبوس کی گئی تھی۔ نیز وہاں پانی لینے کے لئے طاہر وجنب سب جائیں گے اور عامۃً کنویں پر شور وشغب ہوتا ہے، پانی لینے میں نزاع ہوتا ہے،

= البیوع، باب الغصب والعزیۃ، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

پانی مباح الاصل ہے، اس کا استعمال ہر شخص کو جائز ہے، پانی اجزائے مسجد میں شمار نہیں ہوگا۔ تحت الثریٰ تک مسجد ہونے سے مراد یہ ہے کہ حق العبد منقطع ہو جائے، کوئی شخص دعوائے ملک نہ کر سکے، کما صرح بہ مالشامی (۱)۔ فتاویٰ عالمگیری کی دونوں عبارتیں بھی اس جواب کے خلاف نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ربیع الاول/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ربیع الاول/۷۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ربیع الاول/۷۰ھ۔

پرنالہ دوسرے کی جگہ میں اور مسجد کی دیوار میں ایسا تصرف جس سے کسی کی بے پردگی ہو

سوال [۷۰۹۰]: زید نے دو قطعہ زمین مالکانِ زمین سے خریدی، جس کی سرحد مسجد کے مغرب وجنوب کی دیوار تک تھی، جس میں سے ایک قطعہ زمین جانب مغرب افتادہ پڑی تھی، دوسرے قطعہ جنوب کے کچھ حصہ پر مالکِ زمین نے اپنا مسکونہ مکان بنا رکھا تھا جو جانب مغرب ومشرق کی لمبائی میں واقع تھا۔

زید نے خریدنے کے بعد اپنی پوری زمین پر قبضہ کرانے کے لئے دونوں جانبوں میں مسجد تک نئی دیوار بنا کر احاطہ ومکان کی شکل دے دی۔ مسجد کی جنوبی دیوار میں جھروکے (۲) بشکل روشندان بنائے تھے، جس سے زید کے صحن میں اہل بچوں کی بے پردگی ہوتی تھی۔ مسجد کی جنوبی دیوار کے بعد ایک گلی جو کہ ایک ضعیفہ کا مکان خام بنا ہوا تھا جو زید نے خریدنے کے بعد پختہ صحن بنادیا، اور جھروکے کو اپنے صحن کی طرف سے بے پردگی کے خیال سے چاروں سوراخوں میں مٹی رکھ کر بند کر دیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد رائے عام مصلیانِ مسجد سے بضرورتِ شدیدہ مسجد کی ایک المارنی اور گھڑی ناسی نصب

---

(۱) "حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۲) "جھروکہ: کھڑکی، دریچہ، روشندان، ایسی کھڑکی جو چھت یا اطراف میں ہو، یا نظارہ کی غرض سے رکھی گئی ہو"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۳، فیروز سنز، لاہور)

ہوئی جس کو تقریباً ۲۰ سال ہوگئے، اپنی جگہ بدستور رہتی ہے، اور مسجد کی مصلحت فوت نہ ہوئی، اور زید کی بے پردگی کا سوال ختم ہوگیا۔ اور یہ نہیں معلوم کہ جھروکے مالک زمین کی اجازت سے بنائے گئے یا افتادہ زمین کی طرف یوں ہی کھولے گئے۔

اب زید صحن مذکورہ کو مکان کی شکل میں تعمیر کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسجد سے ملا کر اپنی دیوار چھت بنا کر تعمیر کرلے اور پانی جو مسجد مذکورہ ضعیفہ کے دونوں دیواروں کے بیچ میں گرتا تھا وہ پانی زید اپنے صحن خانہ کی طرف گرائے اور زید کا مکان بسبب گلی چھوڑنے سے غیر محفوظ نہ ہو۔ زید کا کہنا ہے کہ مسجد و دیوار زید میں گلی ہوگی، مسجد کا بھی نقصان ہوگا، برسات کے پانی کے ریلے و چھینٹے دونوں دیواروں کو خراب کریں گی اور نیز چور و نقب زن کے چھپنے کا خطرہ رہے گا۔ دوسرا مجھ کو خیال یہ ہے کہ جھروکے جہاں اس وقت الماری نصب ہے بڑا سا جنگلہ لگا دیا جائے، مگر اس شکل میں بے پردگی کا مسئلہ پیش آتا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا زید کو اپنی زمین پر مکان تعمیر کرنے کا شرعاً حق ہے، یا اپنی دیوار مسجد سے نہیں ملا سکتا؟ اگر نہ ملائے تو کس قدر فصل چھوڑنا ضروری ہے؟ نیز جھروکوں کی کیا حیثیت ہے؟ آیا ان کا باقی رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو زید کے مکان کے غیر محفوظ ہونے اور بے پردگی کا کیا حل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد یسین نقیب سرائے میر محلہ قاہر خان اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اپنی زمین میں مکان صحن سب کچھ بنانے کا پورا اختیار حاصل ہے (۱)۔ لیکن اگر مسجد سے متصل مسجد کی مصالح کے لئے کچھ راستہ مالک نے چھوڑ دیا ہو، یا پانی گرانے کے لئے حق دیا ہو جس کو زید کے ہاتھ فروخت نہیں کیا گیا تو زید کا اس راستہ کو ختم کرنا، یا پانی گرانے کی جگہ کو ختم کرکے دوسری طرف منتقل کرنا

---

(۱) "كل يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق به حق الغير، يمنع المالك من تصرفه بوجه الاستقلال" (شرح المجلة، الفصل الأول في بعض قواعد في أحكام الأملاك: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲)، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك والمتقوم: ۴/۵۰۲، سعيد)

درست نہیں (۱)۔ آج زید اس جگہ پر پانی گرانا برداشت نہیں کرتا تو کل کو زید کے ورثاء مسجد کا پانی اپنے مکان پر کیسے برداشت کریں گے؟ نزاع پیدا ہوگا، وہ کہیں گے کہ مسجد کا پانی ہمارے صحن میں نہ آئے، کسی اور طرف راستہ کیا جائے۔

مسجد کے جنوبی دیوار کے جھروکوں سے اگر زید کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے تو زید کو چاہیے کہ وہ اپنے مکان کی دیوار بنائے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ اگر زید میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ دیوار بنا سکے تو جو الماری مسجد کے لئے اس جگہ پر بنائی گئی اس سے بے پردگی ختم ہوگئی، اب جنگلہ لگا کر اس کے مکان کو بے پردہ نہ کیا جائے۔ برسات میں مسجد کے پانی کی وجہ سے اگر زید کی دیوار کو اندیشہ ہو تو اس کے تحفظ کے لئے نالی پختہ کر دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں ادھار لگائی ہوئی اینٹوں کی واپسی

سوال [۷۰۹۸]: ایک آدمی نے اپنا مکان بنانے کے لئے آٹھ ہزار اینٹیں ۲/۱۰/۷۷ء کو منگائی تھیں، مسجد کے کچھ آدمیوں نے مشورہ کر کے وہ آٹھ ہزار اینٹیں ادھار لے کر مسجد میں لگا دیں، اب بستی والے اینٹ واپس نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تم اپنی اینٹ مسجد سے نہیں لے سکتے، جب کہ اینٹ دیئے ہوئے تین سال ہو چکے۔ جس نے اینٹ دی ہے وہ بہت غریب اور پریشان حال ہے اور وہ اپنی مرضی سے دینا نہیں چاہتا۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے وہ اینٹیں مسجد والوں نے خرید کر لگائی ہیں تو وہ مسجد توڑ کر اینٹیں لینے کا حقدار نہیں رہا (۲)،

---

(۱) "لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ أو وکالۃ منہ أو ولایۃ علیہ، وإن فعل کان ضامناً". (شرح المجلۃ: ۶۱/۱، (رقم المادۃ: ۹۶)، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب الغصب، مطلب فیما یجوز من التصرف بمال الغیر الخ: ۲۰۰/۶، سعید)

(۲) "إذا کان البیع لازماً نافذاً، فلیس لأحد المتبایعین الرجوع عنہ". (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز، =

البتہ قیمت کا حقدار ضرور ہے(۱)۔ اگر قیمت میں روپیہ مقرر کیا گیا تھا تو اس کو روپیہ دیا جائے، اگر قیمت میں اینٹیں ہی تجویز کی گئی تھیں یعنی ادھار لی تھیں تو اس قسم کی اینٹیں منگا کر اس کو دی جائیں، یا اس کی قیمت دی جائے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔
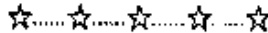
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۴۰۰/۱۱/۲۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= كتاب البيوع: ۱/۲۰۱، (رقم المادة: ۴۷۵م)، مكتبه حنفيه كوئثه)

(وكذا في مختصر القدوري، كتاب البيوع، ص: ۱۱۵، سعيد)

(۱) "ومن باع سلعة بثمن، قيل للمشتري: ادفع الثمن أولاً، فإذا دفع، قيل للبائع: سلم المبيع".

(مختصر القدوري، كتاب البيوع، ص: ۱۱۹، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۳/۳۱، ۳۲، مكتبه غفاريه كوئثه)

(۲) "والقرض شرعاً عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله. وصح القرض في مثلي، هو كل ما يضمن بالمثل عند الاستهلاك". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعيد)

"الديون تقضى بأمثالها". (رد المحتار، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل وغير ذلك، مطلب: الديون تقضى، الخ: ۳/۸۳۸، سعيد)

الفصل الثامن فی السکونۃ فی المسجد

(مسجد میں رہائش رکھنے کا بیان)

مسجد کے بالائی حصہ پر امام صاحب کا کمرہ بنانا

سوال[۷۰۹۹]: مسجد سے ملا ہوا امام صاحب کا کمرہ ہے جو اس وقت خارج مسجد ہے، لیکن اب اس مسجد کی توسیع کا ارادہ ہے۔ تو امام صاحب کے حجرہ کو نیچے سے مسجد میں شامل کرلیں اور اوپر کے حصہ میں مع اہل وعیال کے رہیں۔ تو کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس حجرہ کو نماز کے لئے مسجد میں داخل کرکے مسجد قرار دیا جائے تو بالائی حصہ پر بھی ایسا حجرہ بنانا درست نہیں جس میں امام صاحب مع اہل وعیال قیام کریں(۱)۔ اگر اس کو مسجد بنانا مقصود نہیں، صرف یہ مقصود ہے کہ وقت ضرورت وہاں بھی نمازی کھڑے ہوجایا کریں اور اوپر والے حصہ میں امام صاحب رہیں تو یہ درست ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۲/۸۵ھ۔

---

(۱) "لو بنی فوقہ بیتاً للإمام، لا یضر، لأنہ من المصالح. أما لو تمت المسجدیۃ، ثم أراد البناء، منع". (الدرالمختار). "قال فی البحر: وحاصلہ أن شرط کونہ مسجداً أن یکون سفلہ وعلوہ مسجداً، لینقطع حق العبد عنہ، لقولہ تعالیٰ: ﴿وأن المساجد للہ﴾ اھ". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل احکام المساجد: ۵/۴۲۲، رشیدیہ)

(۲) "یمنع الحیض دخول المسجد، وکذا للجنابۃ ... وحرمۃ الدخول للجنب، وفناء المسجد لہ =

جس کوٹھری کی چھت کو مسجد بنالیا گیا اس میں رہائش کا حکم

سوال [۷۰۰۱]: مسجد جس کا تقریباً پانچ گز اونچا ہے اور مسجد کے بائیں جانب کو ایک حجرہ تھا بالکل مسجد کی دیوار سے ملا ہوا اور اس حجرہ کے نیچے دو کوٹھری ہیں، اس کوٹھری کو واضع نے امام کی رہائش کے لئے بنائی تھی تاکہ مع اہل وعیال کے رہے۔ اب چند سال بعد حجرہ کی دیوار توڑ کر کوٹھری کی چھت توڑ کر کوٹھری کی چھت اور مسجد کے صحن کو ایک کردیا گیا ہے۔ اور مسجد کا تمام متولی مسجد نے لگایا ہے تاکہ صف لمبی ہوسکے۔ اور اوپر سارا صحن مسجد کے حکم میں ہے اور نیچے رہائش کی کوٹھری آیا۔

اب امام صاحب کا اس کوٹھری میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی جواز کی شکل ہو تو ضرور ارشاد فرمائیں اور اگر نہیں ہے تو اپنے تصرف میں کسی طرح سامان رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جواب تک امام بغیر تحقیق کے کوٹھری کے اندر رہا ہے اس کا گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو جگہ مسجد قرار دے دی جائے وہ اوپر نیچے سب ہی مسجد ہے (۲)، اب امام صاحب کو ان کی کوٹھریوں

= حكم المسجد في حق جواز الاقتداء بالإمام وإن لم تكن الصفوف متصلة ولا الصحن ملآناً. وأما في جواز دخول الحائض، فليس للفناء حكم المسجد فيه. وما في شرح الزاهدي من أن مطبخ المسجد وظلة بابه في حكمه، فليس على إطلاقه، بل مقيد في الظلة بأنها حكمه في حق جواز الاقتداء لا في حرمة الدخول للجنب والحائض، كما لا يخفى". (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/۲۲۸، ۲۳۵، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس الخ: ۱/۳۸، رشيدية)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيدمي لاهور)

(۲) "وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى، كما في البيري". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

میں رہائش کی اجازت نہیں (۱)۔ جس تہ کی چھت کو عین مسجد بنادیا گیا ان میں مسجد کا سامان، صف وغیرہ رکھ سکتے ہیں (۲)۔ ناواقفیت سے جو کچھ کیا اس سے استغفار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔

امام سابق ضعیف العمر کا تعاون اور مکانِ مسجد میں ان کی رہائش

سوال [۷۱۰۱]: ضلع میرٹھ میں ایک قصبہ انچولی ہے، اس میں ایک مسجد ہے جس میں چالیس سال سے ایک امام صاحب متعین تھے، انھوں نے فرائضِ امامت بہت خوبی سے انجام دیئے، اب ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے وہ معذور ہیں، ان کی جگہ دوسرے امام متعین ہوچکے ہیں۔ دوسال تک تمام مقتدیوں نے ان کی اس طرح خدمت کی جس طرح امام ہونے کی صورت میں کرتے ہیں، مسجد کا ایک مکان ہے جس میں وہ رہتے ہیں۔

اب تنازع مابین المقتدیین یہ ہوگیا ہے کہ امامِ اول کی اعانت کی جائے یا نہ کی جائے، مقتدی تین قسم کے ہوگئے ہیں: ۱- امامِ اول مکان میں اسی طرح مقیم رہیں جس طرح سے رہتے چلے آئے ہیں اور ان کا تعاون حسبِ حیثیت کیا جائے اور وہ لوگ تعاون کررہے ہیں۔ ۲- امام صاحب کو فوراً مکان سے علیحدہ کردیا جائے اور اس قسم کا تعاون ان سے روانہ رکھا جائے۔ ۳- مذبذب ہیں محلّے کے مقتدی اعلان کرتے ہیں کہ امام کو نکالا جانا

---

(۱) "قال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً أو مستغلاً". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشیدیه)

(وکذا في الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۳۵۸/۴، سعید)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۲۸۵/۶، رشیدیه)

(۲) "وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه: أي المسجد، جاز کمسجد القدس". (الدرالمختار). "صرح في الإسعاف فقال: وإذا کان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو کانا وقفاً علیه، صار مسجداً، اهـ شرنبلالیة". (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۳۵۷/۴، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

بالکل حرام ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام اول کا مسجد کے مکان میں مع اہل وعیال سکونت کرنا شرعاً کیسا ہے؟ آیا جائز ہے یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس امام نے مدت دراز تک خدمت انجام دی اور اب وہ ضعیف العمر ہو، اس کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو اور ضعف کی وجہ سے معذوری ہے (۱)، اہل محلہ کو چاہیے کہ باہمی مشورہ کر کے ان کے مکان میں رہنے کا انتظام کریں، گر مکان خالی کرانا ہو اور مسجد کی ضرورت ہو تو ان کیلئے دوسرا مکان تجویز کردیں، ورنہ مسجد ہی کے مکان میں رہنے دیں، البتہ مکان کا کرایہ چندہ کر کے دے دیا کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کوٹھری میں عورت کو رکھنا

سوال [۷۰۰۲]: میں نے ایک شخص سے ایک مسجد کی کوٹھری - جس میں ایک بچے کی جگہ ہے - کرایہ پر لی ہے، اس کوٹھری کو لینے کی میری غرض صرف اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں کسی خوب صورت شریف رشتہ دار سے عقد کروں، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں کوشش بھی شروع کردی ہے، لیکن محلہ کے کچھ لوگ اس کوٹھری میں زن وشوہر رکھنا ناجائز اور خلاف شرع کہتے ہیں، اس سے میرا عقد کرنے اور رکھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں

---

(۱) "حامل القرآن حامل راية الإسلام، من أكرمه فقد أكرم الله، ومن أهانه فعليه لعنة الله" (فيض القدير شرح الجامع الصغير: ۳/۵۶۳، رقم الحديث: ۳۶۴۰، مكتبه نزار مصطفى الباز)

(۲) "لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۱۴، رشيديه)

(وفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً ... إلخ: ۳/۳۰۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کہ پہلے گھر کا انتظام کروں پھر نکاح کا انتظام کروں۔

مسجد کا نقشہ اس طرح پر ہے کہ جو کوٹھری میں نے لے رکھی ہے، اس کا دروازہ باہر کی طرف نالی سے اوپر ہے اور مسجد کا دروازہ اسی کوٹھری کے دروازے سے دو گز چار گرہ کے فاصلہ پر ہے۔ اس دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی دو گز چار گرہ (۱) یہ میری کوٹھری کا روشن دان نما جنگلہ ہے اور یہیں پر نمازی جوتے اتارتے ہیں اور جہاں پر نمازی جوتا اتارتے ہیں یہیں پر کوٹھری کی پشت ہے۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ شرعاً عورت کو اس کوٹھری میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کوٹھری میں جانے کا دروازہ مسجد سے علیحدہ باہر سڑک کی طرف ہے تو اس میں زوجہ کے ساتھ رہنا منع نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، [illegible]ھ۔

امام کا اہل وعیال ومویشی کو مسجد میں رکھنا

سوال [۱۱۰۳۷]: کیا کسی ایسے شخص کو جو کسی دوسرے مقام پر امامت کرتا ہو، وہ کسی بھی دوسری مسجد

---

(۱) "گرہ: گز کا سولہواں حصہ تقریباً تین انگل کی چوڑائی" (فیروز اللغات، ص: ۱۱۴۰، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

"(ودخول مسجد): أي يمنع الحيض دخول المسجد، وكذا الجنابة ... وأما في جواز دخول الحائض، فليس لفناء حكم المسجد فيه. وأما ما في شرح الزاهدي من أن مصلى المسجد وطلبة بابه في حكمه، فليس على إطلاقه، بل مقيد في القلة بأنه حكمه في حق جواز الاقتداء لا في حرمة الدخول للجنب والحائض، كما لا يخفى" (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۳۸/۱، ۳۳۹، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس الخ: ۳۸/۱، رشيدية)

کو اپنے اہل وعیال سمیت رہائش اور دیگر ضروریاتِ خانگی کے لیے استعمال کرسکتا ہے، بالفرض اس نے مسجد میں روشنی وغیرہ پر خرچ کیا ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اہل وعیال کو رکھنا اور مویشی وہاں پر باندھنا جائز نہیں(۱)، مسجد نماز اور ذکر اللہ کے لئے ہے، ان کاموں کے لئے نہیں(۲)۔ ظالموں اور کافروں کی طرح خانۂ خدا پر قبضہ کرنا اور ان کو تعطیل پیش کرنا خطرناک صورت ہے، کہیں وہی انجام نہ ہو جو ان ظالموں کے لئے تجویز ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بوقتِ ضرورت مسجد کی چھت پر امام کی رہائش گاہ بنانا کیسا ہے؟

سوال[۷۰۱۲]: ۱۔۔۔ایک مسجد ہے جو محلہ ہے، اس میں امام اور مؤذن کے رہنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، نیز مسجد کے احاطہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں امام اور مؤذن کے لئے کمرے برائے رہائش بنائے جاسکیں۔ ایسی صورت میں مسجد کے کچھ حصہ یا پوری چھت پر کمرہ یا کمرے برائے دینی مدرسہ ورہائش طلبہ بنانا جائز

---

(۱) "قال الفقيه أبو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (الفتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الخامس في المتفرقات: ۶/۲۸۵، رشيديه)

(۲) "والمسجد خالص لله سبحانه، ليس لأحد فيه حق، وقال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ اهـ".

(فتح القدير، كتاب الوقف، فصل أحكام المسجد: ۶/۲۳۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) قال الله تعالى: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ (سورة البقرة: ۱۱۴)

"﴿وسعى في خرابها﴾: أي هدمها وتعطيلها ...... ﴿أولئك﴾ الظالمون المانعون الساعون في خرابها ﴿ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين، لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم﴾ اهـ" (روح المعاني: ۱/۳۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے یا نہیں؟

آمدنی کے لئے کرایہ لے کر مسجد کی چھت پر مسافروں کو ٹھہرانا

سوال[۱۰۵]: ۲..... اگر مسجد مذکور کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جو مسجد کے اخراجات کے لئے کافی ہو تو کیا ایسی صورت میں اگر بالائی چھت پر مسافروں کے واسطے کمرے بنا دیئے جائیں اور آمدنی بڑھانے کے لئے ان مسافروں سے کرایہ وصول کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اجازت نہیں، کذا فی البحر الرائق: ۵/۲۷۱(۱)۔

۲..... اس کی بھی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۶ھ۔

ضرورتِ مسجد کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کرنا

سوال[۱۰۶]: مسجد کے احاطہ میں تین عدد غسل خانے اور تین استنجا خانے اور ایک نل ہے جو تختوں پر مشتمل برابر برابر بنی ہوئی ہیں، لیکن بعض مسجد کے نمازی مسجد کے تحفظ سے یہ اشیاء ضروری نہیں سمجھتے، کیونکہ

---

(۱) "لو جعل مسجداً، ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أو غيره، هل له ذلك؟ قلت: قال في التاتارخانية: إذا بنى مسجداً وبنى غرفة وهو في يده، فله ذلك. وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلك يبني، لا يتركه. وإن قال: عنيت ذلك، فإنه لا يصدق". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(۲) "ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الثامن في المتفرقات: ۶/۲۸۵، رشيدية)

"قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً أو مستغلاً". (الفتاوى لقاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيدية)

قوم کے افراد نے تمام مسجد کو پختہ بنوایا اور نئی بنایا، لیکن مذکورہ بالا اشیاء اب تک پرانے طرز پر موجود ہیں، لہذا مسجد کی کمیٹی نے ایک رائے پیش کی کہ چونکہ احاطۂ مسجد میں بچے داخل ہوکر پاک و ناپاک ہاتھوں سے غسل خانوں کی ٹینک سے پانی لیتے ہیں۔

دوسرے اس کنویں کے ڈول کو ٹینک میں پانی بھرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بعض اوقات جماعت چھوٹنے کا باعث بن جاتی ہے، کیونکہ نمازی اور طلبہ بھی زیادہ ہیں، وہ ٹینک کافی نہیں ہوتی۔ اسی کو بھی موٹر مشین لگا کر مستحق کیا جائے، کیونکہ مسجد کے نام وقف کافی ہے۔ اس لئے قوم نے اس کیرین کو غسل خانوں میں تبدیل کردیا۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ مسجد کے باہر مسجد کی آمدنی استعمال نہیں کی جاسکتی، کمیٹی والوں نے جواب دیا کہ ہم یہ کام مسجد کی بہتری و صفائی کے لئے کررہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مصلیٔ مسجد کے لئے غسل خانہ وغیرہ تعمیر کئے جاسکتے ہیں یا نہیں، یا اس کے لئے علیحدہ سے چندہ کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی بہتری اور نمازیوں کو جماعت میں سہولت پیدا ہونے کے لئے غسل خانوں کو باہر منتقل کردینا درست ہے(۱)۔ جس طرح تعمیر غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہوا ہے اگر اسی طرح ان غسل خانوں پر مسجد کا روپیہ خرچ ہو تو کیا اشکال ہے؟ اگر اشکال ہے تو کوئی بڑی رقم نہیں، اس کے لئے مستقلاً چندہ کرلیا جائے۔ جب کوئی اشکال سامنے آئے تو اس کی تفصیل کیا لکھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "قلت: وبهذا علم أيضاً حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

"(وحرم... وأكل نحو ثوم) للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولاً أو غيره". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۱، سعيد)

حجرۂ امام کا شہتیر جدارِ مسجد پر

سوال [۷۰۱۰]: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ! شاہی مسجد سیوہارہ کی جنوب و شمال میں ہر دو جانب زمانۂ قدیم کے بنے ہوئے دو حجرے ہیں جن میں سے ایک حجرے کی قصدانی ڈاٹ مسجد کی دیوار میں ضم ہوئی ہے، دوسرا شمالی حجرہ سادہ بنا ہوا ہے جس کو شکستہ ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس تمہید کے بعد سوال یہ ہے کہ اس شمالی حجرہ کے اوپر دوسری منزل کی تعمیر کا خیال ہے اور مصلحتِ تعمیر کی بناء پر اس دوسری منزل کی چھت کا شہتیر ایک طرف مسجد کی دیوار میں رکھا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ تصرف جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے قابلِ لحاظ امور یہ ہیں:

۱- یہ حجرے زمانۂ قدیم سے مسجد کے ہیں۔

۲- ان کی بالائی منزلیں بھی مسجد ہی کی ہیں۔

۳- اس مسجد کے احاطہ میں ایک قدیم مدرسہ بھی ہے جس کی عمارت مسجد کی مملوکہ زمین پر بنائی گئی ہے۔

۴- اور ان حجروں سے حسبِ ضرورت مدرسہ کا کام لیا جاتا ہے اور مسجد کا بھی، اگرچہ تعلیم کے سلسلے کے رنگ یا اخراجات مدرسہ کی مد سے ہوتے ہیں، لیکن متعلقہ عمارت مشترک قسم کی ہے۔

لہٰذا دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حجروں کے بارے میں یہ حیثیت جن کو آپ کے اکابر ہمیشہ بالتفصیل ملاحظہ فرماتے چلے آرہے ہیں کیسی ہے؟

محمد ثروت حسین، سیوہارہ، ضلع بجنور، ۲۲/جمادی الاولیٰ/۹۰ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تصرف شرعاً جائز نہیں، "ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وإن کان من أوقافه" اھ، شامی(۱)۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد: ۳۵۸/۴، سعید)

"ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وإن کان من أوقافه اھ". (البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المساجد: ۴۲۱/۵، رشیدیه)

ظاہر حالات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حجرے مصالحِ مسجد کے لئے وقف ہیں، مدرسہ کا کام چلانا ان حجروں سے شرعاً درست ہے، مگر مسجد کا احترام ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد، ۲۸/ جمادی الاولیٰ/ ۶۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "أما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره، لا يكره". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في المسجد وما يتصل به: ۱/ ۳۲۹، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/ ۶۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/ ۴۲۸، سعيد)

الفصل التاسع في انتقال المسجد وأمتعته

(مسجد اور اس کے سامان کو منتقل کرنے کا بیان)

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۸]: ملک بنگال میں ایک جگہ مسجد تھی جس میں جمعہ پڑھا کرتے تھے، اب اس جامع مسجد میں کوئی شخص نماز پڑھنے نہیں آتا، اگر آتے ہیں تو صرف ایک یا دو آدمی۔ اور اس سے قریب ہی ایک اور موضع ہے جہاں بہت آدمی رہتے ہیں، وہ لوگ اس کو منتقل کر کے اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کو منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں، اور منتقل شدہ جامع مسجد میں جمعہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اب قدیم جامع مسجد کے متعلق کیا حکم ہے جب کہ وہاں سے سارا سامان اٹھالیا گیا ہے، صرف زمین مسجد کی باقی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس پہلی مسجد میں بعض آدمی نماز پڑھنے کے لئے اب بھی آتے ہیں تو اس کو کسی دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (۱)، البتہ اس مسجد کے قریب آبادی کم ہونے کی وجہ سے اگر نماز جمعہ دوسری مسجد میں جس کے قریب آبادی زیادہ ہو پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (۲) بشرطیکہ وہاں شرائط

---

(۱) "ولو خرب ما حوله، واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع". (الدر المختار). "(قوله: تغلق) لئلا تجتمع فيها =

جمعہ بھی متحقق ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۰/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شوال/۵۷ھ۔

مسجد کو منتقل کرنا

سوال[۷۱۰۱]: کچھ عرصہ پہلے کی بنی ہوئی ایک مسجد ہے، حسب ذیل چند معتبر عذر در پیش ہوئے:

فی الحال جہاں مسجد قائم ہے وہاں برسات کا پانی ہو کر مسجد کے اندر اور صحن کے قریب جاتا ہے، بہت دنوں تک مسجد کے احاطہ سے باہر منتقل ہو کر نماز پڑھنی پڑی ہے، مسجد کے بناتے وقت وہاں پانی نہیں ہوا کرتا تھا۔ مسجد کے مشرقی جانب چالیس پچاس گز فاصلہ پر بہت عمدہ جگہ موجود ہے، وہاں بھی برسات کا پانی نہیں ہوا کرتا ہے اور نہ ہونے کا اندیشہ ہے اور یہاں پر مسجد ستون پر ہے اور اس کے اطراف میں دیمک کی وجہ سے ستون کی کڑی وغیرہ رکھنا بھی بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔

مذکورہ فاصل اونچی جگہ پر منتقل کر کے دیوار اٹھا کر ہمیشہ کے لئے مسجد کا احترام باقی رکھنے پر محلہ کے سب لوگ متفق ہیں اور عذر یہ بھی موجود ہے کہ مصلیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں لوگ سما نہیں سکتے ہیں، مسجد کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے، لیکن مذکورہ مشرقی جانب فاصلہ میں منتقل کرنے اور کسی جانب مسجد بڑھانے کی جگہ بھی نہیں۔ مذکورہ عذروں سے کوئی عذر کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ اور واضح رہے کہ فاصل پر انتقال کرنے سے بھی موضع سابق اسی مسجد کی منتفع میں رہے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس صورت مذکورہ عذروں کے سبب سے مسجد کی بنا پر مذکورہ چالیس پچاس گز کے فاصلہ پر منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز نئی مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا مع حوالہ کتب۔

المستفتی: ریاض الدین احمد۔

= جماعاً". (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، سعید)

(۱) "ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر، الخ". (الدر المختار، باب الجمعة: ۲/۱۳۷، سعید)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر موجودہ مسجد باقاعدہ مسجد شرعی ہے تو جب تک وہ آباد رہے اس کے سامان کو منتقل کرنا اور کسی نئی پرانی مسجد میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ اگر یہ مسجد غیر آباد ہو جاوے اور لوگ اس میں نماز پڑھنا ترک کر دیں، خواہ قریب آبادی بڑھنے کی وجہ سے، یا دوسری مسجد بنانے کی وجہ سے تو اس کے سامان کو دوسری مسجد میں اہل محلہ کی رائے سے منتقل کرنا درست ہوگا اور احترام اس قدیم مسجد کا بھی واجب ہے، اس کا احاطہ بنا کر حفاظت کرنا ضروری ہے۔

جس قدر روپیہ جدید مسجد بنانے میں خرچ ہوگا کیا ممکن نہیں کہ اس روپیہ کے ذریعہ سے مسجد میں پانی کی فراغت اور وسعت کا انتظام کیا جا سکے، اگر ممکن ہے تو پھر جدید مسجد بنانے کی ضرورت نہیں کہ اس سے قدیم مسجد ویران ہو جاوے گی:

"ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي. وعاد إلى الملك: أي ملك الباني أو ورثته عند محمد رحمه الله تعالى. وعن الثاني: ينقل إلى مسجد آخر بإذن القاضي، اهـ". درمختار(1)۔

"وفي فتاوى النسفي: سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب، وبعض المتغلبين يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم، هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي، ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟

---

(1) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، ۳۵۹، سعيد)

"إذا خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر أو لخراب القرية ... فإنه يعود إلى ملك الواقف أو ورثته. وقال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الرابع في المسجد الخ: ۴/۴۲۳، سهيل اكيڈمی لاہور)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۴۶، إدارة القرآن كراچی)

الی المسجد". رد المحتار: ۳/۵۷۵(۱)۔

"ویصرف نقضه إلی عمارته إن احتاج، وإلا حفظه للاحتیاج" تنویر الأبصار، شامی: ۳/۴۱۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/۴/۵۹ھ۔

مسجد کو منتقل کرنا

سوال [۱۱۰۱۱]: کسی محلہ میں زمانۂ قدیم سے ایک جگہ جامع مسجد تھی، مسجد مذکور کے متصل ایک مکتب ہے، حال ہی میں ترقی یافتہ زمانے نے محلہ مذکورہ کے قریب ایک چھوٹا سا ازلی بازار بنا دیا، جس کی جانب صبح وشام روزمرہ لوگوں کی آمد ورفت ہے۔ اب اگر مسجد کو بازار مذکور کے متصل کیا جائے تو مصلی اور محتاج لوگوں کے لئے عبادت کے علاوہ خدمت مسجد میں کوئی کوتاہی نہ ہوگی۔ مصلحت بالا کی بنا پر اہل محلہ مسجد کو قدیم جگہ سے اٹھا کر بازار کے متصل بنانا چاہتے ہیں، شرعاً مسجد کی جگہ میں تغیر وتبدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور پرانی مسجد کی جگہ کو مکتب میں الحاق کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بصورت ثانی شق اس جگہ کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ایک دفعہ مسجد شرعی بنادی جائے، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد رہتی ہے، اب اس کو وہاں سے منتقل کرنا اور اس جگہ کو مکتب کے لئے مخصوص کرنا ہرگز جائز نہیں (۳)، بلکہ اس مسجد قدیم کو بدستور مسجد ہی رکھا جائے اور اس

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد ونحوہ: ۴/۳۵۹، سعید)

"کالمسجد إذا خرب واستغنی عنه أهل القریة، فرفع ذلك إلی القاضي، فباع الخشب وصرف الثمن إلی مسجد آخر، جاز". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمكیریة، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشیدیه)

(وكذا في منحة الخالق علی البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشیدیه)

(۲) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸-۳۵۹، سعید)

(۳) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی" =

میں اذان وجماعت کا بھی اہتمام رہے، جس طریقہ سے اب تک حفاظت رہی ہے اسی طریقہ سے آئندہ بھی حفاظت کی جائے، اس کو تیمتاً دینا درست ہے، نہ کسی مکان یا زمین کے عوض دینا درست ہے:

"لو كان مسجد في محلة، فضاق على أهله ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخله في داره، ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خير له، فيسعهم فيه أهل المحلة، قال محمد رحمه الله تعالى: لا يسعهم ذلك، كذا في الذخيرة".

فتاویٰ عالمگیری: ۴۱۸/۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

مسجد کا تبادلہ

سوال [۱۱۱۱۸]: ہمارے گاؤں میں ایک جگہ مسجد کے نام سے مشہور ہے، کاغذات پٹواری میں مسجد کے نام سے درج ہے، جگہ منہدم ہے، وہاں کسی کو نماز پڑھتے ہم نے نہیں دیکھا، اس کے پاس مندر بنا ہوا ہے جس میں روزانہ گھنٹی بجتی ہے، آس پاس غیر مسلموں کے مکانات ہیں، مسلمان کچھ فاصلہ پر آباد ہیں، اور یہاں کوئی دوسری مسجد بھی نہیں ہے، مسجد کی سخت ضرورت ہے، اس جگہ میں مسجد بنانے میں فساد کا اندیشہ ہے۔ مسلمان

= حاوي القدسي". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۷، رشيديه)

"ولو كان مسجد في محلة ضاق على أهله، ولا يسعهم أن يزيدوا فيه، فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذلك المسجد له، ليدخل هو في داره، ويعطيهم مكانه عوضاً ما هو خير له، أيسع لأهل المحلة؟ قال محمد رحمه الله تعالى: لا يسعهم ذلك". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن كراچي)

کہتے ہیں کہ اگر اس کے بجائے اپنے جانے والے مقام پر مسجد تعمیر کرلیں تو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہیں گے، غیر مسلم اس جگہ کے بجائے ہمارے جانے والے مقام پر زمین دینے کے لئے تیار ہیں، تو کیا ہمارے لئے شرعاً اجازت ہے کہ اس کے بدلے میں جگہ یا اس کی قیمت لے لیں اور دوسری مسجد تعمیر کرلیں۔

حسین بخش، اجمیر شریف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی طرف سے زمین کو تبادلہ یا بیع کا معاملہ نہ کیا جائے، اور اگر وہ زمین نہ چھوڑیں اور دوسری جگہ آپ کے مناسب زمین دیں، یا قیمت دیں، تو مجبوراً لے کر دوسری جگہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۸۷ھ۔

پرانی مسجد کو نئی مسجد کی طرف منتقل کرنا

سوال[۷۱۱۲]: ۱..... ایک محلہ میں لوگ پیچھے سے جمعہ پڑھتے چلے آئے ہیں اور یہ مسجد بھی محلہ

---

(۱) "الثالثة: أن يجحده الغاصب، ولا بينة: أي وأراد دفع القيمة، فللمتولي أخذها، ليشتري بها بدلاً".

(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب: لا يستبدل العامر إلا في أربع: ۳۸۸/۴، سعید)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف: ۳۰۶/۳، رشيديه)

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها، هل للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها أخرى؟ قال: نعم". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۳/۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"رجل وقف موضعاً في صحته، وأخرجه عن يده، فاستولى عليه غاصب، وحال بين الوقف وبينه، قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: يأخذ من الغاصب قيمته ويشتري بها موضعاً آخر، فيقفه على شرائط الأول. قيل له: أليس بيع الوقف لا يجوز؟ فقال: إذا كان الغاصب جاحداً، أو ليس للوقف بينة، يصير مستهلكاً، ونفي المسيل إذا صار مستهلكاً، يجب له الاستبدال".

(فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في وقف المنقول: ۳۱۲/۳، رشيديه)

کے کنارہ پر واقع تھی، اب لوگ دوسرے محلہ میں جمعہ پڑھنے لگے اور پہلی مسجد کو بالکل منہدم کردیا مگر وہاں پر عام راستہ نہیں بنایا، بلکہ اس کے چاروں طرف احاطہ کردیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کا اس جگہ سے دوسری جگہ مسجد منتقل کرنا کیسا ہے جب کہ دوسرے کنارہ پر ازسرنو مسجد بنائی گئی اور پہلی مسجد کو بالکل منہدم کردیا ہو؟

۲..... اگر یہ مسجد دوسری جگہ کسی ضرورت سے منتقل کی گئی ہے تو یہ فعل جائز ہوگا یا نہیں اور اگر بلا ضرورت منتقل کردی گئی ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... ایک مسجد منہدم کرکے دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (۱)، البتہ اگر پہلی مسجد بند اور غیر آباد ہو، نیز اس کی حاجت نہ رہی ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کا سامان ضائع ہوجائے گا تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا درست ہے، کذا فی رد المحتار: ۳/۵۷۵ (۲)۔

۲..... جواب نمبر ایک سے معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲/۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/صفر/۵۸ھ۔

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (البحر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر ..... وهو الفتوى". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "ونقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا

سوال[۷۱۱۳]: اگر کوئی مسجد بوسیدہ ہوگئی ہو اس کے نمازی بھی نہ رہے ہوں اور یہ بھی خطرہ ہے کہ عوام الناس اس جگہ کو گندگی سے ملوث کردیں گے۔ اگر مسجد کی دیواریں وغیرہ ختم کردی جائیں تو ایسی صورت میں مسجد کے سامان کو فروخت کرکے دوسری مسجد میں لگانا، یا اس سے دوسری جگہ مسجد بنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں مسلم آبادی نہیں رہی اور مسجد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں، نہ قفل کارآمد ہے، نہ چہاردیواری، تو خطرۂ مذکورہ کے پیشِ نظر اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نقشۂ اوقاتِ نماز ایک مسجد سے دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال[۷۱۱۴]: ایک شخص نے زید کی مسجد میں اپنی ذاتی آمدنی سے اوقات کا نقشہ مسجد میں لگایا اور وقف کردیا۔ عرصہ ۲/ سال سے وہ بالکل بے سود اور بیکار و بے عمل لگا ہوا ہے، یعنی اس مسجد کے امام اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں اگر وہ وقف شدہ نقشۂ اوقاتِ نماز کسی دوسری مسجد میں جہاں پابندی سے نماز ہوتی

---

(۱) "وهكذا نقل عن الشيخ الإمام الحلواني في المسجد والحوض إذا خرب ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه أنه تصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيديه)

"وفي الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني: أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم".

(رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۹/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد ۲۳۴/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد، ۲۳۶/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ہے اور اس مسجد میں نقشہ بھی نہیں، اس مسجد سے نکال کر اس ضرورت والی مسجد میں وقف کرایا جائے تو درست ہوگا، یا پرانی مسجد میں وقف ہونے کی بناء پر مسجد میں درست نہ ہوگا؟ اور وقف کرنے والے کو بے عمل والی مسجد میں لگا رہنے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصل مالک نے متعین طور پر اسی مسجد کے لئے وقف کیا ہے اور وہ وقف صحیح بھی ہو گیا تو اس کو پھر دوسری مسجد میں منتقل کرنے کے لئے فقہاء کے دو قول ہیں، راجح یہ ہے کہ منتقل کرنا جائز نہیں، لہٰذا امام اور مقتدی کو چاہئے کہ اس نقشہ سے کام لیں تاکہ واقف کی نیت پوری ہو اور اس کے ثواب میں اضافہ ہو۔ نفس وقف کا ثواب بہرحال اس کو حاصل ہے۔ ہاں! اگر خدانخواستہ مسجد غیر آباد ہو جائے تو پھر دوسری مسجد میں اس کو منتقل کرنا درست ہوگا۔

قرآن کریم کو جس مسجد پر وقف کیا جائے اس کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا مسئلہ ردالمحتار: ۳/۵۸۰ میں مذکور ہے(۱)۔ اسی کے ذریعے صورت مسئولہ کا حکم تحریر کیا گیا ہے۔ اگر وہ نقشہ وقف نہیں ہوا تو اس کو منتقل

(۱) "وفي القنية: سبل مصحفاً في مسجد بعينه للقراءة، ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من غير أهل ذلك المحلة للقراءة". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: متى ذكر للوقف مصرفاً، لابد أن يكون فيهم، الخ: ۴/۳۶۵، سعید)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۸، إمدادیه ملتان)

"وفي وقف الحسن بن زياد: إذا اشترى مصاحف وجعلها في المسجد الحرام أو في غيره من المساجد وقفاً مؤبداً لأهل ذلك المسجد وتعمير انه ولعمارة الطريق ولابن السبيل بالقرآن، فهو جائز في قول أبي يوسف". (التاتارخانية، كتاب الوقف، وقف المنقول: ۵/۸۷۶، إدارة القرآن کراچی)

"فإن وقفها على مستحق وقفه لم يجز نقلها". (الدرالمختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۵، سعید)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الوقف: ۳/۳۱۸، إمدادیه ملتان)

(وكذا في الدرالمنتقى، كتاب الوقف: ۲/۵۸۱، مكتبه غفاریه کوئٹه)

"إذا وقف كتباً وعين موضعها، فإن وقفها على أهل ذلك الموضع لم يجز نقلها منه، لا لهم ولا لغيرهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل كتب الوقف من محلها: ۴/۳۶۶، سعید)

کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگانا

سوال [۷۰۱۵]: مسجد کی چیز پتھر وغیرہ مدرسہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ مفت ہوں یا قیمتاً، کیا صورت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پتھر وغیرہ کوئی چیز مسجد کیلئے خریدی گئی، پھر اس کی ضرورت نہیں رہی تو مدرسہ یا کسی دوسری مسجد میں قیمتاً اس کو لگانا درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

ایک مسجد کا پنکھا دوسری مسجد میں دینا

سوال [۷۰۱۶]: کیا واقف کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اس مسجد سے بجلی کا پنکھا نکال کر دوسرے محلہ کی مسجد میں لگادیں جب کہ اس مسجد میں پنکھا وقف کردیا گیا ہے؟ پنکھا لگانے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ پنکھا وقف کرکے مسجد میں لگادیا گیا ہے تو اس کو نکال کر دوسری مسجد میں لگانا

---

(۱) "أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف، فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط؛ لأن في صيرورته وقفاً خلافاً، والمختار أنه لا يكون وقفاً، فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۷۷/۴، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۴/۶، ۲۳۵، مصطفى البابي الحلبي مصر)

درست نہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، ۱۰ مدرسہ سہارنپور۔

پرانی مسجد توڑ کر اس کا سامان نئی مسجد میں لگانا یا فروخت کرنا

سوال[۷۰۱۶]: کسی پرانی مسجد کو توڑ کر وسعت دے کر نئی مسجد بنائی جائے، اور اس پرانی مسجد کا کچھ اسباب مثلاً اینٹ، لکڑی وغیرہ بچ جائے تو اس کا فروخت کردینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی مسجد کا جو سامان نئی مسجد کی تعمیر میں کارآمد ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی مسجد کی تعمیر میں کارآمد سامان خرید لیا جائے۔ اور جو سامان پرانی مسجد کا فروخت کیا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی مسجد ہی کے کام میں اس کو لگایا جائے، اگر کوئی شخص اس کو خرید کر اپنے رہائشی مکان میں استعمال کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: "الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

"وقال أبو يوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، كذا في الحاوي القدسي. وفي المجتبى: وأكثر المشايخ على قول أبي يوسف، ورجح في فتح القدير قول أبي يوسف بأنه الأوجه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(۲) "وصرف الحاكم أو المتولي نقضه أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلى عمارته إن احتاج، وإلا حفظه ليحتاج، إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه، ويمسك ثمنه ليحتاج". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۷۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۶۸، رشيدية) ...

پرانی مسجد کے گر کر بہہ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی اینٹ وغیرہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال [۷۰۱۸]: ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے جو پانی چڑھنے کی وجہ سے شہید ہونے لگی اور اندیشہ ہے کہ کچھ دن یہی حال رہا تو اینٹ وغیرہ سب پانی میں بہہ جائیں گے، لہذا اگر اینٹیں وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد منہدم ہورہی ہے اور وہاں پانی کا قبضہ ہورہا ہے اور مسجد کی اینٹ وغیرہ کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے تو وہاں سے اینٹ وغیرہ اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنالیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۶/۹۰ھ۔

دریا بُرد گاؤں کی مسجد کا سامان کس مسجد میں استعمال کیا جائے؟

سوال [۷۰۱۹]: جمنا کے کنارے ایک موضع ہے جو سب دریا بُرد ہوگیا ہے، صرف چند مکان اور ایک مسجد باقی ہے۔ سرکار نے اس گاؤں کو دوسری جگہ بسادیا ہے جس میں تین مسجدیں ہیں۔ اب قدیم مسجد ویران ہے، اس کے سامان کے استعمال میں تردد ہورہا ہے تو کون سی مسجد میں اس کو استعمال کرسکتے ہیں، یا ابھی نہیں کرسکتے؟

---

(۱) "وإن تعذر إعادة عينه إلى موضعه، بيع، وصرف ثمنه إلى المرمة صرفاً للبدل إلى مصرف المبدل". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة، فللقاضي صرف خشبه إلى عمارة المسجد الآخر إذا لم يعلم بانيه ولا وارثه، وإن علم يصرفه هو بنفسه" (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى القاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشيديه)

(وكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک قدیم مسجد موجود ہے اس کے سامان کہیں منتقل نہ کریں، بلکہ اسی مسجد کو آباد کریں(۱)۔ اور اگر کسی وقت وہ بھی دریا برد ہو جائے اور وہاں پانی کا قبضہ ہو جائے، پھر اس کا سامان وہ قوم باہمی مشورہ سے جس مسجد میں ضرورت ہو وہاں منتقل کردیں(۲)۔ اگر مشورہ سے میں اتفاق نہ ہو، یا سب مسجدیں برابر ہوں تو پھر تینوں میں تقسیم کردیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۲/۴/۱۴۰۱ھ۔

حویلی کی مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں لے جانے کا حکم

سوال[۶۱۲۰]: موضع بیرہ کنور ضلع بجنور میں جب کوئی مسجد نماز ادا کرنے کے لئے نہ تھی، تو ایک صاحب نے اپنی جگہ پر چبوترہ قائم کیا، بستی کے تمام لوگ وہاں پر نماز پنجگانہ ادا کرتے رہے، اسی اثناء میں الیکشن کا دور چلا۔ ایک صاحب جو بستی کا اعتماد علم وعمل میں حاصل کئے ہوئے تھے پردھان کے سیٹ حاصل کرنے کے کھڑے ہو گئے، دوسری طرف گاؤں کا زمیندار کھڑا تھا۔ لوگوں نے اپنا ووٹ زمیندار کو کامیاب

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة، وبه یفتی". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا یعود میراثاً، ولا یجوز نقله ونقل ماله إلی مسجد آخر".

(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۴/۳۵۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد: ۵/۴۲۱، رشیدیه)

"في فتاوی النسفي: لو صار أحد المسجدین قدیماً، وتداعی إلی الخراب، فأراد أهل السکة بیع القدیم وصرفه في المسجد الجدید، فإنه لا یجوز". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۸، رشیدیه)

(۲) "ونقل في الذخیرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه، هل للقاضي أن یصرف أوقافه إلی مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره: ۴/۳۵۹، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد: ۵/۴۲۲، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفی البابي الحلبي مصر)

کرنے میں اپنے مستقبل کو روشن جاننا اور امیات ہوتا تو قومی مفاد خطرہ میں تھا۔ اس بستی میں مسلم آبادی صفر کے درجہ میں ہے۔

شخص مذکور عالم ہونے کے سبب امام بھی تھے، انہوں نے عام مسلمانوں کو اپنے چبوترہ پر نماز پڑھنے سے روک دیا اور سخت سست کہا، عام مسلمانوں نے شاہراہ عام پر جگہ انتخاب کرکے مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ کچھ عرصہ بعد ۲/۳ آدمیوں میں ضد کی بناء پر اس چبوترہ پر دوسری مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ چبوترہ والی مسجد حویلی کے اندر ہے اور پردہ کی حویلی ہے۔ عورتیں کبھی برا بھلا کہتی ہیں، آئندہ اور بھی برائیاں ہوں گی۔ اور یہ جگہ آج تک وقف نہیں ہوئی۔ اب حویلی مذکور کے لوگ چاہتے ہیں کہ مسجد شہید کرکے اس کا سامان جامع مسجد میں لگا دیا جائے اور اس کا ملبہ کام میں لا دیا جائے۔ اگر اس کو رہائشی مکانوں میں لگا دیا جائے تو کیا کچھ حرج واقع ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ جگہ (چبوترہ والی) وقف نہیں اور مالک نے وہاں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی اور وہ حویلی کے اندر ہے کہ سب کو وہاں نماز کے لئے جانے کی اجازت نہیں تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں (۱)، جو سامان جن لوگوں کا ہے وہ خود لے جا سکتے ہیں (۲)، اگر چندہ کرکے خریدا ہے تو چندہ دینے والوں کی اجازت سے اس کو دوسری مسجد میں حسب ضرورت ومصلحت لگا سکتے ہیں (۳)۔ اگر اصل حقیقت اس کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ

---

(۱) "فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره فللمالك استردادها، وأمره بنقض البناء، وكذا لو كانت ملكاً له فإن لورثته بعده ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة: ۴/۳۹۰، سعيد)

"الخامس من شرائطه: الملك وقت الوقف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۱۳، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الأول: ۲/۳۵۳، رشيدية)

(۲) "وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۳، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، الخ: ۴/۳۵۹، سعيد)

(۳) "ولو خرب أحد المسجدين في قرية واحدة، فللقاضي صرف خشبه إلى عمارة المسجد الآخر إذا لم يعلم بانيه ولا وارثه، وإن علم يصرفها هو بنفسه". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام -

اس کا حکم بھی یہی نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۹۲ھ۔

مسجد کے پرانے سامان کا مصرف

سوال [۱۲۱۷]: ہمارے یہاں ایک پرانی مسجد ہے، اس کو منہدم کرکے نئی مسجد بنانا چاہتے ہیں، اب اس پرانی مسجد کے سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے، در حفاظت کرنا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا اس سامان کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اس سامان کو کسی مدرسہ یا میت رکھنے کی جگہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہمارے یہاں میت رکھنے کے لئے مستقل گھر بنائے جاتے ہیں۔ نیز اس مسجد کے پتھروں کو نئی مسجد کے احاطہ بنانے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مسجد اتنی پرانی ہوگئی کہ اس کے منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو منہدم کرکے نئی مسجد بنانا چاہتے ہیں تو اس کا جو سامان نئی مسجد میں کارآمد ہوسکتا ہے تو اس کو نئی مسجد میں لگادیں، جو سامان وہاں نہیں لگ سکتا اس کو فروخت کرکے قیمت تعمیرِ مسجد میں خرچ کردیں یعنی اس قیمت کا نیا سامان اس مسجد میں لگادیں۔ جو شخص اس سامان پتھر وغیرہ کو خریدے اس کو حق ہے کہ اپنے مکان میں استعمال کرے، یا مدرسہ یا کسی دوسری مسجد کے لئے خرید لیا جائے، یا میت رکھنے کی جگہ خرید لیا جائے۔ یہ بھی درست ہے کہ نئی مسجد کے احاطہ میں استعمال کرلیا جائے، مگر یہ سب تصرف باہمی مشورہ سے کیا جائے:

"نقل في الذخيرة عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب، ولا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه: هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد أو حوض آخر؟ فقال: نعم. المسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذلك إلى القاضي، فباع الخشب، وصرف الثمن إلى مسجد آخر، جاز". كذا في ردالمحتار بتقديم وتأخير۔ "وفي فتاوى النسفي:

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد) [illegible] المساجد: ۲۲۳/۵، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً، الخ: ۲/۴۵۸، رشيديه)

سئل شیخ الإسلام عن أهل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدها إلی الخراب، وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ وینقلونہ إلی دارهم، هل لواحد من أهل المحلۃ أن یبیع الخشبۃ بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ إلی بعض المساجد أو إلی هذا المسجد؟ قال: نعم، اهـ".

رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ ۔۔۔ مطلب فی نقل أنقاض المسجد الخ: ۳۵۹/۴، ۳۶۰، سعید)

"رباط فی طریق بعید استغنی عنہ المارۃ، وبجنبہ رباط آخر، قال السید الإمام أبو الشجاع رحمہ اللہ: یصرف غلتہ إلی الرباط الثانی کالمسجد إذا خرب واستغنی عنہ أهل القریۃ، فرفع ذلک إلی القاضی، فباع الخشب وصرف الثمن إلی مسجد آخر، جاز". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، فصل فی المقابر والرباطات: ۳۱۵/۳، رشیدیہ)

"سئل شمس الأئمۃ الحلوانی عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیہ لتفرق الناس: هل للقاضی أن یصرف أوقافہ إلی مسجد آخر أو حوض آخر؟ قال: نعم". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها: ۴۷۸/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی التاتارخانیۃ، کتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون فی الأوقاف التی یستغنی عنها الخ: ۸۴۴/۵، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۳/۵، رشیدیہ)

"ویصرف الحاکم أو المتولی نقضہ أو ثمنہ إن تعذر إعادۃ عینہ إلی عمارتہ إن احتاج، وإلا حفظہ لیحتاج، إلا إذا خاف ضیاعہ فیبیعہ ویمسک ثمنہ لیحتاج". (الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۷۶/۴، ۳۷۷، سعید)

"سئل شیخ الإسلام عن أهل قریۃ رحلوا وتداعی مسجد القریۃ إلی الخراب، وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشب المسجد وینقلونہ إلی دیارهم: هل لواحد من أهل القریۃ أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ إلی بعض المساجد أو إلی هذا المسجد؟ قال: نعم. کذا فی

مسجد کا قرآن دوسری جگہ لے جانا

سوال[۷۱۲۲]: مسجد میں اگر قرآن پاک کے پارے موجود ہوں تو قرآن خوانی کی غرض سے مسجد کے علاوہ جگہ پارہ لے جانا جائز ہے یا ناجائز، اسی طرح مسجد کی کتب بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو پارے یا کتب جس مسجد کے لئے وقف ہوں ان کو دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۸ھ۔

مسجد کا قرآن گھر لاکر قیمت ادا کرنا

سوال[۷۱۲۳]: ہمارے محلہ کی مسجد میں بہت سے قرآن کریم قارئین کے لئے رکھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قرآن شریف جو کہ (۱۳۸۱ھ، قاہرہ) عربی میں ٹائپ میں چھپا ہوا ہے، مجھے تلاوت قرآن کا شوق ہے، اس کو تلاوت کے لئے بغیر کسی مقتدی، یا متولی مسجد سے پوچھے اپنے گھر اٹھالایا، صرف اس غرض سے کہ یہ غیر قلمی ہے اور عربی ٹائپ میں ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کی جگہ میں اپنا قرآن شریف اس مسجد میں رکھ آؤں۔

= المصحف". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۲/۴۷۸، ۴۷۹، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الرابع والعشرون في الأوقاف التي يستغنى عنها، الخ: ۵/۸۷۸، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون، جاز، وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه، ولا يكون محصوراً على هذا المسجد، وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها، والفقهاء بذلك مبتلون. فإن وقفها على مستحق ولقه لم يجز نقلها". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۶۵، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۸، رشيدية)

جواب طلب بات یہ ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا یہ چھوڑنے کے جرم میں ہے اور میرے اوپر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ اگر مجھے یہ قرآن شریف رکھنا ہو تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ براہِ کرم تفصیل سے بتائیں، کیونکہ یہ قرآن میں شروع سے عمل کرنا چاہتا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ قرآن پاک جس نے مسجد میں رکھا ہے ظاہر ہے کہ مسجد کے لئے وقف کیا ہے کہ جس شخص کا دل چاہے مسجد میں آکر تلاوت کرے، اس کو مکان لے جاکر مستقل رکھنے کی اجازت نہیں (۱) اگرچہ اس کے بدل میں آپ دوسرا قرآن شریف مسجد میں رکھ دیں، اس شی موقوفہ پر عوض دے کر مالکانہ قبضہ کا حق نہیں (۲)۔

اگر آپ کو حاصل کرنا ہی ہے تو اس پر جو پتہ لکھا ہے وہاں سے منگوالیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ قرآن کریم اور دینی کتابیں قاہرہ وغیرہ سے منگا کر فروخت کرتے ہیں ان کی دوکان پر ہندوستان میں بھی مل جائے گا، بمبئی، سورت میں ایسی دوکانیں موجود ہیں۔ نیز جو شخص حج کے لئے جائے اس سے فرمائش کردیں، وہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، جدہ کسی جگہ سے خرید لائے گا، وہاں عام طور سے ملتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱/۹۹ھ۔

مسجد کے قرآن پاک وغیرہ مدرسہ میں استعمال کرنا

سوال [۷۱۲۴]: مسجد کے لئے وقف شدہ قرآن شریف اور پارے وغیرہ کا مدرسہ کے لئے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو قرآن شریف، پارے مسجد میں رکھے گئے ان کو ہر شخص مسجد میں استعمال کرسکتا ہے، چاہے وہ مدرسہ

---

(۱) (راجع المسئلۃ الآتیۃ، رقم الحاشیۃ: ۱)

(۲) "وإذا صح الوقف، لم یجز بیعہ ولا تملیکہ". (الہدایۃ، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شرکت علمیہ بیروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۳۰، رشيديہ)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

کے طلباء ہوں یا جو مسجد دوسرے نمازی ہوں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں لے جانا

سوال [۷۱۲۵]: چھوٹی مسجدوں کا فرش جامع مسجد میں استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی مسجد کا فرش جامع مسجد میں نہ لے جایا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

ایک مسجد کی چٹائی دوسری مسجد میں دینا

سوال [۷۱۲۶]: زید جس شہر میں رہتا ہے اس کے ایک محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں جائیداد کافی وقف ہے اور متولی صاحب اس کے مالک ہیں، کیونکہ وہی ساری جائیداد کے متولی ہیں۔ اس میں فرش پر بچھانے

---

(۱) البتہ مسجد سے اٹھا کر مدرسہ لے جانا اور مدرسہ میں استعمال کرنا درست نہیں۔

"لكن في القنية: سبل مصحفاً في مسجد بعينه للقراءة، ليس له بعد ذلك أن يدفعه إلى آخر من غير أهل تلك المحلة للقراءة .... فما قدمه عن الخلاصة من حكاية القولين: من أنه لو وقف المصحف على مسجد: أي بلا تعيين أهله، قيل: يقرأ فيه: أي يختص بأهله المترددين إليه، وقيل: لا يختص به: أي فيجوز نقله إلى غيره، وقد علمت تقوية القول الأول بما مر عن القنية" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب، متى ذكر للوقف مصرفاً، لابد ان يكون فيهم تنصيص على الحاجة، ومطلب في نقل كتب الوقف من محلها: ۴/۳۶۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۲، رشيديه)

(۲) "ولا يجوز لقيم شراء المصليات لتعليقها بالأساطين، ويجوز للصلوة عليها، ولكن لا تعلق بالأساطين، ولا يجوز إعارتها لمسجد آخر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيديه)

"ولا يجوز إعارة أدواته لمسجد آخر". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۹۳، (رقم القاعدة: ۳۷) إدارة القرآن كراچي)

لیے چٹائیاں بہت ہیں، بعض ضرورتِ مسجد سے زائد ہیں تو کیا وہ دوسری کسی مسجد میں اس کی ضرورت کے تحت دے سکتے ہیں تو کس صورت میں؟ مفصل تحریر فرمائیں، عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مسجد میں چٹائیاں زائد موجود ہیں اور حفاظت کی کوئی صورت نہیں، خراب اور ضائع ہو رہی ہیں تو زائد چٹائیاں ایسی مساجد میں بچھانا درست ہے جہاں ضرورت ہو(۱)۔ متولی اور دیگر اہلِ امر کے حضرات کے مشورہ سے دے سکتے ہیں، بلا مشورہ نہ دیں تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی چیز مدرسہ کے لئے اور مدرسہ کی چیز مسجد کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۱۲۷]: مسجد یا مدرسہ کے لئے کوئی چیز خریدی گئی، دونوں میں استعمال بھی ہوتی ہے، امام، مؤذن اور مدرسہ کے بچے غیر اوقاتِ نماز میں مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے مسجد یا مدرسہ کا پانیدان وغیرہ؟

محمد انس، دوارکا، ضلع نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے پیسے سے جو چیز خریدی گئی وہ مدرسہ کی ضرورت میں استعمال کی جائے، اسی طرح مسجد کے پیسے سے خریدی ہوئی چیز مسجد ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے(۲)۔ اگر ایسی چیز جس مقصد کے لئے

---

(۱) "حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إليه". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما أوقافاً ـ

خریدی گئی تھی اب وہ مقصد ختم ہوگیا مثلاً مدرسہ کی ضرورت نہیں رہی اور مسجد کے لئے یا امام صاحب کے لئے ضرورت ہے تو مدرسہ سے خرید کر استعمال کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۵ھ۔

مسجد غیر آباد ہو جائے تو اس پر وقف زمین کی آمدنی کا حکم

سوال[۱۲۸۱۶]: **الاستفتاء:** موضع بندہ کھیڑی میں مسجد کی زمین ۳۲/ بیگھہ ہے، اب وہاں پر شرنارتھی آباد ہیں، مسجد غیر آباد ہے، اس کی زمین کی آمدنی کو متولی کھا رہے ہیں اور یہ زمین مسجد کے نام سے وقف ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی آمدنی کہاں خرچ کریں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ زمین اس مسجد کے نام وقف کردی تھی تو مالکانہ تصرف درست نہیں (۱)، اس کی آمدنی اس مسجد پر خرچ کریں۔ اگر وہاں خرچ کرنے کی جگہ نہیں تو دوسرے گاؤں میں جو مسجد ضرورت مند ہو وہاں پر خرچ کریں (۲)۔

= لا یجوز لہ ذلک". (الدر المختار). "(قولہ: لا یجوز لہ ذلک): أي الصرف المذکور ... ومن اختلاف الجہۃ ما إذا کان الوقف منزلین أحدہما للسکنی والآخر للاستغلال، فلا یصرف أحدہما للآخر، وہي واقعۃ الفتوی، اھ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد: ۴/۳۶۰، ۳۶۱، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۴، رشیدیہ)

(۱) "إذا صح الوقف، لم یجز بیعہ ولا تملیکہ". (الہدایۃ، کتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(۲) "وکذا الرباط والبئر إذا لم ینتفع بہما، فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض". (الدر المختار). "وفي شرح الملتقی: یصرف وقفہا لأقرب مجانس لہا، اھ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ: ۴/۳۵۹، سعید)

"أما المال الموقوف علی المسجد الجامع إن لم تکن للمسجد حاجۃ للحال، فللقاضي أن یصرف في ذلک، لکن علی وجہ القرض، فیکون دیناً في مال الفيء". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما یتعلق بہ: ۲/۴۶۳، رشیدیہ) =

کوئی اس کو اپنے خرچ میں نہ لائے، وہ کسی کی ملک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

غیر آباد مسجد کا سامان مدرسہ یا مسافر خانہ میں لگانا

سوال[۱۰۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ایک نئی مسجد تیار ہوئی ہے، اس کے قریب میں ایک پرانی مسجد شکستہ و بے کار حالت میں ہے تو اس شکستہ مسجد کو توڑ کر اس کے ملبہ سے نئی مسجد کے قریب مدرسہ، مسافر خانہ، یا امام و موذن کے رہنے کے لئے کمرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مسجد کا ایک مکان جو مسجد کے لئے وقف ہے اور اس کی آمدنی مسجد میں خرچ ہوتی ہے، تو اس مکان میں اس ملبہ یا اس کی قیمت کو لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

بندہ سلیمان داود یوسف۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد غیر آباد ہو چکی ہے کہ وہاں نماز پڑھنے کی کوئی صورت نہیں رہی، اس جگہ کو محفوظ کر دیا جائے، مفتیٰ بہ قول کے مطابق وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، اس کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔ اگر وہ وہاں کارآمد نہ ہو تو ارباب حل وعقد کی رائے سے اس کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد میں صرف کر دی جائے، لیکن مسجد کا سامان یا قیمت مدرسہ یا مسافر خانہ وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگرچہ وہ مسجد کے قریب ہی ہو:

"ولو خرب ما حوله و استغنی عنه، یبقی مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلی قیام الساعة،

= "وعند أبي یوسف رحمه الله تعالی: یباع ذلک و یصرف ثمنه إلی حوائج المسجد، فإن استغنی عنه هذا المسجد، یحول إلی مسجد آخر" (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المساجد: ۵/۴۲۳، رشیدیه)

(۱) "(قوله: لا یملک الوقف) بإجماع الفقهاء کما نقله في فتح القدیر، ولقوله علیه السلام لعمر رضي الله تعالی عنه: "تصدق بأصلها، لا تباع ولا تورث". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۲۴، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف: ۶/۲۰۲، مصطفی البابي الحلبي مصر)

وبہ یفتی. وعن محمد وعن الثانی: ینقل إلی مسجد آخر بإذن القاضی. وکذا الرباط والبئر والحوض إلی أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض إلیہ: اھ". در مختار مختصراً(۱)۔

"(وقولہ: ولو خرب ما حولہ) أی ولو مع بقائہ عامراً، وکذا لو خرب، ولیس لہ ما یعمر بہ، وقد استغنی الناس عنہ لبناء مسجد آخر ...... (قولہ: وعن الثانی) جزم بہ فی الإسعاف حیث قال: ولو خرب المسجد وما حولہ وتفرق الناس عنہ، لا یعود إلی ملک الواقف عند أبی یوسف، ویباع نقضہ بإذن القاضی، ویصرف ثمنہ إلی بعض المساجد. (قولہ: إلی أقرب مسجد أو رباط، اھ) لف ونشر مرتب. وظاہرہ أنہ لا یجوز صرف وقف مسجد خرب إلی حوض وعکسہ. وفی شرح الملتقی: یصرف وقفہا لأقرب مجانس لہا اھ". شامی(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شعبان/۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شعبان/۷۱ھ۔

---

(۱) (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الوقف: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعید)

"ولو خرب ما حول المسجد واستغنی عنہ، یبقی مسجداً عند أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ؛ لأنہ إسقاط منہ، فلا یعود إلی ملکہ". (الہدایۃ، کتاب الوقف: ۶۴۵/۲، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ ۴۵۸/۲، رشیدیہ)

(۲) (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیرہ: ۳۵۸/۴، ۳۵۹، سعید)

"وہکذا نقل عن الشیخ الإمام الحلوانی فی المسجد والحوض إذا خرب ولا یحتاج إلیہ لتفرق الناس عنہ أن یصرف وقفہ إلی مسجد آخر أو حوض آخر". (فتح القدیر، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد: ۲۳۷/۶، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۴۲۲/۵، رشیدیہ)

"سئل شمس الأئمۃ الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالہا، ہل للمتولی أن یبیعہا ویشتری مکانہا أخری؟ قال: نعم". (فتح القدیر، کتاب الوقف، باب أحکام المساجد: =

نئی مسجد بنانے کے بعد پرانی مسجد اور اس کے وقف کا حکم

سوال [۷۱۳۰]: ۱... ہمارے موضع میں ایک مسجد تھی جس میں باقاعدہ نماز وغیرہ ہوتی رہی تیس سال تک، اس کے بعد اس موضع میں دوسری جگہ وہ مسجد منتقل کردی گئی اور وہ جگہ چھوڑ دی گئی بیکار۔ ایک مکان کا فاصلہ تھا، اور قریب خراب ہونے کے بھی تھی۔ فی الحال منقولہ مسجد ایک مکان جس میں پانی لگا ہوا ہے موجود ہے اور منقول عنہ کی جگہ ویران پڑی ہے۔ اب اس میں نماز وغیرہ ہوتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۲... پہلی مسجد کو منتقل کرنے کے بعد عدمِ حفاظت کی وجہ سے اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲... ایک مسجد کو منتقل کر کے دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں (۱)، اگر وہ کی مسجد غیر آباد رہ جائے اور اس کے سامان کی حفاظت دشوار ہوجائے تو ضائع ہونے کے خوف سے اس کے سامان کو منتقل کر کے قریب ترین دوسری مسجد میں صرف کردینا درست ہے (۲) اور پہلی مسجد کی جگہ کو بھی پورے طور پر محفوظ کردیا جائے تا کہ اس

= ۹/۲۳۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"وأما الحصير والقناديل، فالصحيح من مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا يعود إلى ملك متخذه بل يحول إلى مسجد آخر أو يبيعه قيم المسجد للمسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(۲) "ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه، فلا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف رحمه الله تعالى، فيباع نقضه بإذن القاضي، ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

میں کوئی کام خلافِ احترامِ مسجد نہ ہو سکے، بلا حفاظت اس کو چھوڑنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۰/۵/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۵/۵۸ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى"

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)
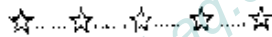
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيدية)

الفصل العاشر في إقامة المدرسة في المسجد

(مسجد میں مدرسہ قائم کرنے کا بیان)

مسجد کو مدرسہ بنانا

سوال [۷۱۳۱]: ہمارے شہر میں آج سے بارہ سال پہلے تمام مسلمان محلوں میں اعلان کراکر حیدر علی ٹیپو سلطان جامع مسجد کے نام سے ایک مسجد کا آغاز کیا گیا، اس وقت سے مسجد میں برابر پنج وقتہ نماز اور خطبہ جمعہ بھی جاری ہے۔ اب مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے سامنے یہ تجویز آئی ہے کہ چونکہ مسجد کی جانب مسجد کے سامنے سے گزرنے والی سڑک کے اس پار غیر مسلموں نے ایک چھوٹا سا مندر بنا دیا ہے، اس لئے اس مسجد کو ایک مدرسہ میں تبدیل کردیا جائے، اور اس سے دو تین قدم ہٹ کر جنوبی جانب اسی نام سے ایک نئی مسجد بنادی جائے۔

کیا از روئے شرع شریف مذکورہ تجویز پر عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر مسجد کو مدرسہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ براہ کرم دلائل شرعیہ اور حوالہ جات کتب فقہ سے جواب باصواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب وہ شرعی مسجد بن گئی، اور وہاں اذان و جماعت ہورہی ہے تو اب مصالح مذکورہ کی وجہ سے اس کو مدرسہ بنانا اور وہاں سے مسجد ہٹا کر اس کے نام سے دوسری جگہ منتقل کردینا ہرگز جائز نہیں، وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے(۱)۔ اذان و جماعت کے ساتھ اس کو آباد رکھا جائے، مندر یا کوئی بھی عمارت قریب ہونے سے نماز

---

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغني عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتى". (الدر المختار). "(قوله: عند الإمام والثاني) فلا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوى، حاوي القدسي". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۳۵۸/۴، سعيد)

میں خلل نہیں آئے گا: "فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یملّک" الخ. درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

تعلیم دینے کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا جانا

سوال [۱۳۲۲]: ۱... بھوپال کی ایک مسجد بنام "موتی مسجد" مشہور ہے، تقریباً جامع مسجد دہلی کا نقشہ ہے، اس کے تینوں طرف دالان ہے، مشرقی دالان میں چند سالوں سے ایک مدرسہ چل رہا ہے جس میں عربی، فارسی، اردو، ہندی، انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور تعلیم حاصل کرنے والی نابالغ اور بالغ لڑکیاں ہیں، اور ان کو پڑھانے والی بھی تقریباً جوان عورتیں ہیں، جن کا داخلہ مسجد میں آنا جانا ہر حالت میں ہوتا ہے۔ کیا شرعاً یہ صحیح ہے؟

مسجد کے دالان میں مدرسہ

سوال [۱۳۲۳]: ۲... دوسرا مکتب "موتی مسجد" میں کئی سالوں سے قائم ہے جس میں قرآن پاک ناظرہ اور دینی تعلیم اردو، ہندی میں ہوتی ہے، اس میں صرف لڑکے پڑھتے ہیں اور مرد جو اکثر علماء ہیں پڑھاتے ہیں۔ یہ شمالی اور جنوبی دالانوں میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی شاخ کے نام سے قائم ہے، اس کو شہر کی اوقاف بھوپال والے ناپسند کرتے ہیں اور ہٹانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ عمل شرعاً صحیح ہے؟

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۹، رشيدية)

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

"وإذا صح الوقف، لم يجز بيعه ولا تمليكه". (الهداية، كتاب الوقف: ۲/۶۴۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۲۲، رشيدية)

اس لئے ضروری ہے کہ مسجد سے الگ ہونے آنے کے لئے راستہ بنایا جائے تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔

۲... اگر یہ واقف کے منشاء اور رضامندی سے ہے تو اس کو ہرگز نہ ہٹایا جائے (۱)، ورنہ کرایہ کا معاملہ کرلیا جائے (۲)۔

۳... جو دالان مسجد کے مصالح کے لئے وقف ہے، اس کے کسی حصہ کو کسی دوسرے کام میں لانا

---

(۱) "وما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً اهـ. وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، والحكم به حكم بلا دليل: ۴/۴۹۵، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به، فيجب عليه". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(فإذا تم ولزم، لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن) فبطل شرط واقف الكتب الرهن شرط كما في التدبير. ولو سكنه المشتري أو المرتهن، ثم بان أنه وقف أو للصغير، لزم أجر المثل، قنية". (الدر المختار). "(قوله: لزم أجر المثل) بناءً على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب سكن داراً ثم ظهر أنها وقف يلزمه أجرة ما سكن: ۴/۳۵۲، سعيد)

"آجر المتولي الوقف سنة، إن كان الواقف شرط أن لا يؤاجر سنة، لا يجوز، وإن لم يشترط يجوز إلى ثلاث سنين، كما اختاره الفقيه أبو الليث...... وفي غيرها لا أكثر من سنة. وقال القاضي أبو علي: لا ينبغي أن يفعل ولو فعل، صحت. فإذا أراد أن يصح بالإجماع، يرفعه بعقد الإجارة بأكثر من ثلاث سنين إلى الحاكم، فيحكم بجوازه كما علم، فيجوز على قول الكل إن وجدت شرائط الحكم". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، نوع في إجارة الوقف: ۵/۲۴۳، رشيدية)

(وكذا في حاشية المحقق سعد الله بن عيسى المفتي الشهير بسعدي چلپي على العناية، كتاب الإجارة: ۹/۹۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

درست نہیں(۱)، اگر ضرورت مذکورہ کے لئے استعمال کرنا ہے تو کرایہ پر لے لیا جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۹۹ھ۔

مسجد کے پیچھے مدرسہ بنانا

سوال[۷۱۳۵]: دینی مدرسہ بنانا کیسا ہے، جب کہ جگہ مسجد کے پیچھے ہے؟ اس میں مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس بستی میں دینی مدرسہ بنانا بہت ضروری ہے، مسجد کے پیچھے، کسی کی اجازت سے مدرسہ بنانا بالکل جائز ہے، اس سے نہ نماز میں خرابی آتی ہے نہ مدرسہ میں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۰/۹۸ھ۔

---

(۱) "وبه صرح في الإسعاف، وقال: لو كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه صار مسجداً. اهـ" قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾" (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، ۳۵۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها، بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدة من بيوت المصر، فإن ثمة لا يكون للقيم أن يبني فيها بيوتاً يؤاجرها، كذا في فتاوى قاضي خان" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۱۷، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "من جاء مسجدي هذا لم يأته إلا لخير يتعلمه أو يعلمه، فهو بمنزلة المجاهد في سبيل الله، ومن جاء لغير ذلك فهو بمنزلة الرجل ينظر إلى متاع غيره"

صحنِ مسجد کو مدرسہ کے لئے لینا

سوال [۶۰۳۲]: ایک اراضی بہت مدت سے پڑی ہوئی ہے، مدرسہ عربی بنانے کے لئے منتظم مدرسہ نے حاصل کی تھی۔ منتظم مدرسہ نے مدرسہ نہیں بنایا، بلکہ اراضی کو کرایہ پر دیدیا ہے۔ صحن، صدر دروازہ جامع مسجد پر قبضہ کر کے مدرسہ تعمیر کیا۔ یہ تصرف اور نماز جنازہ بھی وہاں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صحن مسجد کے لئے وقف ہے تو اس پر قبضہ کر کے وہاں مدرسہ تعمیر کرنا اور اس کو ملک مدرسہ قرار دینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ غصب اور ظلم ہے(۱)۔ ہاں! اگر مدرسہ کے لئے ضرورت ہو، و مسجد کی مصالح اجازت

— وفي حاشية ابن ماجة تحت هذا الحديث: "قوله: "من جاء مسجدي هذا، الخ". هذا بيان الواقع، لا أنه مخصوص بالمسجد النبوي كما في حديث مسلم: "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة" الحديث. (إنجاح الحاجة حاشية ابن ماجة، المقدمة، في فضل العلماء والحث على طلب العلم، (رقم الحاشية: ٤)، ص: ٢٠، قديمي)

(وكذا في مشكوة المصابيح، كتاب العلم، ص: ٣٢، قديمي)

"على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة ... وجب العمل بما أراده، ولا يجوز صرف اللفظ عن مدلوله العرفي؛ لأنه صار حقيقة عرفية في هذا المعنى". (رد المحتار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجارته، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة والعرف يصلح مخصصاً: ٤/٤٤٥، سعيد)

"شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به". (الدر المختار، كتاب الوقف: ٤/٤٣٣، ٤٣٤، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف، الفن الثاني، الفوائد: ٢/١٠٦، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "وعلم أن المغصوب مضمون بالإتلاف مع أنه ليس بمملوك أصلاً، صرح به في البدائع" (الدر المختار، كتاب الغصب: ٦/١٧٩، سعيد)

"قلت: ومقتضاه أنه إذا أمكنه رد البناء كما كان، وجب، ولم يفصل فيه بين المسجد وغيره من الوقف". (رد المحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما لو هدم حائط: ٦/١٩١، سعيد)

دیں، تو اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لیا جا سکتا ہے، تا کہ اس کا کرایہ مدرسہ مسجد کو دیتا رہے۔ تعمیر مدرسہ کی رہے اور زمین مسجد کی رہے (۱)۔

اگر وہ کمرہ مسجد کے لئے وقف نہیں ہے تو اہلِ محلہ کو اعتراض کا حق نہیں، ہاں! جو شخص اس کا مالک ہو اس کو اعتراض کا حق ہے (۲) اور اہلِ مدرسہ اس سے معاملہ بیع یا وقف کا کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۰ھ۔

- وقال العلامة الرافعي تحت قوله: "(قوله: ومقتضاه أنه إذا أمكنه رد البناء كما كان وجب، اهـ) ومقتضاه أيضاً أنه يطالب أولاً برد البناء، وإن لم يمكن فالضمان". (تقريرات الرافعي على رد المحتار، كتاب الغصب: ۶/۲۹۵، سعيد)

"ومدرسة السليمانية في دمشق مبنية في أرض المرجة التي وقفها السلطان نور الدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق، والوقف يثبت بالشهرة. فتلك المدرسة خولف في بنائها شرط واقف الأرض الذي هو كنص الشارع". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة: ۱/۳۸۱، سعيد)

(۱) "(قوله: لزوم أجر المثل) بناء على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۵، سعيد)

"ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتاً فيؤاجرها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۳۶۴، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "(قوله: ويجب رد عين المغصوب) لقوله عليه الصلاة والسلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" ولقوله عليه الصلاة والسلام: "لا يحل لأحدكم أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن أخذه فليرده عليه". زيلعي. وظاهره أن رد العين هو الواجب الأصلي". (رد المحتار، كتاب الغصب، في رد المغصوب: ۶/۱۸۲، سعيد)

"وأما حكمه فالإثم والمغرم عند العلم، وإن كان بدون العلم بأن ظن أن المأخوذ ماله أو اشترى عيناً ثم ظهر استحقاقه فالمغرم، ويجب على الغاصب رد عينه على المالك". (الفتاوى العالمكيرية، =

مسجد کی جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کرنا

سوال[۷۰۱۳]: ایک شخص نے اپنی زمین کے کچھ حصہ پر مسجد کی نیت کی اور موجودہ تنگی کی صورت میں احاطہ کر کے نماز پڑھنی شروع کردی، مگر اس کا دروازہ اپنی ہی طرف رکھا، ابھی کوئی باقاعدہ مسجد نہیں بنائی گئی، اب اس جگہ کو مدرسہ کے لئے استعمال کریں اور دوسری جگہ مسجد بنائیں تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر کردہ صورت میں جب کہ وہاں نماز کی اجازت دے کر اذان وجماعت ہونے لگی ہو اور آپ چاہتے تھے کہ بعد تعمیر کاوقت کے ہو تو یہ مسجد شرعی ہوگئی، اس جگہ اب مدرسہ بنانا اور اس جگہ کو دوسری غرض سے تبدیل کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۹۵ھ۔

– كتاب الغصب، الباب الأول: ۵/۱۱۹، رشیدیہ)

"ويجب رد الزيادة المستعملة كما يجب رد الأصل لوجود سبب وجوب الرد فيها" (بدائع الصنائع) "اتفق الفقهاء جميعاً على وجوب رد المغصوب إلى مالكه" (التعليق على بدائع الصنائع: كتاب الغصب: ۹/۲۲۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"فإن شرط الوقف التأبيد، والأرض إذا كانت ملكاً لغيره، فللمالك استرداده". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه العلامة قاسم في وقف البناء: ۴/۳۹۰، سعيد)

(۱) "لا يجوز نقض المسجد، ولا بيعه، ولا بيع ساحته، ولا جعلها سقاية، ولا حوانيت إلا عند تعذر الانتفاع به" (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثامن: ۱۰/۷۶۸۰، رشیدیہ)

"ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى، حاوي القدسي" (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به: ۲/۴۵۶، رشیدیہ)

تنخواہ لے کر مسجد میں تعلیم دینا

سوال [۸۰۶۱]: مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وعظ میں دیکھا کہ اہلِ پیشہ کو مسجد میں پیشہ کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ جو شخص قرآن شریف کو تنخواہ لے کر پڑھاتا ہو اس کو بھی تعلیمِ قرآن مسجد میں جائز نہیں۔ اس مسئلہ سے یہ سمجھا کہ تعلیمِ دین کی تنخواہ یا کسب پر دینا مسجد میں ناجائز ہے، مگر اب سوال یہ ہے کہ سہارنپور اور دیوبند کے مدرسے میں مدرسین کو دیکھا کہ وہ تعلیم اکثر مسجد میں دیتے ہیں اور تنخواہ بھی لیتے ہیں۔ تو کیا اس میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے جواز کی گنجائش ہو، یا کیا ضرورت ہے؟ اگر میں بچوں کو قرآن شریف پڑھاتا ہوں جو جگہ نہ ہونے کے مسجد میں پڑھاتا ہوں تو یہ تعلیم دینا مسجد میں صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر مجبوری ہو اور کوئی جگہ بیٹھنے کی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مصالحِ مسجد کے لئے مثلاً حفاظتِ مسجد کے لئے، دوسری جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے اس کی گنجائش ہے (۱)۔ اور محض پیشہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا اور تعلیم دینا ناجائز ہے اور احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۲)۔ سہارنپور یا دیوبند میں اگر آپ نے دیکھا ہے تو ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص کو ایسا کام کرتے

---

(۱) "ما قلناه كبرئ للتدريس فيه؛ لأنه ما بني له وإن جاز فيه ... ويجوز الدرس في المسجد وإن كان فيه استعمال اللبود والبواري المسبلة لأجل المسجد" (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

"فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيدية)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر للحموي: ۳/۲۲۲، إدارة القرآن كراتشي)

(۲) "وتكره الصناعة فيه من خياطة وكتابة بأجر وتعليم صبيان بأجر لا بغيره." (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۲۲۳، إدارة القرآن كراتشي)

"ولو جوزنا ذلك لصلحت الحاجة إلى تسبيله، فتقبر فيه الموتى في سنة، ثم تقبر في سنة أخرى، ويزرع مرة أخرى فيه حق المالك، ويصلي الناس في المسجد في وقت، ويتخذ إصطبلاً في وقت."

ہوئے مسجد میں دیکھا ہو کہ وہ اس کے لئے ملازم نہیں، وہ اس کا معاوضہ نہیں لیتا، مثلاً کوئی ملازم ہے دفتر کے لئے اور سبق مسجد میں پڑھاتا ہے، یہ کوئی اور بات ہے۔ اور اس زمانہ میں کسی کا عمل حجت بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ ربیع الثانی/ ۵۹ھ۔

مسجد میں غیر شرعی لباس کے ساتھ دینی مخلوط تعلیم

سوال [۷۱۳۱]: مسجد میں قائم مدرسہ میں ۱۲، ۱۳/ برس کی لڑکیوں کا داخلہ ہے، ایسی صورت میں جب کہ حجت مدرسہ کے لئے لڑکیوں کو کوئی الگ انتظام نہیں ہے، بلکہ اسی مدرسہ کے عام پاخانہ و پیشاب خانہ میں وہ بھی ہوتی ہیں، یا ہر آدمی گزر رہا ہے، جب وہ نکلتی ہے تو مرد ہوتا ہے اور عام آدمی بھی۔ دیگر یہ کہ اس مسجد کے مدرسہ میں ایک ماسٹر ہیں جو بچوں کو انگریزی تعلیم وغیرہ دینے کے لئے آتے ہیں اور کوٹ پتلون یعنی مغربی لباس میں ہوتے ہیں۔ کیا شرعی حیثیت کا ایسے لباس میں آکر مسجد کے ایک دینی ادارہ میں درس دینا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں ان لڑکیوں کا ایسے ادارہ میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں جہاں عورتوں کے ساتھ مردوں کا اختلاط ہو، اس لئے کہ اس میں وقوعِ فتنہ کا قوی اندیشہ ہے (۱)۔ نیز مسجد کے اندر علومِ دنیویہ کا مع

= نحو محکم الجنایۃ، و ذلک ممتنع". (المبسوط للسرخسی، کتاب الوقف: ۳۴/۱۲، حبیبیہ)

"وإن كان يحفظ في المسجد يكره، وإلا إذا جلس لدفع الصبيان و صيانة المسجد، فحينئذٍ لا بأس به. وكذا المكتب إذا كان يكتب بأجر يكره، وبغير أجر لا. وفي إقرار العيون جعل مسئلة المعلم كمسئلة الكاتب والخياط، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن: ۱۱۰/۱، رشیدیہ)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل في المسجد: ۱/۳۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) ﴿ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى﴾ قال مجاهد: كانت المرأة تخرج تمشي بين يدي الرجال". =

دیگر علوم مثلاً انگریزی وغیرہ کی تعلیم درست نہیں، کما صرح به فی شرح الحموی:

"لأن المسجد ما بني إلا للصلوة أو الاعتكاف، وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة القرآن الخ" ص: ۶۶۰(۱)۔

نیز شرارت بچوں سے ممکن، کہ مسجد میں آکر تعلیم دینے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۴/۱۳۸۸ھ۔

مسجد میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دینا

سوال[۱۲۰۱۶]: ۱... ہمارے یہاں ایک مسجد میں میرے ماموں امام ہیں، امامت کی نسبت مسجد کی جانب سے تنخواہ ملتی ہے، اس کے علاوہ وہ چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کو بلا تنخواہ لے کر مسجد میں جہاں کہ عبادت ہوتی ہے عربی تعلیم دیتے ہیں اور مسجد کی ایک الماری ہے جس میں مسجد کی وقف شدہ کتابیں اور قرآن شریف، پارے اور دیگر ضروری اسباب رہتا ہے، اس الماری میں مدرس صاحب ان بچوں کی پرائیویٹ کتابیں رکھواتے ہیں، مگر ہمارے یہاں پر چند عالم اس کے متعلق کہتے ہیں کہ معاوضہ لے کر عبادت گاہ میں تعلیم دینا ناجائز ہے، چونکہ نابالغ بچوں اور بچیوں میں آداب مسجد اور پاکی ناپاکی کا خیال نہیں ہوتا۔

۲... اور مسجد کی مخصوص الماری میں عام بچوں کی کتابیں رکھوانا بھی ناجائز ہے، چونکہ الماری کو قفل نہیں ہوتا، امام صاحب کو تعلیم دینی ہی ہے تو وہ مسجد کے باہر والے کمرے میں یا مسجد کے صحن میں تعلیم دے سکتے ہیں اور دیگر کمرے میں یا دیگر الماری میں کتابیں رکھوا سکتے ہیں، مسجد کی الماری میں نہیں۔ اور چند عالم یہ کہتے ہیں

= فذلك تبرج الجاهلية" (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب: ۳/۶۲۴، مكتبه دار السلام رياض)

"فاتخذ أهل السهل عيدا يجتمعون إليه في السنة، فتبرج النساء للرجال والرجال لهن، وإن رجلا من أهل الجبل هجم عليهم في عيدهم فرأى النساء وصباحتهن، فأتى أصحابه فأخبرهم بذلك فتحولوا إليهن، فنزلوا معهن، فظهرت الفاحشة فيهن". (روح المعاني، سورة الأحزاب: ۲۲/۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي: ۳/۲۶۰، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيدية)

کر وہ بچوں سے تنخواہ لیکر مسجد میں تعلیم بھی دے سکتے ہیں اور مسجد کی مخصوص الماری میں کتابیں بھی رکھوا سکتے ہیں اور یہ دونوں امر جائز ہیں۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مسجد میں مستقلاً تنخواہ لے کر تعلیم دینا مکروہ ہے، خاص کر اس حالت میں جب کہ مسجد کے قریب کمرہ بھی ہے جس میں تعلیم دی جاسکتی ہے (۱)۔ چھوٹے بچے جو پاکی ناپاکی کی تمیز نہیں رکھتے بلکہ ان سے اندیشہ ہو کہ مسجد کو ناپاک کر دیں گے، ایسے بچوں کو مسجد میں لانا منع ہے (۲)۔ صحن مسجد جہاں نماز وجماعت ہوتی ہے وہ بھی مسجد ہی ہے، اگر فرش مسجد کے علاوہ کوئی خالی جگہ ہو جہاں نماز وجماعت نہیں ہوتی، وہاں بھی تعلیم دینا درست ہے۔

۲..... مسجد کی الماری کو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ تعلیم مسجد میں ہوتی ہے جب تعلیم مسجد میں نہیں

---

(۱) "إذا كان يخيط في المسجد، يكره، إلا إذا جلس لدفع الصبيان، وصيانة المسجد، فحينئذ لا بأس به، وكذا الكاتب إذا كان يكتب بأجر، يكره، وبغير أجر لا.............. وفي إقرار العيون جعل مسئلة المعلم كمسئلة الكاتب والخياط، كذا في الخلاصة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثامن: ۱/۱۱۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلوة، فصل باب المسجد: ۱/۳۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، الفصل السادس والعشرون في المسجد وما يتصل به: ۱/۲۲۹، ۲۳۰، امجد اكيدمي لاهور)

(۲) "لو علم الصبيان القرآن في المسجد، لا يجوز ويأثم . . . وأما الصبيان فقد قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم "جنّبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشرائكم، وبيعكم وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم، وسلّ سيوفكم، واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمّروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۲۸، سعيد)

"ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

ہوگی تو اس کی الماری کے استعمال کا سوال خود بخود ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۵/۸۵ھ۔

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال [۷۱۰۱]: کیا مسجد اور مسجد کی چھت کو مدرسے کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں، جس میں مقامی چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں دینیات، یسرنا القرآن اور ناظرہ قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، آیا یہ طریقۂ تعلیم فی المسجد درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا احترام لازم ہے، اکثر بچے اور بچیاں صغیر السن ہوں کہ ناپاکی کی تمیز نہ رکھتے ہوں، یا شور شغب کرتے ہوں، یا استاذ مار پیٹ کر کے احترامِ مسجد کو ختم کر دیتے ہوں تو ایسی حالت میں ان کو وہاں تعلیم دینے کی اجازت نہیں، سوال سے یہی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ الأشباہ والنظائر اور اس کی شرح حموی میں "أحکام المسجد" کے عنوان سے ایسے مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے (۱)۔ مسجد کی چھت پر چڑھنے کو مکروہ لکھا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، ۲۹/۷/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "ولا یجوز تعلیم الصبیان القرآن في المسجد، للمروي: "جنبوا مساجدکم صبیانکم، ومجانینکم". (شرح الأشباہ والنظائر للحموي، في أحکام المسجد: ۳/۱۹۱، إدارۃ القرآن کراچي)

(والحدیث رواہ ابن ماجۃ، ص: ۵۵، مکتبہ میر محمد)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد: ۵/۴۱۹، رشیدیہ)

"ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم، وإلا فیکرہ". (رد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب في أحکام المسجد: ۱/۶۵۶، سعید)

(۲) "الصعود علی سطح مسجد مکروہ". (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الکراهیۃ، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشیدیہ)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب في أحکام المسجد: ۱/۶۵۶، سعید)

مسجد کے ایک حصہ میں بچوں کی تعلیم

سوال[۶۴۲۲]: ایک مسجد ہے جس کے تحتانی حصہ میں نماز ہوتی ہے اور فوقانی حصہ میں بچے پڑھتے ہیں، مگر مسجد بنتے وقت اس کا کوئی خیال نہیں تھا کہ اس میں بچے پڑھیں گے، بلکہ اس کا شمار مسجد ہی میں تھا۔ اب کیا اس صورت میں جماعت فوقانی حصہ میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس حصہ میں بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مسجد جس طرح ہے اس کے نیچے کا حصہ مسجد ہے اسی طرح اوپر کا حصہ بھی مسجد ہے(۱)، جماعت وہاں پر بھی کی جائے، بچوں کی تعلیم کے لئے کسی دوسری جگہ کا انتظام کیا جائے۔ اگر کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو مجبوراً بچوں کو دینی تعلیم مسجد میں دینا درست ہے(۲)، مگر ایسے چھوٹے بچے نہ ہوں جن کو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ ہو، مثلاً گندے پیر مسجد میں رکھیں، پیشاب کردیں، اور یہ بھی ضروری ہے کہ احترامِ مسجد کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے، مثلاً بچوں کو سخت الفاظ وغیرہ کہنا، زور سے آواز سے مارنا ممنوع ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "(قوله: الوطء فوقه والبول والتخلي) أي الوطء فوق المسجد، وكذا البول والتغوط؛ لأن سطح المسجد له حكم المسجد، حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة: ۱/۴۲۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۶۵۶، سعيد)

(۲) "فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه، وقراءة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۶۰، رشيدية)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام المسجد: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

نیچے مدرسہ اوپر مسجد

سوال[۷۱۴۲]: ایک مسجد ہے جو اوپری منزل پر واقع ہے اور اس کے نیچے مدرسہ کی عمارت ہے۔ مسجد کی سیڑھی تعمیر کے سلسلہ میں توڑ دی گئی تو سیڑھی ٹوٹنے کی حالت میں مسجد کے اوپر چڑھنا دشوار ہے، البتہ لکڑی کی سیڑھی لگا کر تو آسانی چڑھا جا سکتا ہے، لیکن ضعیف قسم کے لوگ نہیں چڑھ سکتے۔ تو کسی صورت کے اندر مسجد کو خالی چھوڑ کر نیچے کی عمارت میں جو کہ مدرسہ ہے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ضعیف لوگوں کے اس عذر کی بناء پر نیچے مدرسہ میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعی مسجد کی شان یہ ہوتی ہے کہ نیچے کی منزل اور اوپر کی منزل مسجد رہے، یہ صورت کہ نیچے کی منزل مدرسہ قرار دیا جائے اور اوپر کی منزل مسجد رہے اور لکڑی کی سیڑھی لگا کر اوپر جا کر نماز ادا کی جائے شرعاً درست نہیں، شامی (۱) اور بحر میں یہ مسئلہ صاف صاف موجود ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۱۴۰۱ھ۔

= "ولا يجوز تعليم الصبيان القرآن في المسجد للمروق: "جنبوا مجانينكم وصبيانكم مساجدكم". (شرح الأشباه والنظائر للحموي، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۵۴، (رقم القاعدة:

۴)، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(لا) يكره ما ذكر (فوق بيت) جعل (فيه مسجد) بل ولا فيه؛ لأنه ليس بمسجد شرعاً". (الدر المختار). "(قوله: ويكره ما ذكر): أي من الوطء والبول والتغوط، نهر. (قوله: فوق بيت) أي فوق مسجد البيت: أي موضع أعد للصلاة في البيت ... فهو كما لو بال على سطح بيت فيه مصحف وذلك لا يكره، كما في حاشية البرهاني، معراج". (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۷، سعيد)

(۲) "(ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه، فله أن يبيعه، وإن مات يورث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقاً به". (الهداية)

قال ابن الهمام رحمه الله تعالى: "قال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ مع العلم بأن كل شيء له، فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به، وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه، وهو منتف فيما ذكر

مسجد کی جگہ پر نیچے مدرسہ اوپر مسجد

سوال [۱۰۳۲۱]: ایک جگہ مسجد کے لئے زمیندار کاشتکار سے حاصل کر کے مسجد کی تعمیر کے لئے ٹاؤن ایریا کمیٹی زید پور سے منظوری لے کر بنیاد وسیع پیش لحاق ڈالی گئی اور مسجد کی بنیادیں قد آدم سے زیادہ اونچی ہوگئی اور اس میں مٹی کی بھرائی و پٹائی بھی ہوگئی۔ اس کے بعد چند لوگوں نے یہ تجویز کیا کہ قریب پانچ فٹ اندر سے مٹی نکال کر اور دیواروں کو قریب پانچ فٹ اونچی کر کے نیچے عمارت میں ابتدائی دینی تعلیم بچوں کو دی جائے اور بالائی حصے پر مسجد بن جائے۔ قریب پانچ فٹ پٹائی کی مٹی مسجد کے اندر سے محمد اکبر نے نکلوا کر اور مسجد کی دیواریں کٹوا کر دروازہ لگوا دیا۔

اس کے علاوہ مسجد کے چندہ کی دس ہزار اینٹ مبلغ تین سو روپے نقد اور قریب ایک ٹرک مورنگ (۱) جو مسجد کی تعمیر کے لئے رکھا ہوا تھا، اس کو بھی اس میں لگا کر نیچے کی عمارت تیار کر لی اور بچوں کو تعلیم دیتے گئے۔ اور مسجد اب تک بالائی حصہ پر مکمل نہیں ہوئی۔ پھر مزید مسجد کا چندہ لگا کر بالائی حصہ پر تھوڑی بنیاد وسیع پیش لحاق مسجد کی بڑی ہے، اور مسجد پر چڑھنے کے لئے زینہ بھی نہیں ہے اور مسجد کے صحن میں باورچی خانہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مسجد کی عمارت کو مدرسہ جامعہ نور العلوم قرار دے کر محمد اکبر گورنمنٹ سے الحاق کر کے مدرسہ جامع نور العلوم کے نام منظوری لے رہے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ عمارت مسجد کی ہے یا مدرسہ کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ جگہ زمیندار کاشتکار سے مسجد کے واسطے لی گئی اور ٹاؤن ایریا کمیٹی سے مسجد کی تعمیر کی

● "وأما إذا كان العلو مسجداً، فلأن أرض العلو ملك لصاحب السفل". (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۲۳۳/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۳۵۷/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(۱) "مورنگ" (Mooring): جہاز کا لنگر، زنجیریں اور رسے جن سے جہاز کو ایک جگہ روک دیا جاتا ہے" (English to English & Urdu Dictionary, Page No. 546, Feroz Sons Lahore)

منظوری لے کر اس جگہ مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو اس جگہ مدرسہ کی تعمیر جائز نہیں (۱)۔ مسجد کے چندہ کی اینٹ وغیرہ مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں (۲)۔

"مسجد" اوپر نیچے سب مسجد ہی ہوتی ہے، یہ درست نہیں کہ چھت کے اوپر تو مسجد ہو اور نیچے مدرسہ ہو (۳)، وہاں مسجد ہی بنائی جائے۔ اب یہ ہوسکتا ہے کہ مسجد دو منزلہ بنادی جائے اگر اس کی ضرورت نہ ہو، وسعت نہ ہو تو صرف موجودہ جگہ ہی کو مسجد بنادیا جائے اور وہاں اذان وجماعت شروع کردی جائے۔ مدرسہ کے لئے کسی اور جگہ کا انتظام کیا جائے۔ اس جگہ سے باورچی خانہ، حجرہ، کرسی اور تعلیم کا سب نظم ختم کردیا جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۹۵ھ۔

---

(۱) "أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء، منع". (الدر المختار). "(قوله: أما لو تمت المسجدية) ... وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلك يبني: لا يترك. هـ. وبه علم أن قوله: (أما لو تمت المسجدية) أي: أراد عدم ذلك البناء، فإنه لا يمكن من ذلك". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيدية)

(۲) "والواقف لو عين إنساناً للصرف، تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره كان ضامناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۸۱، رشيدية)

(۳) "وكره تحريماً الوطء فوقه ... لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۶۵۶، سعيد)

"وفي الجامع الصغير: رجل جعل داره مسجداً وتحته سرداب أو فوقه بيت، وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه، فإنه لا يصير مسجداً حتى لو مات يورث عنه وله أن يبيعه حال حياته". (التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۳۳، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۵، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف، فصل: ۲/۶۴۳، مكتبه شركت علميه ملتان)

مسجد میں تعلیم کی حدود

سوال[۵۱۲۵]: ایک صاحب جو دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں حفظ کا مدرسہ مع دار الاقامہ چلا رہے ہیں، مدرسہ اور دار الاقامہ کے لئے ایک مکان مسجد کے اوپر (کچھ حصہ میں) گاؤں والوں کی طرف سے دیا گیا ہے، لیکن طلبہ کی تعداد کثیر ہونے کی وجہ سے وہ ناکافی ہے۔ چونکہ مدرسہ میں داخلہ کی کوئی حد مقرر نہیں، بایں وجہ مجبوراً مدرسہ کی عمارت سے زائد مسجد کا استعمال ہو رہا ہے، طلبہ کی تعلیم بھی مسجد میں ہو رہی ہے، اٹھنے بیٹھنے سونے کے لئے مسجد استعمال ہو رہی ہے، کپڑے، سامان، مرچ وغیرہ مسجد میں سکھاتے ہیں، طلباء رات میں سوکر پیشاب سے ناپاک کر دیتے ہیں۔

مولانا (ناظم مدرسہ) اس طرف توجہ نہیں دیتے، توجہ دلانے پر سب کو جاہل قرار دیتے ہیں۔ مسجد کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرنا کیسا ہے، جب کہ مصلیوں کو عبادت میں تکلیف ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قرآن کریم اور دینی تعلیم کے لئے کوئی جگہ نہیں تو مسجد میں تعلیم کی گنجائش ہے، لیکن مسجد کا احترام لازم ہے (۱)، نہ وہاں شور وشغب کیا جائے، نہ وہاں کوئی کام خلافِ احترام مسجد کیا جائے (۲)۔ نماز کے اوقات

---

(۱) "فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۱۰، رشيديه)

(وكذا في الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۳۰، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم، واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع". (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۴، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۱، رشيديه)

متعین ہیں، وہ اوقات تعلیم کے لئے نہیں، جس وقت ابتداءً مسجد میں لوگ نماز پڑھتے ہوں، تعلیم کی ایسی صورت اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے نماز میں خلل آئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) "أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى جماعةً في المساجد وغيرها من غير نكير، إلا أن يشوش جهرهم بالذكر على نائم أو مصلٍ أو قارئ كما هو مقرر في كتب الفقه". (الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۲/ ۲۰۰، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۲/ ۴۳۲، رشيدية)

الفصل الحادی عشر فی إجارة متاع المسجد

(مسجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان)

مسجد کی وقف زمین کو کرایہ پر دینا

سوال [۷۰۰۱]: موقوفہ جگہ کرایہ پر دینا کسی کام کے لئے جیسے مکان یا زراعت کرنے کے لئے جائز ہے یا نہیں اور مالک دینے کا کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرایہ پر دینا اور اس میں زراعت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ واقف کی غرض کے خلاف نہ ہو(۱) اور کرایہ پر دینے کا حق واقف کو یا متولی کو ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند۔

مسجد کی کرسی اونچی کر کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا

سوال [۷۰۰۲]: غیر مسلموں کے محلہ میں ایک مسجد ہے، مسلمانوں کے اب چار پانچ مکانات ہیں جو

---

(۱) "متولي الوقف إذا أجر داراً موقوفة على الفقراء والمساكين أكثر من سنة ... وهو المختار للفتوى، وكذلك المزارعة والمعاملة، كذا في المحيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف، الخ: ۲/۴۱۹، رشيديه)

"وإذا دفع أرض الوقف مزارعة يجوز إذا لم يكن فيه محاباة قدر ما لا يتغابن الناس فيها".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "وإنما يملك الأجرة المتولي أو القاضي". (فتح القدير، كتاب الوقف: ۶/۲۲۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۰، رشيديه)

کہ مسجد کے صرف نمازی کی تلاوت نہیں کرسکتے، اس مسجد کی حالت شکستہ ہے، گرنے کے قریب ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کو از سر نو بنایا جائے۔ مسجد کی کرسی بہت اونچی ہے، اس کا فرش تقریباً ۳/ فٹ اور اونچا کرکے نیچے دکانیں نکلوا کر اس پر از سر نو مسجد کی تعمیر کرائی جائے تا کہ اخراجات مسجد کی تولیت مسجد ہی کرسکے۔

نوٹ: مسجد کا سب سب مسجد ہی میں لگا دیا جائے گا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد کے گرجانے کا اندیشہ ہو تو از سر نو تعمیر کرلی جائے (۱)، جو جگہ نماز کے لئے متعین ہے وہ شرعی مسجد ہے، اب کرسی کو نیچا کرکے اس کے نیچے دکانیں بنا کر کرایہ پر دینا درست نہیں (۲)، احترام مسجد کے خلاف ہے، کرایہ دار دکانوں میں اپنے کام کرے گا جن کی مسجد میں اجازت نہیں (۳) اور مسجد کو کرایہ پر دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "ومتولیه إذا لم یکن الباني من أهل تلک المحلة، وأما أهل تلک المحلة فلهم أن یهدموه ویجددوا بناء ه". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد الخ: ۲/۴۵۷، رشیدیه)

(وکذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الرابع في المسجد الخ: ۶/۲۶۸، رشیدیه)

(وکذا في فتح القدیر، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۶/۲۳۷، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد: ۴/۳۵۷، سعید)

(۲) "ولو أن قیم المسجد أراد أن یبني حوانیت في حریم المسجد وفنائه، قال الفقیه أبو اللیث: لا یجوز له أن یجعل شیئاً من المسجد مسکناً ومستغلاً". (فتاوی قاضي خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً أو خاناً الخ: ۳/۲۹۳، رشیدیه)

(وکذا في التاتارخانیة، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۸۴۳، إدارة القرآن کراچي)

(۳) "وحاصله أن شرط کونه مسجداً أن یکون سفله وعلوه مسجداً، لینقطع حق العبد عنه، لقوله تعالیٰ: ﴿وأن المساجد لله﴾ (سورة الجن: ۱۸)". (البحر الرائق، کتاب الوقف، أحکام المسجد: ۵/۴۲۱، رشیدیه) =

قدیم مسجد کو منہدم کرکے اس کی جگہ دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا

سوال[۸۰۱۷]: ہمارے محلہ میں ایک قدیم مسجد منہدم کردی گئی اور دوسری مسجد اس کے پاس ہی بنائی گئی جو عرصہ بیس سال سے آباد ہے اور پہلی جگہ ویران غیر آباد ہے تو اس قدیم مسجد کو دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا اور اس کو جدید مسجد کے کام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب وہاں مسلمان موجود ہیں تو اس کو بھی آباد کریں، یہ طریقہ جائز نہیں تھا کہ اس کو منہدم کردیں تب دوسری جگہ مسجد بنائیں، ایسا کرنے والے گنہگار ہوئے۔ اب پرانی مسجد کی جگہ دوکانیں نہ بنائیں(۱)، بلکہ وہاں بھی اذان وجماعت شروع کردیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۸۹ھ۔

مسجد پر بورڈ لگا کر کرایہ وصول کرنا

سوال[۸۰۱۸]: ۱... اس سوال کے ہمراہ مسجد کا فوٹو مرسل ہے، یہ مسجد عام شاہراہ پر ہے، اس مسجد کے اوپر دو بورڈ بغرض اشتہار ریڈیو لگائے گئے ہیں، جس سے مسجد کی کچھ آمدنی میں اضافہ ہوجاتا ہے، حالانکہ مسجد کا متولی ہے اور مسجد ایک کاروباری علاقہ میں واقع ہے، مسلم تاجران کافی رقم دینے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

۲... مسجد کی کھلی چھت پر اس قسم کا پہلا اشتہار ہے، آئندہ متولی نہ معلوم کس کس قسم کا بورڈ آویزاں کرا کر مسجد کی بے حرمتی کریں گے، کل کو لکھا جائے گا "گنیش اسٹور لکشمی کمپنی"۔ کیا اس لادینی حکومت میں اس اشتہار بازی کو متولی روک سکتا ہے؟ ضرورت ہے کہ اس کا فوری سدباب کیا جائے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ

• (وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۲۳۲/۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "ولو خرب ما حوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلى قيام الساعة، وبه يفتي، حاوي القدسي". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۳۵۸/۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۱/۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۴۵۸/۲، رشيديه)

مسجد پر اشتہار بازی جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دوکانیں تو بنائی جاسکتی ہیں (۱)، لیکن خود مسجد کو کرایہ پر چلانا اور اس سے روپیہ کمانا جائز نہیں (۲)۔ جو کچھ وجوہ اعتراض وہاں کے مسلمانوں نے پیش کی ہیں وہ بھی اہم ہیں ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس لئے مسجد کے منتظم صاحب کو چاہئے کہ وہ ہرگز ایسا معاملہ نہ کریں۔ اگر بورڈ بغرض اشتہار لگا دیا گیا ہے تو اس کو اتار کر معاملہ ختم کردیں، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وہاں کے اہل ہمت آمادہ اور خواستگار ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی حصۂ مسجد کو ذریعۂ آمدنی بنانا

سوال [۱۰۱۵۷]: جو لوگ مسجد کے اوپر نماز پڑھتے ہیں اور نیچے کرایہ کی دوکانیں ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد بالائی منزل کو قرار دے دیا اور تحتانی حصہ میں دکانیں بنالیا کہ اوپر نماز ہوتی رہے، نیچے خرید وفروخت

---

(۱) "بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتمیم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب".

(البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۷، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ولا مسكناً". (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

بازاری کام ہوتا رہے، جو احترامِ مسجد کے خلاف ہے (۱)، اوپر نیچے سب جگہ مسجد ہی ہونا چاہئے، کسی حصۂ مسجد کو آمدنی کا ذریعہ بنانا درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۳ھ۔

صحنِ مسجد سے درخت کاٹ کر برآمدہ پر اسے کرایہ بنانا

سوال [۱۵۱۰۱]: مسجد کی پورب کی جانب درخت لگے تھے، انہیں صاف کرکے صحنِ مسجد میں شامل کردیا گیا۔ اس پر میری اور میرے بھائی کی رائے ہے کہ برآمدہ مسجد کے اندر بنا کر اوپر ایک کمرہ بنایا جائے، دوکان مسجد پر یا جانب اور صدر دروازے کے آگے حال میں بنوائی جائے، اور ایک کرایہ دار نمازی بچے والا آباد کیا جائے۔ آبادی ہندوؤں کی ہے۔ نمازی آدمی رکھا جائے، تاکہ مسجد میں نماز وغیرہ پابندی سے ہوا کرے۔ اس کی بابت علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ درخت تھے، اگر وہ خارجِ مسجد تھی تو محض درختوں کو کٹوا کر چبوترہ مسجد کے برابر بنوا دینے سے وہ جگہ مسجد نہیں بنی (۳)۔ اگر اس پر چھت ڈلوا کر وہاں کوئی مکان اور بیت الخلاء وغیرہ اس طرح بنوا دیا جائے کہ

(۱) "وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: {وأن المساجد لله}". (الجن: ۱۸) (البحر الرائق، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۴۲۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۶/۲۳۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۸، سعيد)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد، الخ: ۶/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً أو حاماً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، أحكام المسجد: ۵/۸۴۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "وعندهما لا يصير مسجداً بمجرد البناء مالم يوجد القبض والتسليم". (التاتارخانية، كتاب =

سے مسجد کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ کیا شرعاً اس کا حق متولی کو حاصل ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نمازیوں کو وضو کی تنگی نہ ہو اور جو کام حوض سے لیا جاتا ہے وہ سہولت سے ٹونٹی سے حاصل ہو، نیز عمارت بنانے سے مسجد کی ہوا اور روشنی میں رکاوٹ نہ ہو تو مسجد کے مفاد کے پیش نظر وہاں کے سمجھدار آدمیوں کے مشورہ سے ایسا کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی زمین میں کرایہ دار کے لئے دوکان بنانا

سوال [۷۱۵۳]: ایک جگہ مسجد کی ہے اس میں کوئی دوسرا شخص دوکان بنالے اور مسجد کو سالانہ کچھ مقرر کر کے دینا چاہے، بعد وصولیٔ رقم دوکان مسجد کی ہو جائے گی، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی صورت اس طرح کرلی جائے کہ مسجد کی زمین اس شخص کو کرایہ پر دے دی جائے اور کرایہ پیشگی لے کر اس سے دوکان بنوادی جائے (۲)، جب دوکان مکمل ہو جائے تو وہ کرایہ دار کے حوالہ کردی جائے، اس

---

(۱) "قال السندي: لكن افتى الرملي بخلاف ما هنا في عدة أسئلة، ففي فتاواه: سئل في مدرسة احتاجت إلى نفقة لعمارة ماخرب منها، وليس هناك مايعمر به من الوقف: هل يجوز أن تؤجر قطعة منها بقدر ماينفق عليها أم لا؟ أجاب. مقتضى مافي الخلاصة جواز ذلك ...... وهذه المسألة دليل على أن المسجد المحتاج إلى النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه، اهـ". (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين، كتاب الوقف: ۴/۹۰، سعيد)

(۲) "تلزم الأجرة بالتعجيل، يعني لو سلم المستأجر الأجرة نقداً، ملكها الأجر، وليس للمستأجر استردادها". (شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، الباب الثالث، الفصل الثاني في =

معصیت ہے، اس سے پرہیز کیا جائے (۱)، اگر کسی قول پر گنجائش نکلتی بھی ہے تب بھی مسجد کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۷/۹۸ھ۔

سودی کاروبار کے لئے مسجد کی دوکان کرایہ پر لینا

سوال [۶۹۵۵]: مسجد کی ملکیت میں ایک مکان ہے جس کو ایک صاحب کرایہ پر لینا چاہتے ہیں، کرایہ معقول ملے گا، مگر ان کا کاروبار خالص سود کے لین دین کا ہے۔ ان کو کرایہ پر مکان دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحب سودی کاروبار کے لئے کہہ کر لیتے ہیں تو مسجد کا مکان ان کو کرایہ پر نہ دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۹۵ھ۔

مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لئے برتنوں کو کرایہ پر دینا

سوال [۶۹۵۶]: مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے اخراجات کو مکمل کرنے کے لئے مسجد کی آمدنی سے کچھ

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

﴿ولا تعاونوا على الإثم﴾ وهو الذنب والمعصية، وهي كل ما منعه الشرع، أو حاك في الصدر وكرهت أن يطلع عليه الناس". (التفسير المنير: ۵/۲۹، طبع بيروت)

(۲) "ولا بأس بأخذ أجر على حمل خمر الذمي خلافاً لهما. رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه ناراً وبيعة أو كنيسة أو يباع فيه الخمر، فلا بأس به. وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار". (خلاصة الفتاوى، كتاب الكراهية، الفصل التاسع في المتفرقات: ۴/۳۷۶، ۳۷۷، امجد اكيڈمي لاهور)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

"فيعم النهي كل ما هو من مقولة الظلم والمعاصي، ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام". (روح المعاني: ۶/۵۷، سورة المائدة، مبحث في ﴿وتعاونوا على البر والتقوى﴾، دار إحياء التراث العربي بيروت)

برتن خریدے جو شادی اور دوسری تقریب کے لئے کرایہ پر دیے جاتے ہیں اور اس کا جو کچھ کرایہ وصول ہوتا ہے اس سے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ تو کیا برتنوں کا اس طرح پر کرایہ وصول کرنا اور مدرسہ و مسجد کے متعلقات میں لانا شرعاً درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں (۱)، وہ کرایہ مذکورہ ضروریات میں صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۳/۸۹ھ۔

ناجائز عمل کے لئے کرایہ پر برتن دے کر مسجد پر خرچ کرنا

سوال[۵۵۰۲]: مسجد کے متولی نے دیگیں، شامیانے، بچھونے، لیمپ، رکابی وغیرہ کرایہ پر دینے کے لئے خرید رکھی ہیں اور وہ ان کو جائز و ناجائز تقریبات مثلاً قوالی، رنڈی وغیرہ کی تقریب میں لے جاتے ہیں، اس سے جو کرایہ وصول ہوتا ہے اس کو مسجد میں لگاتے ہیں؟ متولی کا کرایہ پر دینا اور کرایہ لینا کیسا ہے؟

---

(۱) "القیم إذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن یستغل ویباع عند الحاجة، جاز إن کان له ولایة الشراء، وإذا جاز له أن یبیعه، کذا في السراجیة. القاضي من وقف المسجد هل یصرف إلی العمارة؟ قیل: لا یصرف، وإنه صحیح، ولکن یشتری به مستغلاً للمسجد" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الفصل الثاني في الوقف علی المسجد وتصرف القیم وغیره في مال الوقف علیه: ۲/۴۶۲-۴۶۳، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون في المساجد: ۵/۸۴۳، قدیمی)

(۲) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم، ثم السراج والبساط، کذلک إلی آخر المصالح" (الدر المختار، کتاب الوقف: ۴/۳۶۷-۳۶۸، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۵۴، رشیدیه)

(وکذا في الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثالث في المصارف: ۲/۳۶۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز آمدنی سے جو کرایہ آئے وہ مسجد میں خرچ نہ کیا جائے (۱)، نیز ناجائز تقاریب میں یہ چیزیں کرایہ پر نہ دی جائیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۵/۳/۱۵ھ۔

مسجد کی اشیاء کو عاریت پر دینا

سوال [۷۰۵۸]: مسجد کی منکیاں، لوٹے، گلاس، پنکھے، سائبان مسلمانوں کو عاریۃً یا شادی یا غمی میں دے دیا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے (۳)، ان سب کو مسجد میں معطی کی شرائط کے موافق استعمال کرنا چاہیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۲/۵۲ھ۔

---

(۱) "قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب، فيكره؛ لأن الله تعالى لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله اهـ. شرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب: كلمة "لابأس" دليل على أن المستحب غيره، الخ: ۱/۶۵۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة: ۱/۲۷۸، دار المعرفة بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (سورة المائدة: ۲)

(۳) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في فتاوى قاضي خان..... أرض وقف على مسجد صارت بحال لاتزرع فجعلها رجل حوضاً للعامة، لايجوز للمسلمين انتفاع بماء ذلك الحوض، كذا في القنية". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم وغيره الخ: ۲/۴۶۲، ۴۶۳، رشيديه)

(۴) "فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

الفصل الثاني عشر في استعمال أشياء المسجد

(مسجد کی اشیاء کو استعمال کرنے کا بیان)

مسجد کی چیزوں کا ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۵۹]: مسجد کا سامان مسجد کے علاوہ تصرف کرسکتے ہیں یا نہیں، مسجد کا سامان ڈول، لوٹا، لالٹین، موم بتی وغیرہ؟ اسی طرح مسجد کی اینٹ قرض لیکر باہر استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مسجد کے صحن میں اگر خشک کرنے کی غرض سے کپڑا پھیلائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ جملہ امور ممنوع ہیں(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

مسجد کے لوٹے ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال[۷۱۶۰]: جتنے مسجد میں لوٹے رکھے ہیں نمازی اور بے نمازی ان کو تمام کاموں میں استعمال کرتے ہیں، ٹھیک ہے یا نہیں؟

---

(۱) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، مطلب: ۴۶۲/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۲۹۳/۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۲/۵، إدارة القرآن كراچي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے لوٹوں کو حمام کے حوضوں میں استعمال کرنا درست نہیں، صرف وضو، استنجاء، غسل میں استعمال کریں، پانی پئیں، یا کوئی معمولی کپڑا نماز کے لئے دھونے کی بھی گنجائش ہے، مسجد سے باہر اپنے مکان وغیرہ میں لے جانا اور استعمال کرنا منع ہے(۱)۔

مسجد کا مصلّٰی، لوٹا باہر لے جا کر استعمال کرنا

سوال [۱۰۲۰۱]: مسجد کا لوٹا، مصلّٰی وغیرہ مسجد کے باہر لے جا کر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد امین، [illegible]۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کا لوٹا مسجد کے باہر نہ لے جائیں جبکہ حافظ مسجد میں ضرورت پوری ہونے کا انتظام ہے، مسجد کا مصلّٰی بھی خارج مسجد استعمال نہ کریں، خاص کر بیٹھ کر ہتھیں کرنے کے لئے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۹۵ھ۔

مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے مخصوص کر لینا

سوال [۱۰۲۰۲]: مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی فائدہ کے لئے مخصوص کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے صحن یا اس کی چھت وغیرہ پر پودے وغیرہ لگانا، اس کا پھل استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے کسی حصہ کو اپنے ذاتی فائدہ کے لئے مخصوص کر لینا جائز نہیں ہے(۳)، حتی کہ نماز کیلئے بھی اپنی جگہ

---

(۱) سیأتی تخریجہ تحت المسئلۃ الآتیۃ آنفاً

(۲) "متولی المسجد لیس لہ أن یحمل سراج المسجد إلی بیتہ، ولہ أن یحملہ من البیت إلی المسجد" (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۴۶۲، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۲۰، رشیدیہ)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشیدیہ)

(۳) "ولا یتعین مکان مخصوص لأحد، حتی لو کان للمدرس موضع من المسجد یدرس فیہ فسبقہ غیرہ —

مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۲ھ۔

مسجد کا کوئی لوٹا اپنے لئے خاص کرنا

سوال[۶۲۰۷]: زید مسجد کا ایک لوٹا اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے، دوسرا کوئی استعمال کرتا ہے تو ناراض ہوتا ہے اور اس کو ناپاک کہتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ طریقہ غلط ہے، اگر اس کو وہم ہے کہ دوسرے کے استعمال سے لوٹا ناپاک ہو جاتا ہے، اس وہم کو چھوڑ دے، اگر نہ چھوٹ سکے تو اپنا لوٹا خرید کر علیحدہ رکھے اور وضو کے وقت لے آیا کرے، تاکہ دوسرے کو اس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

= فيه، ليس له إزعاجه وإقامته منه. .... في القنية أيضاً: ليس للمدرس في المسجد أن يجعل من بيته باباً إلى المسجد، وإن فعل أدى ضمان نقصان الجدار إن وقع فيه اهـ. وأعجب من ذلك أن بعض مدرسي الأروام يعتقد في المسجد الذي له مدرس أنه مدرسة وليس بمسجد حتى ينتهك حرمته بالمشي فيه بنعله المتنجس مع تصريح الواقف بجعله مسجداً". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها: ۲/۶۰، رشيديه)

(۱) "ويكره تخصيص مكان في المسجد لنفسه؛ لأنه يخل بالخشوع". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فصل: كره استقبال القبلة الخ: ۲/۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: ويكره استقبال القبلة، الخ: ۱/۳۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) یہ لوٹا چونکہ مسجد کا ہے اس لئے اپنے لئے خاص کرنا درست نہیں ہے "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج =

مسجد کا لوٹا اور جگہ مخصوص کرنا

سوال[۷۰۰۱]: اگر کوئی نمازی مسجد میں اپنی وضو کے لئے ایک لوٹا مخصوص کرلے اور اپنی نماز کے لئے جگہ مخصوص کرلے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے ہر لوٹے سے ہر نمازی کو وضو کرنے کا حق ہے، اسی طرح مسجد کے ہر حصہ میں ہر نمازی کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے، اس لئے کوئی شخص کسی خاص لوٹے کے استعمال سے، یا کسی خاص حصہ میں نماز پڑھنے سے اپنی خصوصیت کی بناء پر کسی نمازی کو منع نہیں کرسکتا(۱)۔ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ خود کسی خاص لوٹے سے اس کے اچھا پانے یا کسی دوسرے وصف کی بناء پر وضو کیا کرے، کسی اور لوٹے سے نہ کرے۔ بلاوجہ شرعی

= المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، وتصرف القيم، الخ: ۲/۴۶۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

(۱) "وأعجب من ذلك أنه إذا غضب على شخص يمنعه من دخول المسجد حضرت بسبب أمر دنيوي، وهذا كله جهل عظيم، ولا يبعد أن يكون كبيرة، لقد قال الله تعالى: ﴿وأن المساجد لله﴾ [الجن: ۱۸] فلا يجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمناً من عبادة يأتي بها في المسجد … ولا يتعين مكان مخصوص لأحد … له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعي: له أن يزعجه، وليس له ذلك عندنا". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل كره استقبال القبلة: ۲/۶۰، رشيديه)

(وكذا في غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، القول في أحكام المسجد: ۳/۱۹۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۶۶۲، سعيد)

مسجد کے کسی خاص حصہ کو نماز کے لئے متعین کرنا منع ہے کہ یہ تخصیص بلا تخصص شرعی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۷/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/رجب/۵۸ھ۔

مسجد کی اشیاء کا امام ومؤذن کے لئے استعمال

سوال [۶۱۶۵]: مسجد کا متفرق سامان امام یا مؤذن حسب ضرورت استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس، نینی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں: قسم اول اہل محلہ دیتے ہیں، وہ اگر امام صاحب کو اپنے حجرہ میں استعمال کی اجازت دیں تو درست ہے (۲)۔ قسم دوم منتظمین مسجد کے لئے خریدتے ہیں، اگر وہ اجازت دیں تو ان کی اجازت سے درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۵ھ۔

---

(۱) "ویکرہ تخصیص مکان فی المسجد لنفسہ، لأنہ یخل بالخشوع". (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا: ۲/۴۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا: ۱/۶۶۲، سعید)

(۲) "(قولہ: اتحد الواقف والجہۃ) بأن وقف وقفین علی المسجد. أحدہما علی العمارۃ والآخر إلی إمامہ أو مؤذنہ. والإمام والمؤذن لا یستقر لقلۃ المرسوم، للحاکم الدین أن یصرف من فاضل وقف المصالح والعمارۃ إلی الإمام والمؤذن باستصواب أہل الصلاح من أہل المحلۃ". (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوہ: ۴/۳۶۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۶۲، رشیدیہ)

(۳) "وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلی إمام المسجد أو إلی مؤذن المسجد، فلیس لہ ذلک، إلا إن کان الواقف شرط ذلک فی الوقف، کذا فی الذخیرۃ". (الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الوقف، الباب =

حجرۂ مسجد میں کتابت

سوال[۶۱۶۶]: اگر کوئی شخص مسجد کی حفاظت کے لئے مسجد کے حجرے میں رہتا ہے اور وہاں کتابت بھی کرتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

مولوی رحمت اللہ سیتاپوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مقصد حفاظتِ مسجد ہے تو درست ہے، فتاوی عالمگیری: ۴/۷۰ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیوارِ مسجد میں تختہ لگا کر قرآن ودینی کتب رکھنا

سوال[۶۱۶۷]: مسجد میں جہاں امام کھڑا رہتا ہے، اس دیوار ہی میں آس پاس جو محرابیں ہوتی ہیں ان میں فرش یا کچھ اور چیز لگا کر قرآن شریف ودیگر کتب رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تعمیرِ مسجد کو اس سے نقصان نہ پہنچے (دیوار کمزور نہ ہو جائے) تو قرآن پاک اور دینی کتب کا معاملہ

= الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی: ۲/۳۶۳، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی، کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وأوقافه ومسائله: ۳/۲۶۴، رشیدیہ)

(۱) "قالوا فی الخیاط: إذا جلس فیه لمصلحته من دفع الصبیان و صیانة المسجد، لا بأس به للضرورة .... والذی یکتب إن کان بأجر یکره، وإن کان بغیر أجر لا یکره". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها: ۲/۶۲، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، فصل: کره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشیدیہ)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، فصل: یکره استقبال القبلة: ۱/۴۲۲، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، السادس والعشرون فی حکم المسجد: ۴/۸۲، رشیدیہ)

کے لئے وہاں رکھنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۳/۹۲ھ۔

مسجد کی الماری میں اپنا تجارتی سامان رکھنا

سوال[۱۸۱۰۲]: ایک مولوی صاحب مسجد میں بچوں کو پڑھاتے ہیں دران کے پاس اپنا مکان بھی ہے، باوجود مکان ہونے کے مسجد کی الماری جو کہ موجود ہے اس میں اپنی تجارتی کتابیں رکھتے ہیں۔ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں الماری اس لیے بنائی جاتی ہے کہ اس میں مسجد کی چیزیں مثلاً: قرآن پاک، پنکھے، مصلیٰ، وغیرہ رکھا جائے، کسی کو اپنا سامان تجارت کیلئے رکھنا مستقل طور پر اس کا حق نہیں، الماری خالی کروی جائے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۸ھ۔

---

(۱) "وفي تعليلهم أن الصبي لو كان لا يشتغل بفعله لا يكره، بخلاف كدراهم ودنانير يسيرة أو كتاب ونحوه". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، رشيديه)

"لأن إباحته في المسجد للضرورة، فلا يجاوز موضعها". (فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "وكره إحضار الصبي والصمت والتكلم إلا بخير، أما الأول، فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد وله شغله بها". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۳۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۷، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم، وشراءكم وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، وإقامة حدودكم، الخ". (سنن ابن ماجة، باب ما يكره في المساجد، ص: ۵۵، مير محمد كتب خانه)

مسجد میں دینی کتابیں وغیرہ رکھنا

سوال [۷۱۹۹]: دینی مدارس کی دینی کتابیں اور کچھ غیر دینی مثلاً جغرافیہ وغیرہ مسجد کی الماری میں رکھ سکتا ہوں بوجہ حفاظت۔ کیونکہ گھر میں ان کے رکھنے کے لئے جگہ نہیں ہے اور کبھی کبھی ایک جوڑا کپڑا استعمال شدہ کی چیز مثلاً کنگھا، صابن اور ہمیشہ دوا، صابن، تیل، سر میں لگانے کو کنگھا (میں امام ہوں)۔ جواب دیں فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں جو کچھ سامان صابون، کنگھی، کپڑے وغیرہ رکھیں تو یہ عارضی کی چیز ہے(۱)، اگر مسجد میں حجرہ، سہ دری، وضو خانہ وغیرہ ہو تو وہاں رکھیں جہاں مستقل رات کو سوتے ہوں۔ ایسی کتابیں جن سے نمازی بھی فائدہ اٹھائیں مسجد میں رکھیں تو حرج نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی کتاب کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرنا

سوال [۷۲۰۰]: ایک امام مسجد نے ہمارے محلہ میں امامت کرنا شروع کی، یہاں محلے کے مسلمان امور غیر شرعی میں زیادہ مبتلا تھے۔ امام کا دل غیر شرعی امور میں مسلمانوں کو دیکھ کر کڑھتا، مگر مجبور تھا کہ ان کی اصلاح کیسے کی جائے۔ جب ان کو مسئلہ بتاتا تو لوگ ثبوت طلب کرتے، مگر امام صاحب کے پاس کوئی ایسی کتاب مستند نہیں تھی جو ان کو دکھا سکے۔ امام صاحب نے چندہ جمع کرکے ایک قرآن مترجم حضرت شیخ الہند کا خرید لیا اور تفسیر حقانی بھی خریدی۔ امام صاحب مذکورہ کتابیں مکان میں رکھ کر مطالعہ کرکے لوگوں کو سناتے ہیں ثبوت کے لئے ان

---

(۱) "وكره إحضار المبيع والصمت والتكلم إلا بخير، أما الأول فلأن المسجد محرز عن حقوق العباد، وفيه شغله بها". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية)

(وكذا في الهداية، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۱/۲۳۰، مكتبه شركت علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۳۹۴، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "لا يكره إحضاره كدراهم يسيرة أو كتاب ونحوه". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۵۳۰، رشيدية)

کو کتابیں دکھ تا ہے جس سے مسلمانوں کی کافی اصلاح ہوتی جا رہی ہے۔ کیا یہ کتابیں امام مکان میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس شکل میں کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چندہ دینے والوں کو اطلاع کردے کہ تم نے آپ کے دیئے ہوئے پیسوں سے کتابیں خریدی ہیں، ان کو مکان پر رکھ کر مطالعہ کرتا ہوں، ان کو اعتراض نہ ہو تو بس کافی ہے۔ اگر ان لوگوں نے امام کو پیسے کا مالک بنا دیا تھا تو پھر کسی قسم کا بھی اعتراض نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۷/۹۲ھ۔

مسجد کا تیل یا ڈھیلا اپنے ساتھ لے جانا

سوال [۷۱۷۵]: بہت سے آدمی مسجد کے چراغ میں سے اپنے تھیلوں میں تیل لگاتے ہیں اور بہت سے آدمی مسجد کے اندر سے ڈھیلے لے جا کر گھر پر رکھ دیتے ہیں اور وہیں پر استنجا میں استعمال کرتے ہیں۔ کیا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں باتوں کی اجازت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامناً". (شرح المجلة لسليم رستم باز: ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، مكتبه حنفيه كوئته)

"المغصوب في حكمها، فإنه ثبوت ولاية التصرف الذي ثبت له التوكيل، وهو أن لا يوكل، لا بإذن أو تعميم، و معه أنه أمين فيما في يده". (البحر الرائق، كتاب الوكالة: ۷/۲۴۸، رشيديه)

(۲) "وفي الإسعاف: وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد إلى بيته". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات و المقابر، إلخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف الأشجار: ۵/۸۴۰، إدارة القرآن كراچي)

حمام کے کوئلہ سے امام کو چائے بنانا

سوال[۷۱۷۲]: جس جگہ لکڑی با فراغت طلق ہے تو حمام کے لئے جو کوئلہ وغیرہ دیا جاتا ہے تو امام اس سے چائے وغیرہ بنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن لوگوں نے لکڑی دی ہے، اگر وہ اجازت دیدیں کہ امام اپنے استعمال میں بھی لائے تو امام کیلئے اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

متولی کی اجازت سے مسجد کا تیل امام ومؤذن کے لئے

سوال[۷۱۷۳]: مسجد میں جو عموماً لوگ تیل ڈال جاتے ہیں تو یا اس تیل کو امام ومؤذن مسجد اپنے حجرہ میں باذن متولی جلا سکتا ہے یا نہیں اور اس کا یا اذن از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تیل دینے والوں کی بھی اجازت ورضا مندی ہے تو جائز ہے اور متولی کا اذن بھی معتبر ہے ورنہ نہیں(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کا تیل امام کے لئے

سوال[۷۱۷۴]: امام کو کوئی شئ مسجد کی اپنے تصرف میں لانا مثل تیل وغیرہ شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق، وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع. ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن من ذلك، فله ذلك". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۱۹، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت المسألة الآتية فانظرها ثمة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر واقف نے اس کے متعلق امام کو اجازت دی ہے اور اس کی مقدار متعین کردی ہے اور امام غریب ہے تو امام کو بقدر تعیینِ واقف اس کا صرف کرنا درست ہے۔ اور اگر واقف نے تو اجازت نہیں دی، لیکن امام کی تنخواہ کا جزء قرار دیا ہے، مثلاً ہر ماہ اتنے روپیہ اور اتنا تیل تنخواہ مقرر کی گئی ہے تب بھی امام کو اس تعیین کے ماتحت اس میں تصرف کرنا درست ہے۔ اگر کوئی معاملہ واقف سے یا ملازم رکھنے والے سے نہیں کیا گیا تو امام کو مسجد کے چراغ سے مسجد میں رہتے ہوئے فائدہ اٹھانا جن اوقات میں مسجد کی ضرورت کے لئے چراغ روشن کیا جاتا ہے دیگر سب نمازیوں کی طرح درست ہے، تیل کو فروخت کرنا، اپنے گھر لے جاکر جلانا وغیرہ درست نہیں:

"وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلى إمام المسجد أو إلى مؤذن المسجد، فليس له ذلك، إلا إن كان الواقف شرط ذلك في الوقف، كذا في الذخيرة. ولو شرط الوقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد وبيّن قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً، وإن كان غنياً لايحل، وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين، كذا في الخلاصة"(۱)۔

وفي الفتاوى الهندية: "إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب في سراج المسجد، إن كان سراج المسجد موضوعاً في المسجد للصلوة، قيل: لابأس به. وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلوة بأن فرغ القوم من صلاتهم وذهبوا إلى بيوتهم وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على الثلث لايكون له حق التدريس، كذا في فتاوى

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم الخ: ۲/۴۶۳، رشيديه)

"ولو شرط الواقف في الوقف الصرف إلى إمام المسجد، وبيّن قدره، يصرف إليه إن كان فقيراً، وإن كان غنياً لايحل له، وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين" (خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، قيم المسجد: ۵/۸۵۷، ۸۵۸، إدارة القرآن كراچی)

قاضی خان، ص۲۔ عالمگیری(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ الاحد

صحیح: عبد اللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ۔

مسجد کا تیل وغیرہ امام کو استعمال کرنا

سوال [۵۰۰۷]: ۱..... پیش امام اور مؤذن وغیرہ کو تنخواہ میں جو کہ چار یا پانچ روپیہ ہوتی ہے یا علاوہ تنخواہ کے ضرورت سمجھ کر دیے ہی مذکورہ اشیاء یا ان کے دام متولی ان کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

۲..... اور یہاں اکثر مسجدوں میں پیش امام وغیرہ کی تنخواہ نہیں ہے اور اکثر پیش امام مذکورہ چیزیں اپنا حق سمجھ کر اپنے گھر میں خرچ کرتے ہیں اور ان پر اکثر مقتدی و متولی کچھ بھی اعتراض نہیں کرتے، بلکہ اکثر کہہ بھی دیتے ہیں کہ آپ کا حق ہے، آپ لے جایا کریں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اگر مسجد میں دینے والوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو درست ہے۔

۲..... اگر مسجد میں دینے والے یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ یہ اشیاء امام صاحب کو دی ہیں وہ اپنے گھر لے

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً، الخ، ۲/۳۵۹، رشيدية)

"وإذا أراد إنسان أن يدرس الكتاب بسراج المسجد، إن كان السراج موضوعاً في المسجد للصلوة، قيل: لا بأس، وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلوة بأن فرغ القوم عن صلاتهم وذهبوا إلى بيوتهم وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل، وفيما زاد على ثلث الليل ليس لهم تأخير السراج، فلا يكون لهم حق الدرس" (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ، ۳/۲۹۹، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد، ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيدية)

جائز استعمال کرلیں تو امام کو ایسا کرنا درست ہے(۱) اور دینے والے کے علاوہ اگر دوسرے مقتدی اجازت دیتے ہیں تو ان کی اجازت غیر معتبر ہے۔ اگر دینے والے دیتے ہیں مسجد میں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد کی اشیاء میں امام کو شرعاً اس قسم کا حق حاصل ہوتا ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/رجب/۵۹ھ۔ صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم۔

مسجد کا کنواں، نل، ڈول رسی استعمال کرنا

سوال[۷۱۷۱]: اگر مسجد میں کنواں یا نل لگا ہوا ہو تو اس کے پانی سے فقط وضو برائے نماز ہی کے کام میں لاسکتے ہیں، یا دیگر آدمی محلہ کے باشندے گھر کی ضروری میں لا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے کنویں کا پانی علاوہ نماز کے دوسرے کام میں بھی لانا درست ہے(۲)، لیکن احتیاط ضروری ہے، یعنی وہ کنواں اگر مسجد کے فرش پر ہے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مسجد کا فرش نجاست سے ملوث نہ ہو(۳)، نیز مسجد کے ڈول رسی کا استعمال ہے(۴)، اور مسجد کے نل کا ٹوٹنا زیادہ اور بے دردی سے استعمال نہ کیا جائے کہ جلد خراب ہوجائے اور اگر مسجد کی آمدنی سے لگایا ہے تو ضرورتِ نماز کے علاوہ استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/۱۰/۵۹ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة المارة فراجعها وطالعها)

(۲) "ولا بأس أن يشرب من الحوض والبئر ويسقي دابته، ويتوضأ منه" (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۲۴۷، رشيدية)

(۳) "لأن تنزيه المسجد من القذر واجب" (الحلبي الكبير، فصل في أحكام المسجد، ص: ۶۱۲، سهيل اكيدمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر: ۱/۶۶۰، سعيد)

(۴) "بعث شمعاً في شهر رمضان إلى مسجد، فاحترق وبقي منه ثلثه أو دونه، ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام والمؤذن يأخذه من غير صريح الإذن في ذلك، فله ذلك" (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۲۰۹، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آدمیوں کے آنے کی توقع نہ ہو تو چراغ بجھا دینا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ذ/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ذ/۵۵ھ۔

مسجد کا چراغ کب تک جلے اور فرش کب تک بچھے

سوال [۴۰۷۱]: مسجد میں تیل جو خرچ ہوتا ہے اس کو کسی چراغ میں جلانے کا کیا حکم ہے اور کتنی دیر تک حکم ہے، بڑی حجرہ اور پیر صاحب کا راستہ ہیں آنے جانے کی سہولت کے لئے چراغ جلانے درست ہیں اور تمام رات جلتے رہتے ہیں اور مسجد کے فرش وغیرہ مسافروں کی مجلس جمانے کیلئے بچھانے درست ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک مسافر لوگ نماز پڑھتے ہوں مسجد میں چراغ جلایا جائے (۲)، وضو خانہ اور غسل خانہ وغیرہ اور

---

(۱) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى وقت العشاء، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ومسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة في زماننا". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيدية)

"ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيدية)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ۴/۴۲۲، رشيدية)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، النوع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، رشيدية)

(۲) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيدية)

=

رات میں بھی حسب ضرورت چراغ جلایا جاسکتا ہے، مسجد کے فرش نماز و جماعت کیلئے بچھانا درست ہے، اگر فرش ہروقت بچھا رہتا ہو اور پیر صاحب اور ان کے مریدین مجلس جما کر اس پر بیٹھ جائیں تو مضائقہ نہیں۔ اگر نماز کے بعد فرش کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہو تو پھر ایسے وقت میں مجلس جما کر بیٹھنے کے لئے مستقلاً فرش مسجد کو استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ١٠/٤/٨٥ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ١٠/٩/٨٥ھ۔

مسافر کیلئے مسجد کی چٹائی کا استعمال کرنا

سوال [٧١٨٠]: مسافر اگر مسجد کی چٹائی لیٹنے کیلئے استعمال کرے تو کیا یہ فتویٰ کی رو سے درست ہے اور تقویٰ کی رو سے ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتویٰ کی رو سے درست ہے اور تقویٰ کی رو سے احتیاط اَولیٰ ہے، حرام نہیں (١)۔

تبلیغی جماعت کیلئے اشیائے مسجد کا استعمال

سوال [٧١٨١]: ... یہاں جامع مسجد شہر علی گڑھ میں تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں اور اپنا قیام مسجد میں کرتی ہیں، اور اپنا ناشتہ مسجد میں کرتی ہیں۔ نماز ظہر کی جماعت ودیگر وقتوں کے بعد وہ اپنی کتاب پڑھنا دین کی باتیں کرنا شروع کرتی ہیں۔ اسی درمیان میں وہ مسجد کا پنکھا بھی چلاتی ہیں، بجلی خرچ کرتی ہیں اور مسجد کا

= (وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وأوقافه ومسائله: ٤/٢٠٢، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ٥/٤٢٠، رشيدية)

(١) "وقيل: لا بأس للغريب أن ينام فيه، والأولى أن ينوي الاعتكاف، ليخرج من الخلاف". (الحلبي الكبير، ص: ٦١٣، فصل في أحكام المسجد، سهيل أكيدمي لاهور)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ١/٦٦١، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، الخ: ٥/٣٢١، رشيدية)

پنکھا استعمال کرتی ہیں، اس کا خرچ بھی مسجد کے وقف پر پڑتا ہے جب کہ مسجد کے وقف کی انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے صرف اوقات جماعت میں پنکھا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ان جماعتوں کو اپنے اوقات میں مسجد کا پنکھا بجلی وغیرہ استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲... کیا مسجد کے وقف کی انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ اس قسم کے اخراجات مسجد کی وقف آمدنی پر ڈالیں؟

۳... کیا مسجد کی وقف انتظامیہ کمیٹی کو شرعاً یہ اختیار ہے کہ وہ کسی بھی فرد یا جماعت کو غیر اوقات فرض نماز باجماعت میں مسجد کی املاک استعمال کرنے کی اجازت دے؟

۴... کیا یہ شرعاً جائز ہے کہ کوئی فرد یا جماعت کوئی کتاب پڑھتے وقت بجلی کا پنکھا استعمال کرے اور بجلی کا خرچ اپنی جیب سے ادا کرے یا اپنے ٹھہرنے اور سونے کے لئے بجلی کا پنکھا استعمال کرے؟

۵... کیا مسجد کی املاک کو غیر نماز کے مقصد میں استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وقف مسجد کا پیسہ مسجد کی اور وقف کے تحت وقف کی انتظامیہ کمیٹی کی نگرانی و تجویز سے صرف کیا جاتا ہے(۱)، منشائے واقف کے خلاف خرچ کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ کمیٹی کو بھی حق نہیں کہ وہ اجازت دے(۲)۔

(۱) "ویبدأ من غلته بعمارته، ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد و مدرس مدرسة الخ" (الدر المختار) "(قوله: ثم ما هو أقرب لعمارته) والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أولا. ثم ما هو أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد .... ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح. هذا إذا لم يكن معيناً. فإن كان الواقف معيناً على شيء يصرف إليه بعد عمارة البناء. اهـ". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها: ۴/۳۶۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۵۶، رشيديه)

(۲) "شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به" (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۵، سعيد)

۱..... جائز نہیں (۱)۔

۲..... اجازت نہیں (۲)۔

۳..... صرف اوقاتِ جماعت تک محدود نہ رکھے، بلکہ جماعت سے قبل اور بعد کی سنتوں ونفلوں، نیز مسبوق کی نماز پوری ہونے تک کی گنجائش دے دی جائے، معمولی تاخیر ہوجائے تو تو قابلِ تسامح ہے (۳)۔

۴..... یہ جماعتیں دینی کام نماز وغیرہ ہی کے لئے نکلتی ہیں اور مساجد میں قیام کرتی ہیں اور ان کے اس کام سے بہت بڑا نفع ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان جماعتوں کو مسجد میں رہنے ٹھہرنے، اپنی کتاب سننے کی اجازت دے دی جائے اور ان کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔ جماعتیں اوقاتِ نماز وجماعت کے علاوہ بجلی کو استعمال کریں اور اس کا صرفہ دیدیں، یہ صرفہ مسجد پر نہ ڈالیں، انتظامیہ بجلی کا صرفہ ان جماعتوں سے قبول

= (وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك ..... أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا ..... إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب بسراج المسجد للصلاة، قيل: لا بأس به. وإن كان موضوعاً في المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم وذهبوا إلى بيوتهم وبقي السراج في المسجد، قالوا: لا بأس بأن يدرس به إلى ثلث الليل وفيما زاد على الثلث لا يكون له حق التدريس، كذا في فتاوى قاضيخان" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً، الخ: ۳/۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(۲) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

بجلی کا پنکھا غیر اوقاتِ نماز میں چالو کرنا

سوال [۶۱۸۴]: مسجدوں میں بجلی اور پنکھے وغیرہ لگے ہوئے ہیں، نماز کے علاوہ دوسری ضرورت کے واسطے ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ جیسے تلاوت کلامِ پاک، مطالعہ کتب، تحقیق، تعلیم وغیرہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنکھے چونکہ نماز کے وقت استعمال کرنے کیلئے لگائے گئے ہیں، ان کو دیگر اوقات میں استعمال کی اجازت نہیں (۱)، اوقاتِ نماز میں جب نماز کیلئے کھولے جائیں تو مطالعہ کی بھی اجازت ہے (۲)۔ "شرط الواقف کنص الشارع" (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۹۲ھ۔

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۹، رشيديه)

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل، بل بقدر حاجة المصلين. ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيديه)

(۲) "يجوز ترك سراج المسجد فيه من المغرب إلى العشاء لا كل الليل، إلا إذا جرت العادة بذلك كمسجد سيدنا عليه السلام، والمدرس يدرس بسراجه إن وضعوه إلى ثلث الليل للصلاة أو غيره لا بأس به". (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الأول: ۲/۴۵۹، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچي)

(۳) (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعيد)

مسجد میں بجلی کا پنکھا

سوال [۶۸۴۷]: مسجد میں بجلی کی روشنی، بجلی کا پنکھا نماز باجماعت کی حالت میں یا اوقاتِ نماز میں پنکھے کا چلنا کیسا ہے، جب کہ نمازیوں ہی نے اپنے پاس سے بجلی وبجلی کا پنکھا مسجد میں لگوایا ہے؟ اور اس کا ماہواری خرچ بھی نمازی ہی اپنے پاس سے ادا کرتے ہیں، وہ متولی یا مسجد کی آمدنی سے ایک پائی خرچ نہیں کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں پنکھے کا چلانا جائز ہے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی، یا نماز میں اس سے کچھ خلل آتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گرمی کے وقت نمازیوں کی راحت واطمینان کے لئے بجلی کا پنکھا مسجد میں چلنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا، بلکہ تو دلجمعی سے نماز درست ہوگی، ایسی منفعت وراحت کا انتظام کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔ بجلی کی روشنی سے بھی نماز میں خرابی نہیں آتی، زمانہ سلف میں یہ دونوں چیزیں موجود نہیں تھیں، مگر چراغ کی روشنی کا دستور تھا، حتیٰ کہ زیادہ تاریکی میں کہ صحیح قبلہ کا صحیح پتہ نہ چل سکے فقہاء نے نماز کو مکروہ لکھا ہے۔ دستی پنکھے بھی مساجد میں موجود رہتے تھے، فرشی پنکھے کو مجموعۃ الفتاویٰ میں مولانا عبدالحی نے مباح لکھا ہے (۱)۔ کوکب دری میں ہے: ۱/۹۹:

"(قوله: بالقناديل والتنوير): فيعلم منه دلالة على تعليق السراج في المساجد أنها ليست سوى شيئاً من التنوير مع منع التنوير من الشمع والحلويات المئيس في المروحة، اھ" (۲)۔ فقط

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف، [illegible]

مسجد کے پنکھے کا استعمال

سوال [۶۸۴۸]: ...ہماری مسجد کے امام صاحب دس بجے شب میں اعتکاف کی نیت کرتے ہیں

---

(۱) "مسجد میں فی نفسہ فرشی پنکھا لگانا مباح ہے، کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری"۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لعبد الحیؒ (اردو) کتاب المساجد: ۱/۱۷۷، سعید)

(۲) (الکوکب الدری: ۱/۸۴، أبواب التفسير، الصلاة الوسطى، الفجر يحق في المسجد، إدارة القرآن كراچي)

اور مسجد میں سو جاتے ہیں اور مسجد کے پنکھے استعمال کرتے ہیں اور امام صاحب دو بجے شب میں اعتکاف ختم کر دیتے ہیں۔ پنکھوں کا چلانا جائز ہے یا نہیں؟

۲… چند روزہ دار حضرات مسجد کا پنکھا استعمال کرتے ہیں اور مسجد میں سو جاتے ہیں۔ ویسے تو روزہ خود عبادت ہے اور فرض ہے تو ان لوگوں کو پنکھے کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

۳… مسجد کا پنکھا چلا کر کلام پاک کا دور کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور مسجد میں سونا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱… جس نے مسجد کے لئے پنکھا دیا ہے، اگر صرف نماز کے لئے دیا ہے تو دیگر اوقات میں اس پنکھے کا استعمال نہ کیا جائے (۱)، امام اور دوسرے لوگ اس میں سب برابر ہیں۔

۲… اس کا جواب بھی جواب نمبر: ا سے ظاہر ہے۔

۳… اس کا حال بھی یہی ہے۔

تنبیہ: بہتر یہ ہے کہ یہ پنکھا استعمال کرنے والے حضرات مسجد کو پنکھا استعمال کرنے کی وجہ سے جس قدر مصارف زیادہ ہوں وہ دے دیں (۲)۔ اور جس نے مسجد کو پنکھا دیا ہے وہ بھی دوسرے اوقات میں استعمال

---

(۱) "ولو وقف على دهن السراج للمسجد، لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوة فيه، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول: ۴۵۹/۲، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۲۹۹/۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۲۶۹/۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۸۵۰/۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ولا بأس بالجلوس في المسجد لغير الصلوة، لكن لو تلف به شيء يضمن". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل في المسجد: ۶۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل: يكره غلق باب المسجد الخ: ۱۱۰/۱، رشيديه)

کرنے کی اجازت دے دے۔ غرض نہ مسجد پر مصارف زیادہ پڑیں، نہ بجلی دینے والے کے منشاء کے خلاف ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۱۳۹۹ھ۔

غسل خانہ وغیرہ میں روشنی کا انتظام

سوال [۷۱۹۶]: زید کے چھوٹے بھائی نے اپنے صرفہ سے مسجد میں بجلی لگوائی اور وہی بل ادا کرتا ہے۔ صرف دو بلب اندر باہر لگے ہوئے ہیں، غسل خانہ میں کوئی روشنی نہیں۔ زید جب فارغ ہو جاتا ہے تو بجلی بند کر دیتا ہے، حالانکہ اور نمازی مشغول رہتے ہیں۔ اگر کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم ہی نے تو بجلی لگوائی ہے، بل زیادہ آئے گا۔ اگر کہا جاتا ہے کہ تم صرفہ سے لو تو انکار کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دو بلب کافی نہیں ہے تو جہاں جہاں ضرورت ہو مسجد والے وہاں وہاں روشنی کا انتظام کریں، خواہ چراغ سے ہو یا بجلی سے(۲)، ان صورتوں میں جس قدر زائد بجلی خرچ ہو وہ مسجد والے ادا کریں، جس نے

---

(۱) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أو كان ذلك معتاداً في ذلك الموضع" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، فصل كره غلق باب المسجد: ۱/۱۱۰، رشيدية)

(۲) "ولهم أيضاً أن يفرشوا بالآجر والحصير ويعلقوا القناديل، لكن من مال أنفسهم لا من مال المسجد إلا بأمر الحاكم" (البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الرابع في المسجد وما يتصل به: ۶/۲۶۸، ۲۶۹، رشيدية)

"أراد أن يشتري للمسجد دهناً أو حصيراً، فإن كان المسجد مستغنياً عن الدهن محتاجاً إلى الحصير، فالحصير أفضل، وإن كان على العكس فشراء الدهن أفضل" (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات: ۲/۴۸۳، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً: ۳/۲۹۷، رشيدية)

ثواب کے لئے بجلی لگوائی ہے ان کو ضرور ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد کی بجلی دوسرے کو دینا

سوال [۷۱۸۷]: کیا مسجد سے دوسرے شخص کو بجلی اور روشنی دی جاسکتی ہے جبکہ کوئی نقصان نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک ہوسکے مسجد کی بجلی کا تعلق دوسرے سے نہ ہونا چاہیے (۱) اگرچہ اس میں مسجد کی بجلی پر کوئی فرق نہ آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

مسجد کی جائے نماز وغیرہ کا محافظ کون ہے؟ اور تقریبات میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں

سوال [۷۱۸۸]: مسجد کا مصلی و دیگر جائے نماز جو کہ چھوٹے کا ہے وہ امام کی قبضہ داری میں رہنا چاہیے یا کسی اور کی، یہاں پر لوگ اپنے مکان میں رکھتے ہیں مسجد میں نہیں لاتے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم کو کرتھوڑی دیر جلد ادا کر لو یا دے جاویں۔ مسجد کے جائے نماز شادی کی تقریبات، بستر وغیرہ کے بچھانے کے استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) "المتولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد، كذا في قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم الخ: ۲/۴۶۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی حفاظت کے لئے ملازم رکھا جائے (۱)، مثلاً موذن اذان بھی کہے، مسجد کی صفائی اور حفاظت بھی کرے (۲)، اس کی تحویل ونگرانی میں سامان رکھا جائے اور نماز وغیرہ بھی رہے کہ مسجد کی چیز صحیح جگہ پر خرچ ہو اور نمازیوں کو بھی تکلیف نہ ہو۔ مسجد کی جائے نماز شادی کی تقریبات وغیرہ میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں (۳)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/شوال/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۶/شوال/۶۷ھ۔

---

(۱) "وللمتولي أن يستأجر من يخدم المسجد بكنسه ونحو ذلك بأجر مثله". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد، الخ: ۲/۴۶۱، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۲، رشيدية)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الأول في المتولي: ۶/۲۴۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "المتولي إذا أمر المؤذن أن يخدم المسجد، وسمى له أجراً معلوماً لكل سنة، قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى: تصح الإجارة؛ لأنه يملك الاستئجار لخدمة المسجد".

(البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۰۵، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۳، ۲۹۴، رشيدية)

(۳) "متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم الخ: ۲/۴۶۲، رشيدية)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ: ۳/۳۰۰، رشيدية)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۵۱، إدارة القرآن كراچی)

مسجد کا سامان اور مکان جو استعمال کرے وہ کرایہ دے

سوال [۶۸۰۹]: مسجد کے مکانات اس کے در و دیوار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہے؟ امام مسجد، مؤذن اور متولی میں سے زیادہ حق کس کو ہے، مثلاً ہیٹر بھی اور دوسری اشیاء کے متعلق امام، مؤذن اور متولی کا کیا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے مکانات کے استعمال کی کسی کو بھی اجازت نہیں، جو استعمال کرے معاوضہ دے۔ امام و مؤذن کو اگر کوئی مکان یا کمرہ دیا جائے تو وہ حق الخدمت میں دیا جائے یعنی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ آپ کو اتنی تنخواہ ملے گی اور رہنے کے لئے کمرہ ملے گا(۱)۔ متولی اگر استعمال کریں تو وہ بھی کرایہ ادا کریں(۲)۔ ہیٹر بھی اور دیگر اشیائے مسجد کو بھی بلا معاوضہ کسی کو استعمال کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۱۳۹۵ھ۔

مسجد کی چھت سے گری ہوئی لکڑی کو پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کرنا

سوال [۶۸۱۰]: مسجد کی چھت سے اتری ہوئی لکڑی وغیرہ سے مسجد کے نمازیوں کے لئے پانی گرم

---

(۱) "وللمؤذن أن يسكن في بيت هو وقف على المسجد، كذا في الفوائد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد: ۵/۳۲۲، رشيدية)

(۲) "حتى لو آجر الوقف من نفسه أو سكنه بأجرة المثل، لا يجوز، وكذا إذا آجره من ابنه للتهمة، ولا نظر معها، كذا في الإسعاف". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيدية)

"ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم في الأوقاف: ۲/۴۲۰، رشيدية)

"ولا تجوز إعارة الوقف والإسكان فيه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق، رشيدية)

"وإذا علم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولى، ويجب أجر المثل، كما قدمناه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشيدية)

کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سامان بیکار ہے لکڑی وغیرہ تو مسجد کی ضرورت کیلئے ہے اس سے پانی گرم کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۹۱ھ۔

مسجد کا گرم پانی گھر لے جانا

سوال[۷۱۹۱]: ایک شخص اس محلہ سے کچھ چندہ لیکر اور اپنا زر کثیر خرچ کر کے ایک مسجد تعمیر کرے اور پھر مسجد کے مخصوص ضروریات کے لئے یعنی: فقط بورے اچٹائی لوٹے اور مرمت مسجد کیلئے مکان اور دوکان وقف کردی ہے اس کی آمدنی بحیثیت مذکورہ ضروریات مسجد پر خرچ ہوتی ہے۔ اہل محلہ تقاضہ کرتے ہیں کہ اس کی آمدنی کو گرم پانی کے مصارف پر خرچ کیا جائے اور صاحب وقف کہتا ہے کہ مذکورہ مخصوص ضروریات کیلئے وقف کیا ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

علاوہ ازیں یہ بھی دریافت طلب چیز ہے کہ رواج ٹھہر گیا ہے کہ اہل محلہ مسجد میں پانی گرم کرتے ہیں نمازیوں کیلئے، ہر بے نماز اس سے غسل کرتا ہے اور گھروں میں لے جاتے ہیں۔ بے نماز کا غسل کرنا اور گھر عورتوں اور مردوں کا۔ نمازی ہو یا غیر نمازی ہو۔ گھروں میں لیجانا جائز ہے یا نہیں؟

الراقم: وزیر محمد۔

(۱) جب کہ سامان وقف جس طرح بیچنا جائز ہے اسی طرح مسجد کی ضروریات میں استعمال کرنا بھی جائز ہے:

"سئل عنه قارئ الهداية بأنه: سئل عن وقف تهدم ولم يكن له شيء يعمر منه ولا أمكن إجارته ولا تعميره: هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب؟ أجاب: إن كان الأمر كذلك، صح بيعه بأمر الحاكم، ويشترى بثمنه وقف مكانه". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/ ۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته: ۴/ ۳۷۶، ۳۷۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الوقف: ۲/ ۶۴۲، شركت علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب واقف پانی گرم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صراحۃً منع کرتا ہے تو "نص الواقف کنص الشارع" کے ماتحت پانی گرم کرنے میں اس آمدنی کو خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ ہاں! اگر واقف اجازت دیدے تو جائز ہے۔ جو لوگ اپنے دام خرچ کرکے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہیں، ان کو اختیار ہے کہ وہ کسی بے نمازی کو استعمال نہ کرنے دیں (۲)، نیز کسی کو اپنے گھر نہ لے جانے دیں۔ جو شخص بلا ان کی اجازت اپنے گھر لے جائے گا گنہگار ہوگا، کیونکہ یہ پانی مسجد کے روپے سے گرم نہیں ہوتا، بلکہ اہلِ محلہ خود گرم کرتے ہیں، وار و مدار اہلِ محلہ کی اجازت پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ذی قعدہ/۵۴ھ۔

بے نمازیوں کا مسجد کا گرم پانی استعمال کرنا

سوال [۷۱۹۲]: مسجد کا گرم پانی جو وضو کے لئے ہوتا ہے، اس سے بے نمازی کا غسل کرنا، ہاتھ منہ دھونا، کپڑا دھونا کیسا ہے، جب کہ وضو کے بعد اگر اس کو استعمال نہ کیا تو پھر میں وہ خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا؟

محمد انس زراری کمیٹری، تلخیص پیچی تال۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو پانی مسجد میں نمازیوں کے لئے گرم کیا جائے بے نمازیوں کا اس کو منہ دھونے یا کپڑے دھونے

---

(۱) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به".

(رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، ۴۳۴، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، كتاب الوقف: ۲/۱۰۶، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الوقف: ۲/۶۰۸، غفاريه كوئته)

(۲) "لأن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية، وله أن يخص صنفاً من الفقراء، ولو كان الوضع في كلهم قربة". (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب: شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع: ۴/۳۴۳، سعيد)

نیز عام طور پر وہ چیز نہ دی جائے (۱)، ہاں اگر مسجد کی مصالح کا تقاضہ ہے تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۱ھ۔

مسجد کا سامان مانگنا

سوال [۱۹۳۰۱]: مسجد کا سامان مثلاً ٹینٹ، تختی، دری وغیرہ اگر کوئی تقریب کے لئے مانگے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی چیز بلا اجرت یا بلا قیمت لینے کا حق نہیں، نہ ان کا دینا جائز ہے، نہ بلا اجازت (۲)۔ جو چیز اجرت پر دینے کے لئے ہو اس کو اجرت پر دینا درست ہے (۳) اور جو چیز فروخت کرنے کے لئے ہو اس کی قیمت لے کر اس

---

(۱) "ولا یجوز إعارة أدواته لمسجد آخر" (الأشباه والنظائر، القول فی أحکام المسجد: ۳/۲۳۲، (رقم اسلامی: ۳)، إدارة القرآن کراچی)

"متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلی بیته، وله أن یحمله من البیت إلی المسجد، کذا فی فتاوی قاضی خان". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیم الخ: ۲/۴۶۲، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۲۴۲، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ: ۳/۲۹۴، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد: ۵/۸۶۵، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "فإذا تم ولزم، لا یملک ولا یملّک ولا یعار ولا یرهن" (الدر المختار). "(ولا یعار ولا یرهن) لاقتضائهما الملک". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۴/۳۵۱، سعید)

"وبناء علی حرمة إیجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالأولی". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۹۹، رشیدیه)

(۳) "ولا یجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل" (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف وتصرف القیم فی الأوقاف الخ: ۲/۴۱۹، رشیدیه)

کا لینا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

مسجد کے ٹانکی سے محلہ والوں کا پانی لے جانا

سوال[۷۱۹۵]: مسجد میں ٹانکی ہے اس میں نل لگے ہیں، شہر سے بذریعہ نل پانی ٹانکی میں آتا ہے، پانی کا ٹیکس مسجد کی کمیٹی ادا کرتی ہے، محلہ کے لوگ آکر اپنی ضروریات کا پانی لے جاتے ہیں۔ وضو کرنے کی جگہ مسجد کے اندر ہے، اس جگہ پر وضو مصلی حضرات پیر رکھ کر مسجد میں آتے ہیں۔ باہر کے بچے مسجد کے اندر نل سے پانی لے جاتے ہیں، باہر کی خراب مٹی مسجد میں بھرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد کے ٹانکے سے محلہ کے لوگ اپنی ضروریات کے لئے پانی لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پانی کنویں کے پانی کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو لینے کا اختیار ہو، بلکہ یہ گھڑے میں رکھے ہوئے پانی کی طرح ہے کہ مالک نے اپنی ضرورت کے لئے گھڑے میں بھر رکھا ہے، وہ اس پانی کا مالک ہو گیا، کسی شخص کو بغیر اس کی اجازت کے لینے کا حق نہیں(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "وإذا رأى حشيش المسجد فدفعه إنسان، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

"وكذا لو اشترى حشيشاً أو قنديلاً للمسجد، فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً، ولورثته إن كان ميتاً، وعند أبي يوسف: يباع ذلك، ويصرف ثمنه إلى حوائج المسجد". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۳، رشيديه)

(۲) "(وله سقي شجره أو خضره زرع في داره حملاً) إليه بجراره (وأوانيه (في الأصح)، وقيل: لا إلا بإذنه (والمحرز في كوز وحب) بمهملة مضمومة، الخابية. (لا ينتفع به إلا بإذن صاحبه) لملكه بإحرازه" =

مسجد کے نل سے اہلِ محلہ کا پانی لے جانا

سوال [۷۱۹۴]: ہمارے یہاں مسجد میں جو نل (ہینڈ پمپ) لگا ہوا ہے محلہ کے کچھ مکانات کے لوگ اس نل سے اپنی ضروریات کیلئے پانی استعمال کرتے ہیں، اس میں کوئی گناہ تو نہیں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نل سے اہلِ محلہ کو پانی لینا درست ہے، مگر احتیاط سے استعمال کریں (۱)، اگر خراب ہوجائے تو اس کی اصلاح بھی کرادیا کریں، یہ بات نہ ہو کہ پانی تو اہلِ محلہ بھریں اور مرمت مسجد کے ذمہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

درختِ مسجد کے پھل کا استعمال

سوال [۷۱۹۵]: ایک مسجد ہے اور اس مسجد کے اندر درخت ہے اور اس درخت میں پھل لگے ہیں اور پھل پک چکا ہے، تو کیا یہ پھل کسی شخص کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس مسجد میں کوئی تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہو تو یہ پھل اس جماعت والے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) رد المحتار، کتاب إحیاء الموات، فصل الشرب: ۴۴۲/۶، سعید

"وفي الوضوء من السقاية إذا كان الماء للشرب اختلاف المشايخ، والسقاية للوضوء لا يجوز الشرب منها بالإجماع". (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۲/۵، رشيدية)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر: ۴۶۵/۲، رشيدية)

(۲) "ولا يجوز الوضوء من الحياض المعدة للشرب في الصحيح، ويمنع من الوضوء منه، وفيه وحمله لأهله إن مأذوناً به جاز، وإلا لا". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۴/۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر، الخ: ۴۶۵/۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۴۲۰/۵، رشيدية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظاہر ہے کہ وہ درخت مسجد کا ہے، اس کے پھلوں کی قیمت مسجد میں دے دی جائے، پھر جس کو دل چاہے کھلا دیا جائے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی طرف سے مسجد میں اعلان آویزاں کرنا

سوال[۷۱۹۸]: مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے نظم ونسق باقی رکھنے کے لئے مسجد میں ہر وقت کے شور اور ہنگامہ کو بچانے کے لئے مندرجہ ذیل اعلان آویزاں کیا ہے:

۱- بجلی کے پنکھے اذان کے وقت کھولے جائیں گے اور بعد فراغت نماز بند کردئے جائیں گے۔

۲- پانچوں وقت کی اذان ونماز مسجد کی گھڑی سے ہوگی۔

۳- امام مسجد کے علاوہ مسجد میں کسی دوسرے کو بغیر اجازت تقریر کرنا منع ہے۔

۴- مقرر کو ضروری ہوگا کہ آداب مسجد کا خیال کرتے ہوئے تقریر فرمائیں اور کسی کے اختلافی مسائل کو بیان نہ کریں نہ ہی کوئی اشتعال انگیز تقریر فرمائیں۔

۵- مسجد کا کوئی سامان بغیر اجازت استعمال کرنا منع ہے۔

۶- مسجد کی دیواروں پر اشتہار چسپاں کرنا منع ہے۔

۷- مسجد کے نل سے بغیر اجازت پانی بھرنا منع ہے۔

۸- مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا منع ہے۔

۹- امام ومؤذن سے متعلق کوئی شکایت ہو تو اس کو لکھ کر مسجد کمیٹی کو دیں۔

۱۰- مسجد میں نماز اور نمازیوں کا خیال رکھتے ہوئے سلام آہستہ کریں تاکہ نماز میں خلل واقع نہ ہو۔

---

(۱) "غرس في المسجد أشجاراً تثمر إن غرس للسبيل، فلكل مسلم الأكل، وإلا فتباع لمصالح المسجد". (الدر المختار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، مطلب الكلام على الأشجار في المقبرة ونحو ذلك: ۲/۴۷۷، رشيدية)

اس طرح کا اعلان مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انتظام صحیح رکھنے اور خلفشار سے بچانے کیلئے یہ اعلان مناسب ہے، لیکن اگر پانی لینے کا کوئی اور انتظام قریب نہ ہو تو مسجد کے نل سے پانی بھرنے میں کچھ سہولت دینے کی ضرورت ہے (۱)، البتہ اگر مشین سے مسجد کی ٹنکی یا حوض میں پانی جمع کر دیا گیا ہے تو اس کو بھر کر اپنے گھر نہ لے جائیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۰۰ھ۔

مسجد کے صحن میں کاروباری اشتہار

سوال [۶۹۹۹]: مسجد کے صحن کے اندر یا مسجد کے کسی حصہ میں کاروباری اشتہار لگانا کیسا ہے؟

نقشۂ افطار وسحر میں دوکان کا اشتہار

سوال [۷۰۰۰]: ایک شخص رمضان المبارک کے افطار وسحر کے نقشہ میں نیچے کے حصہ میں اپنی دوکان کی مشہوری کے لئے اشتہار لکھوائے اور اس نقشہ کو مسجد کے صحن یا مسجد کے کسی حصہ میں لگائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد (جہاں نماز پڑھی جاتی ہے) کے صحن یا کسی بھی حصہ کو تجارت گاہ نہ بنایا جائے، کاروباری اشتہار وہاں نہ لگائے جائیں (۳)۔

---

(۱) "ولا بأس أن يشرب من الحوض والبئر ويسقي دابته ويتوضأ منه" (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيدية)

(۲) "المتولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته، وله أن يحمله من البيت إلى المسجد". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثاني في الوقف على المسجد وتصرف القيم: ۲/۴۶۲، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۲، رشيدية)

(۳) "عن واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "جنبوا =

۴. ایسا نقشہ مسجد کے بیرونی دروازے اور دیوار پر لگا دیا جائے تو مضائقہ نہیں، تاکہ اظہار و تشکر کا حکم بھی اس سے ہو سکے اور دوکان کی مشہوری بھی ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۵ھ۔

مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشراءکم ورفع أصواتکم". (سنن ابن ماجة، أبواب المساجد والجماعات، باب مایکرہ فی المساجد، ص: ۵۴، قدیمی)

"ویکرہ إحضار المبیع والصمت والتکلم إلا بخیر، أما الأول، فلأن المسجد محرر عن حقوق العباد وفیہ شغلہ" (البحر الرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۵۳۱، رشیدیہ)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۸، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب الصوم، باب الاعتکاف ۲/۳۹۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)